بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ

مِصْبَاحُ الْخُطَبَاء

جلد چہارم

مختلف عنوانات پر بیش قیمت

تقاریر کا بے مثال مجموعہ حقائق و دقائق کا انمول خزینہ

مبلغین و مقررین کے لیے ایک نادر تحفہ

مرتبہ

حکیم حافظ عبد الخالق

خوشاب

ناشر

مکتبۃ البشیر

جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ نور السماوات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح (القرآن)

مصباح الخطباء

جلد چہارم

مختلف عنوانات پر بیش قیمت تقاریر کا بے مثال مجموعہ۔
حقائق و دقائق کا انمول خزینہ۔ عوام و خواص کیلئے
یکساں مفید۔ مبلغین اور مقررین کے لیے نادر تحفہ۔

مرتبہ

حکیم حافظ عبدالخالق

خوشاب

ناشر

مکتبۃ البشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب	مصباح الخلفاء (جلد چہارم)
نام مؤلف	علامہ حکیم عبدالخالق خوشاب
کتابت	محمد عمران امر۔ جوہر آباد
تاریخ طباعت	اکتوبر۔ 2009ء
مطبع	یمانی پرنٹرز ۲۵ ہجویری پارک ریٹی گن روڈ لاہور
ناشر	مکتبۃ المبشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب
قیمت	310 روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبۃ المبشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب۔
☆ مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔
☆ دفتر ماہنامہ نفرۃ توحید جامع مسجد بخاری فیصل گیٹ گجرات۔
☆ ادارہ اشاعت التوحید والسنت مسجد شہداء مال روڈ لاہور۔
☆ مکتبہ الیمان پنج پیر ضلع صوابی (صوبہ سرحد)۔
☆ اشاعت اکیڈمی قصہ خوانی بازار پشاور۔
☆ مکتبہ حمادیہ جامعہ اسلامیہ بدر العلوم رحیم یار خان۔
☆ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
☆ مکتبہ حقانیہ جامعہ حقانیہ نزد سوئی گیس دفتر گوجرانوالہ۔
☆ مکتبہ اشاعت الاسلام فیصل آباد۔
☆ مکتبہ حسینیہ جامع مسجد معاویہ ؓ واٹر سپلائی روڈ سرگودھا۔
☆ محمدی کتب خانہ گڑھا چوک منڈی بہاؤالدین۔
☆ مکتبہ توحید وسنت بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا۔
☆

آئینہ

اِنتساب

اُنہی کے نام جن کے فیضِ صحبت سے میں اس قابل ہوا

☆☆☆☆☆☆☆☆

رئیس الموحدین پیرِ طریقت خطیبِ اسلام

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہ

گجرات

☆☆☆☆☆☆☆☆

قاطع شرک و بدعت' داعی توحید و سنت' مجاہد ملت

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ

راولپنڈی

☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر والحدیث' جامع المعقول والمنقول

اُستاذ العلماء حضرت مولانا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

خوشاب

☆☆☆☆☆☆☆☆

عرض مرتب

مُبسملاً و مُحمدلاً و مُصلیاً و مُسلماً.

مصباح الخطباء جلد اول، دوم اور سوم کو علمی حلقوں میں جو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے یہ محض میرے اللہ کا فضل واحسان ہے۔

میں اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اس ذات عالی کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

این سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اُسی ذات عالی کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ آج میں اس کتاب کی چوتھی جلد قارئین گرامی کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ دینی اور عوامی حلقے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

علماء کرام سے متمنی ہوں کہ اگر کوئی کمی کوتاہی محسوس فرمائیں تو اپنی رائے گرامی سے ضرور مستفید فرمائیں۔ (شکریہ)

دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر مجھے اخروی اجر وثواب سے نوازے، اور ہر پڑھنے والے کے لیے اسے ذریعہ ہدایت و نجات بنائے۔ (آمین)

قارئین گرامی سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے، میرے اساتذہ کرام اور میرے والدین مرحومین کو ضرور یاد رکھیں۔ شکریہ

احقر العباد

فقیر عبدالخالق از خوشاب

۲ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

مطابق ۲۶ جون ۲۰۰۹ء یوم الجمعہ


بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰھُمَّ
بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

۱:- آیاتِ کائنات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَآیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَ قُعُوْداً وَ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۃ آل عمران) صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم.

اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے سب میں سے انسان کو اشرف و اعلیٰ بنایا ہے۔ انسان کو اشرف المخلوقات اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و فہم کی دولت سے نواز کر کائنات کی ہر چیز اس کے لیے مسخر کر دی ہے۔

انسان جس طرح اپنی سمجھ اور عقل سے کائنات کی ہر ہر چیز سے اپنی خدمت کا کام لے سکتا ہے اسی طرح ہر ہر چیز میں تدبر و تفکر کر کے اپنے خالق کی معرفت بھی حاصل کر سکتا ہے۔ صحیح معنوں میں عقل مند انسان وہی ہے جو کائنات کی ہر چیز میں غور و فکر کر کے محض مادیات کی حقیقت و معرفت پر انحصار نہیں کرتا بلکہ ایک قدم اور پیچھے جا کر خالق کائنات کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ کائنات کی کسی چیز پر بھی اگر غور و فکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور معرفت ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ　　تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٗ

اور یہ ایک فطری بات ہے کہ جب انسان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت واضح ہوتی ہے تو پھر لازمی طور پر اس کا شکر ادا کرنے اور اس کے احکامات بجا لانے اور اس کی رضاء حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اپنی قدرت کی نشانیوں میں تدبر وتفکر کی دعوت دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کہ بے شک زمین وآسمان کی تخلیق اور رات دن کی آمد ورفت میں عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اور عقل والے کون ہیں؟ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں۔ غور وفکر کرکے پھر یوں گویا ہوتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ ساری مخلوق بے فائدہ پیدا نہیں کی۔ تو ہر قسم کے شریکوں سے پاک ہے۔ پس تو ہمیں قیامت کے دن جہنم کے عذاب سے بچا۔

اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت جن میں غور وفکر کرنے کی انسان کو دعوت دی گئی ہے بنیادی طور پر دو قسم کی ہیں۔ (۱) انفسی۔ یعنی وہ آیات قدرت جو انسان کے اپنے وجود کے اندر موجود ہیں۔

(۲) آفاقی۔ یعنی وہ آیات قدرت جو انسان کے اردگرد موجود ہیں۔ آفاقی دلائل پھر دو قسم کے ہیں۔ (۱) سماوی۔ جن کا تعلق فضا اور آسمان سے ہے۔ (۲) ارضی۔ جن کا تعلق زمین اور اس کے متعلقات سے ہے۔

آیاتِ سَمٰوِی:

آسمانی دلائل میں سے سب سے اہم بالشان دلیل قدرت سورج، چاند اور ستاروں کا نظام ہے۔ جبکہ سات آسمان اور ان کی تخلیق قدرت الٰہی کا ایک مستقل مظہر ہیں۔

☆ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اتنے بڑے بڑے آسمان صرف دو دن میں پیدا فرمائے۔ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم بھیجا۔ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم السجدہ) اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں یعنی ستاروں سے مزین کیا اور محفوظ بنایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جو زبردست اور علم رکھنے والا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اس انداز سے بنایا ہے کہ ان میں کوئی عیب و نقص نہیں ہے۔ اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ کہ اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ اے دیکھنے والے کیا تو رحمان کی آفرینش میں کچھ نقصان دیکھتا ہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ زرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھے آسمان میں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَ هُوَ حَسِيْرٌ (الملک) پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ ہر بار تیری نظر ناکام ہو کر اور تھک کر

لوٹ آئے گی۔

☆ ایک مقام پر فرمایا ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا کیا تمہارا بنانا آسان ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اس کو بنایا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا (النازعات) اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے برابر کر دیا۔

☆ ایک مقام پر فرمایا کہ میں نے آسمان کو تمہارے لیے چھت بنایا اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ (البقرہ) کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔

☆ پھر اس چھت کو اتنا مضبوط اور قوی بنایا کہ بغیر ستونوں کے قائم ہے۔ اس کو تھامنے والا بھی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج) کہ وہ اللہ تعالیٰ آسمان کو تھامے رہتا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کے حکم سے۔

☆ پھر اس چھت کو خوبصورت بنایا کہ دیکھنے والوں کو بھلا لگے۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (الحجر) کہ ہم نے ہی آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجا دیا۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ (الصافات) کہ بے شک ہم نے ہی آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا اور سرکش شیطان سے اس کی حفاظت فرمائی۔

☆ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک) ہم نے ہی آسمان دنیا کو چراغوں یعنی ستاروں سے زینت بخشی اور ان کو شیطان کو مارنے کا آلہ بنایا۔

سُورَج' چاند سِتارے:

یہ اللہ تعالی کی قدرت کے زبردست مظہر ہیں جتنا بھی ان میں غور کرتے چلے جائیں اللہ تعالی کی قدرتیں اور عظمتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ کہ وہی اللہ ہے کہ جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (یونس) اللہ تعالی نے یہ سب کچھ اظہار حق کے لیے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کے لیے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے سورج کی روشنی کو ضِیاء اور چاند کی روشنی کو نُوْر کہہ کر یہ سمجھا دیا کہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اور چاند کی روشنی اس سے مستفاد ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے یہ خدائے غالب اور دانا کا مقرر کیا ہوا نظام ہے' وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کردیں۔ یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (یٰسین) نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ (ابراہیم) کہ سورج اور چاند کو ہم نے تمہارے لیے کام میں لگا دیا۔

سورج اور چاند کے علاوہ ستارے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم مظہر ہیں۔ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (الانعام) کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے راستے معلوم کرو عقل والوں کے لیے ہم نے آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔

اور یہ بات آپ پہلے سن چکے ہیں کہ راہنمائی کے علاوہ ستارے آسمان کی زینت بھی ہیں۔ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم السجدہ) کہ ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں یعنی ستاروں سے مزین کیا اور شیاطین سے محفوظ کیا یہ زبردست اور علم والے کی سیٹنگ ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ سورج ہمارے نظام شمسی کا مرکز ہے۔ یہ ہماری زمین سے تقریباً تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ زمین سے تقریباً ۱۵ کروڑ کلومیٹر دور ہے۔ اپنے بعد کی وجہ سے ہمیں چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ سورج سے اٹھنے والی چنگاریاں ہمارے پہاڑوں سے بھی بڑی ہیں۔ اگر اس کے صرف ایک شعلے کو قابو کر لیا جائے تو اس کی انرجی سے ۱۰ کروڑ سال تک پوری دنیا کو بجلی مہیا ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک سکینڈ کی حرارت ۱۰ لاکھ ایٹم بم کے برابر ہے۔ اس کی روشنی کا تقریباً دو ارب تیرہ کروڑ نوے لاکھواں حصہ ہماری زمین تک پہنچتا ہے جس کی وجہ سے زمین پر زندگی قائم ہے۔

اس کے اردگرد نو سیارے حرکت کر رہے ہیں ان میں سے ایک ہماری زمین بھی ہے۔ ہماری زمین اپنا ایک چکر ایک سال میں پورا کرتی ہے جبکہ پلوٹو اپنا ایک چکر اڑھائی سو سال میں پورا کرتا ہے۔ ہماری زمین کے گرد ہمارا یہ چاند چکر لگاتا ہے۔

زمین کا ایک چاند مریخ کے دو چاند' یورینس کے چار چاند' مشتری کے بارہ چاند اور زحل کے تیئیس چاند ہیں۔

روشنی کی عام رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے جبکہ خلائے بسیط میں یہ رفتار اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ہمارے سورج کی روشنی تقریباً آٹھ منٹ میں ہم تک پہنچتی ہے۔ اس کائنات میں ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی زمین تک سو سال' دو سو سال' پانچ سو سال یا ہزار سال میں پہنچتی ہے۔ ہماری کہکشاں میں تقریباً ایک کھرب ستارے موجود ہیں جبکہ ہر ستارہ دوسرے سے سینکڑوں نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

ہماری کہکشاں سے وراء الوراء بے شمار کہکشائیں موجود ہیں سائنس دانوں نے ایسی تین کروڑ کہکشاؤں کا مشاہدہ کیا ہے۔

المرئۃ المسلسلہ نامی ایک کہکشاں سے ہم قریب ترین ہے اور یہ ہم سے دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر موجود ہے۔ ایسی کہکشائیں بھی ہیں جن کا ہم سے فاصلہ ۲۰ کروڑ نوری سال کے برابر ہے۔

اس کائنات میں ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے کئی ستارے موجود ہیں۔ ہمارا پورا نظام شمسی اس کائنات کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسے ایک بہت بڑے صحرا کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہوتا ہے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔

رَات دِن کا نِظام:

گرامی قدر سامعین! رات دن کا نظام بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت اور نعمت ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّھَارَ آیَتَیْنِ فَمَحَوْنَا آیَۃَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَا آیَۃَ النَّھَارِ مُبْصِرَۃً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ

زَیَّنْکُمْ (اسراء) کہ ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے' رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور دن کی نشانی کو روشن تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل یعنی روزی تلاش کرو۔

ایک مقام پر فرمایا وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ خِلْفَۃً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْراً (الفرقان) کہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنایا' یہ باتیں اس شخص کے لیے ہیں جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے۔

ایک مقام پر فرمایا وَ آیَۃٌ لَّھُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ فَاِذَا ھُمْ مُّظْلِمُوْنَ (یس) کہ ان کے لیے اس کی قدرت کی ایک نشانی رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔

ایک مقام پر فرمایا اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (یونس) کہ رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان وزمین میں پیدا کیا ہے سب میں ڈرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَ یُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ (زمر) کہ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر۔

ایک جگہ فرمایا یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ یُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ (فاطر) کہ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

ایک مقام پر فرمایا ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِراً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (یونس) کہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا (تاکہ اس میں

کام کرو) بے شک ان کے اندر سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ایک جگہ فرمایا هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (فرقان) کہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو آرام بنایا' اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔

ایک مقام پر تو چیلنج دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ آپ فرما دیں بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات کی تاریکی مسلط کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون الٰہ ہے جو تم کو روشنی لا دے کیا تم سنتے نہیں؟ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ فرما دیں بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ قیامت تک تمہارے اوپر دن کو مسلط کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون الٰہ ہے جو تم کو رات لا دے تا کہ تم اس میں آرام کرو تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ آگے فرمایا وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (القصص) کہ اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات بھی بنائی اور دن بھی بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور اس میں اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

زَمِیْن:

رات دن کے علاوہ زمین اور اس کے متعلقات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی آسمان کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ زمین کا بھی : یا ہے کہ جس طرح آسمان میری قدرت کی نشانی ہے اسی طرح زمین بھی میری قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ (انبیاء) کہ کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں، پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

ایک جگہ فرمایا وَمِنْ آيَاتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (الروم) کہ اس کے نشانات اور تصرفات میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

اسی حقیقت کو ایک مقام پر یوں بیان فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ (فاطر) اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے۔

ایک مقام پر فرمایا وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (اعراف) کہ ہم نے ہی تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا اور اس میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیے مگر تم کم ہی شکر کرتے ہو۔

ایک مقام پر فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ کہ ایک نشان ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا وَمِنْ آيَاتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ (حم السجدہ) کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی

نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ دبی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔

ایک مقام پر فرمایا وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (الرعد) کہ زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت کہ بعض دوشاخہ اور بعض ایک شاخہ ہوتے ہیں باوجودیکہ پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے اور بعض میوں کو ہم بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں۔ اس میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں پیدا بھی زمین سے کیا۔ اور اسی زمین کو ہمارے لیے مسکن بنایا اور پھر اس کو مدفن بنایا اسی زمین کو ہمارے لیے فرش بنایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا۔ کسی جگہ فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (النباء) کہ زمین کو ہم نے تمہارے لیے بچھونا بنایا۔ کسی جگہ فرمایا جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا (نوح) کسی جگہ فرمایا جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا (المؤمن) کسی جگہ فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا (المرسلات) کسی جگہ فرمایا جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا (الملک) ان تمام تعبیرات میں غور و فکر کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

سمندر اور پہاڑ:

زمین کے علاوہ سمندر اور پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور

قدرت کی نشانیاں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا (الرعد) کہ وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کئے۔

غور فرمائیں! پہاڑوں کے اندر بھی ہمارے لیے کیا ذخائر رکھ دیے اور سمندر کے اندر کتنے ذخائر موجود ہیں۔ سمندر میں ہمارے لیے گوشت کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی ہے علاوہ ازیں اس میں زیورات (موتی) بھی موجود ہیں اور پھر یہ بہت بڑا سفری ذریعہ بھی ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کہ وہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیورات (موتی وغیرہ) نکالو جسے تم پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لیے بھی سمندر کو مسخر کیا کہ تم اللہ کے فضل سے معاش تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (النحل) اور اسی نے زمین پر پہاڑ بنا کر رکھ دیے کہ تم کو لے کر کہیں جھک نہ جائے اور نہریں اور رستے بنا دیے تاکہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آسانی سے جا سکو۔

ایک جگہ فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ (ابراہیم) کہ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ دریا اور سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی

تمہارے زیر فرمان کر دیا۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل) کہ بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطاء کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

ایک مقام پر فرمایا وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (فاطر) اور دونوں دریا ملکر یکساں نہیں ہو جاتے۔ یہ تو میٹھا ہے پیاس بجھانے والا جس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا۔

غور فرمائیں! کس طرح اس نے دو دریاؤں کے درمیان اپنی قدرت سے ایک پردہ حائل کر دیا کہ باہم مل نہیں سکتے۔ چنانچہ فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان) کہ وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شیریں ہے پیاس بجھانے والا اور دوسرے کا کھاری چھاتی جلانے والا اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط اوٹ بنا دی۔

پہاڑوں کے متعلق ایک مقام پر ارشاد فرمایا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (فاطر) اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور بعض کالے سیاہ ہیں۔

مویشی:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت اور ضرورت کے لیے مویشی پیدا کیے یہ بھی اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَاِنَّ لَكُمْ فِي

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً کہ تمہارے لیے چارپایوں میں بھی بہت بڑی عبرت کا سامان موجود ہے۔

ایک جگہ بڑی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور چارپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا ان میں تمہارے لیے جڑاول (جاڑے کا سامان) اور بہت سے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ اور جب شام کو انہیں چرا کر لے آتے ہو اور جب صبح کے وقت لے جاتے ہو تو اس سے تمہاری عزت و شان ہے وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اور دور دراز شہروں میں جہاں تم زحمت شاقہ کے بغیر نہیں پہنچ سکتے وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بے شک تمہارا رب نہایت شفقت والا مہربان ہے وَالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (النحل) اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہارے لیے زینت و رونق بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا وہ چیزیں بھی جن کی تمہیں خبر نہیں ہے۔

بارش اور نباتات:

آسمان سے بارش کا نزول پھر اس بارش سے زمین کا زندہ ہونا اور مختلف نباتات کا پیدا ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک بہت بڑا نشان ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ کہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان پر پھیلا دیتا ہے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ

اس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (روم) پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ وہی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ حَتّٰىٓ اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ یہاں تک کہ وہ جب بھاری بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ پھر ہم اس بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر اس مینہ سے طرح طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (اعراف) اسی طرح ہم مردوں کو باہر نکالیں گے یہ بیان اس لیے ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

ایک جگہ فرمایا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ) اور اس نے آسمان سے بارش برسا کر تمہارے کھانے کے لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے۔ پس کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔

ایک مقام پر فرمایا اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ بھلا دیکھو کہ جو پانی تم پیتے ہو ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم کرتے ہیں؟ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ (الواقعہ) اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔

☆ پانی اتارنے کے بعد نباتات اگانے والا بھی وہی ہے اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ

الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (الانعام) کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس سے درخت اگاتا ہے۔ وہی جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے کہاں بہکے پھرتے ہو؟

یہ بات ظاہر ہے کہ گٹھلی اور دانہ مردہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس مردہ میں سے زندہ کو یعنی پودے کو نکالتا ہے۔

☆ ایک مقام پر فرمایا وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ (الحج) کہ تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہوتی ہے پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے۔

ایک جگہ اپنا تعارف کراتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ بھلا کس نے آسانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پس ہم نے ہی اس سے سرسبز باغات اگائے مَاكَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ؟ (النمل) تمہارا تو یہ اختیار نہیں کہ ایک پودا بھی اگا سکو۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہو سکتا ہے؟

ایک جگہ ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ کہ وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا پھر اس میں سے سرسبز کونپلیں نکالتے ہیں اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ

وَ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے نکالتے ہیں اور اسی طرح انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی پیدا کرتے ہیں۔ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الانعام) اور جب یہ چیزیں پھل لاتی ہیں تو ان کے پھلوں اور پھر پھلوں کے پکنے پر غور کرو۔ ان میں ایمان لانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

ایک مقام پر چیلنج دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ بھلا دیکھو سہی کہ جو کچھ تم بوتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (الواقعہ) اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم فقط باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہائے ہم تو مفت تاوان میں پھنس گئے بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب۔

شہد کی مکھی:

انسان کی غذا اور شفاء کے لیے اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو کام میں لگا دیا۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی اونچی چھتریوں میں گھر بنا۔ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا پھر ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے پروردگار کے صاف راستوں پر چلی جا۔ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز (شہد) نکلتی ہے جس

کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔اس میں لوگوں کے کئی امراض کے لیے شفاء ہے۔اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (النحل) بے شک غور کرنیوالوں کے لیے اس میں بھی نشانی موجود ہے۔

گرامی قدر سامعین! شہد کی مکھی' اس کا نظام زندگی' اس کی تنظیم اور تقسیم کار پر جتنا بھی غور کیا جائے انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر دیکھیں ایک چھوٹے سے جانور کے پیٹ سے کیسا منفعت بخش اور لذیز شربت نکلتا ہے حالانکہ وہ جانور خود زہریلا ہے۔ زہر میں سے یہ تریاق واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے۔

لَبَنًا خَالِصًا:

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک بہت بڑا نمونہ جانوروں کے پیٹ سے دودھ کا مہیا ہونا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشّٰرِبِیْنَ (النحل) کہ تمہارے لیے چار پایوں میں بھی مقام عبرت ہے کہ ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں گوبر اور لہو سے ممتاز کر کے خالص دودھ پلاتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لیے خوش گوار ہے۔

جانور چارہ کھاتا ہے تو اس کے وجود میں اسی چارہ سے گوبر وغیرہ بھی بن رہا ہے اور خون بھی بن رہا ہے غور کریں اللہ تعالیٰ کس طرح دودھ کو ان دونوں چیزوں کی ملاوٹ سے پاک رکھتا ہے۔ دودھ کا رنگ' ذائقہ' قوام درجہ حرارت اور خوشبو ایسی ہے کہ یہ پینے والوں کے لیے مرغوب ترین مشروب ہے پھر اس میں غذائیت بھی ہے کہ یہ انسانی جسم کے لیے ایک مکمل غذا کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک لُقمَہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے طعام اور کھانے میں غور وفکر کرنے کی ترغیب دی ہے کہ روٹی کا یہ ایک لقمہ جو تو کھا رہا ہے اس میں غور کر۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے بے شک ہم ہی نے پانی برسایا پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا وَّ زَيْتُونًا وَّ نَخْلًا پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں وَ حَدَائِقَ غُلْبًا وَّ فَاكِهَةً وَّ أَبًّا اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِأَنْعَامِكُمْ یہ سب کچھ تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے بنایا۔

اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تیرے اس ایک لقمے کی داستان بڑی طویل ہے۔ اس کی سابقہ تاریخ پر غور کر۔ اس میں میری قدرت کی کتنی کارفرمائیاں موجود ہیں؟ سمندر، ہوا، بادل، بارش، سورج اور چاند وغیرہ سب کو میں نے کام میں لگایا اور تیرے منہ تک یہ لقمہ پہنچایا۔

آیاتِ اَنْفُسِی:

جس طرح اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے آفاقی دلائل بیان فرمائے ہیں اسی طرح اس نے انفسی دلائل بھی بیان فرمائے ہیں انفسی دلائل سے مراد وہ دلائل ہیں جن کا تعلق انسان کے وجود کے ساتھ ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَ فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذاریات) کہ یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے

اپنے اندر بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ مطلب یہ ہے کہ سارے عالم میں جو آیات قدرت ہیں اس کا نمونہ انسان کے چھوٹے سے وجود میں موجود ہے۔ اسی لیے انسانی وجود کو عالم اصغر کہا جاتا ہے۔

تخلیق انسان:

انفسی دلائل میں سے سب سے مہتم بالشان دلیل انسان کی تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنا کر اور پھر فرشتوں سے تعظیم کروا کر انسانیت کو ایک عظیم شرف سے نوازا۔ پھر ایک عام قاعدہ کے مطابق رحم مادر میں انسان کی تخلیق فرمائی۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ (روم) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم اب انسان ہو کر جا بجا پھیل رہے ہو۔ آگے فرمایا وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ تم آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا کہ وہی اللہ تو ہے جس نے تمہیں پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ بنا کر پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (المؤمن) اور تم میں سے کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم وقت مقررہ تک پہنچ

جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو۔

ایک مقام پر فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا پھر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم نے نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ پھر ہم نے اس کو ایک نئی صورت میں بنا دیا۔ تو بڑا بابرکت ہے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا۔ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ (المومنون) پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے۔

گرامی قدر سامعین! رحم مادر میں تخلیق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت اور شکل بھی متعین فرما دی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران) کہ وہی اللہ ہی تو ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

ایک مقام پر فرمایا يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ (انفطار) اے انسان تجھے اپنے مہربان پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکہ میں ڈال دیا وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور تیرے اعضاء کو ٹھیک کیا اور قامت میں معتدل رکھا اور جس شکل میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

گرامی قدر سامعین! رحم مادر میں تخلیق کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی الوہیت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ کہ اسی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے چارپایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے۔ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ وہی تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ تین اندھیروں میں بناتا ہے۔ آگے فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (الزمر) یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔

دیکھیے! کس طرح اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں نحیف و ناتواں بچے کو خون کی غذائیت پہنچائی۔ پھر جب وہ پیدا ہوا اور اس کی غذا کا ایک راستہ بند ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں کے سینے پر دودھ کی دو نہریں جاری فرما کر اس کی ضرورت پوری فرما دی۔ پھر جب مزید بڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چار قسم کی غذائیں (گوشت۔ اناج۔ دودھ۔ پھل) مہیا فرما دیں۔

گرامی قدر سامعین! صرف غذا کا بندوبست نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کا بندوبست بھی فرما دیا ارشاد ربانی ہے وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل) کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا' کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے تو اس نے تمہیں کان' آنکھیں اور دل عطا فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔

یہ سوچنے' سمجھنے' دیکھنے اور سننے کی قوت اس لیے عطا فرمائی تاکہ وہ آیات

کائنات میں تدبر وتفکر کر کے اپنے رب کی معرفت حاصل کرے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ انبیاء ورسل اور کتب سماوی کے ذریعہ اس کی ہدایت کا انتظام بھی فرما دیا۔

پھر غور فرمائیں! انسان کس طرح سے پہلے کمزور ہوتا ہے پھر قوی ہو جاتا ہے اور بالآخر پھر اس کو کمزوریاں گھیر لیتی ہیں اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَۃً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (الروم) کہ اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے تمہیں ابتداء میں کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ صاحب دانش اور صاحب قدرت ہے۔

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت تو بے شمار ہیں ہم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے اب آخر میں ایک جامع آیت پیش کی جاتی ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا اور پہاڑوں کو اس کی میخیں نہیں ٹھہرایا؟ وَجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا وَّ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ جَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا اور نیند کو تمہارے لیے موجب آرام بنایا اور رات کو پردہ مقرر کیا اور دن کو معاش کا وقت قرار دیا۔ وَبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّھَّاجًا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور آفتاب کا روشن چراغ بنایا وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِنُخْرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا تا کہ ہم اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں اور ہم نے گھنے گھنے باغات پیدا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آیات کائنات پر غور وفکر اور پھر اپنی معرفت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ۔

۲:- دلیلِ ابراھیمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَ تِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (سورۃ الانعام) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! جدالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اشاعت توحید کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں قرآن مجید میں ان کو بے حد سراہا گیا ہے۔

توحید الٰہی کے پیچھے آپ کو بہت سی آزمائشوں اور امتحانات سے دو چار ہونا پڑا مگر آپ نے محبت الٰہی سے سرشار ہو کر ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اسی لیے قرآن مجید میں آپ کو حنیف کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حنیف کا معنیٰ ہے تمام باطل راستوں اور معبودوں سے تعلق توڑ کر اور منہ موڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے والا۔

آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں اصنام پرستی اور کواکب پرستی کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ ایسی رشد و ہدایت اور فہم و فراست عطا فرما رکھی تھی کہ آپ نے بیان توحید کے سلسلہ میں بڑے عجیب قسم کے دلائل و براہین سے کام لے کر مشرکین کو لاجواب اور مبہوت کر دیا۔

ایک موقعہ پر آپ اپنی ستارہ پرست قوم کے ہمراہ تاروں بھری رات میں

کھلے آسمان کے نیچے موجود تھے آپ نے اپنی قوم کے سامنے کچھ ایسے انداز میں ستارہ پرستی کی تردید فرمائی کہ قوم لاجواب ہو کر رہ گئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی دلیل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا کہ جب رات خوب تاریک ہو گئی تو آپ نے ایک ستارے کو دیکھا جو دوسرے ستاروں کی نسبت چمک دمک میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ آپ نے سمجھانے کے انداز میں قوم سے فرمایا هٰذَا رَبِّیْ میرا رب یہ ہے؟ کیونکہ اگر ستارے ربوبیت کر سکتے ہیں تو یہ ان سب میں ممتاز اور روشن ہے۔ فَلَمَّآ اَفَلَ پھر جب وہ اپنے وقت مقرر پر نظر سے اوجھل ہو گیا اور اس کو یہ مجال نہ ہوئی کہ اپنے پرستاروں کو ایک گھڑی اور رونمائی کرا سکتا۔ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ تو آپ نے فرمایا میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فَلَمَّا رَاَى الْقَمَرَ بَازِغًا پھر نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے موجود ہے قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فرمایا کیا یہ میرا رب ہے؟ اس لیے کہ یہ خوب روشن ہے اور تمام عالم کو بقعہ نور بنائے ہوئے ہے۔ فَلَمَّآ اَفَلَ پھر جب سحری کے وقت چاند کے ماند پڑ جانے اور روپوش ہو جانے کا وقت آ پہنچا اور وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ تو فرمایا کہ اگر میرا حقیقی پروردگار میری راہنمائی نہ کرتا تو میں بھی گمراہ قوم میں سے ایک ہوتا۔

پھر جب تاروں بھری رات ختم ہوئی چمکتے ستارے اور چاند سب زوال پذیر ہو کر نظر سے اوجھل ہو گئے تو آفتاب عالم تاب پوری آب و تاب سے چمکنے دمکنے لگا فَلَمَّا رَاَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ آپ نے چمکتے سورج کو دیکھ کر فرمایا کیا یہ میرا رب ہے؟ اس لیے کہ کواکب میں یہ سب سے بڑا

ہے۔ فَلَمَّا اَفَلَتْ پھر جب سورج بھی دن بھر چمکنے اور روشن رہنے کے بعد مغربی افق میں غروب ہو گیا تو آپ نے اصل حقیقت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا يَا قَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اے میری قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بیزار ہوں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بیان کے سلسلہ میں تغیر وتبدل کو علت بنایا اور قوم کو عملی طور پر سمجھایا کہ اگر یہ معبود ہیں تو ان میں افول و زوال اور تغیر وتبدل کیوں ہے؟ یہ کم از کم اپنے آپ کو تغیر اور زوال سے کیوں نہ بچا سکے؟ بھلا جو خود زوال و نقصان سے دو چار ہو جائے وہ دوسروں کا الٰہ اور معبود کس طرح ہو سکتا ہے؟

آپ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو نقصان سے نہ بچا سکے وہ دوسروں کا حاجت روا اور مشکل کشا کبھی نہیں ہو سکتا۔

گرامی قدر سامعین! اگر آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیان کردہ اس دلیل اور اس قاعدہ کلیہ کی گہرائی میں جائیں تو یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ اس دلیل کی روشنی میں ہم حقیقی معبود اور بناوٹی معبود میں بآسانی فرق کر سکتے ہیں۔ اس لیے آپ کی اس دلیل کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الانعام) کہ یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطاء فرمائی۔ ہم جس کو چاہیں درجات میں بلند کر دیتے ہیں بے شک تیرا رب حکمت والا اور علم والا ہے۔

ایک اور دلیل:

ایک اور موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی دلیل مزید وضاحت

کے ساتھ پیش فرمائی اور بت پرست قوم کو پریکٹیکل کر کے دکھایا کہ تمہارے یہ الہٰ اور معبود تو اپنے نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں ہیں' چہ جائیکہ تمہارا نفع ونقصان ان کے قبضہ میں ہو۔

ایک دفعہ ساری قوم کے افراد کسی میلہ پر چلے گئے تو آپ نے موقعہ پا کر بڑے دیوتا کے ہیکل کا رخ کیا فَرَاغَ اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ آپ انتہائی رازدارانہ انداز میں اس مندر کے اندر گھس گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں لاتعداد جھوٹے خدا موجود ہیں اور ان کے سامنے قسم قسم کے میوے' اور مٹھائیاں چڑھاوے کے طور پر موجود ہیں۔ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ آپ نے طنزیہ انداز میں ان کو خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ موجود ہے اسے کھاتے کیوں نہیں ہو؟ مَالَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ میں بات کر رہا ہوں' کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے؟

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ پھر دائیں ہاتھ سے پوری قوت کے ساتھ ان کو توڑ ڈالا (صافات) ایک جگہ فرمایا گیا ہے فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ (انبیاء) پس آپ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر ان میں سے سب سے بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تا کہ اپنے عقیدہ کے مطابق وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ پھر جب وہ لوگ میلے سے واپس آئے تو اپنے حاجت رواؤں کا یہ حشر دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور باہم کہنے لگے مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے' بے شک وہ بڑا ظالم ہے۔ پھر خود ہی کہنے لگے سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ کہ وہی جوان ہو سکتا ہے جسے ابراہیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ ہم نے اسی کی زبان سے ان کا گلہ وشکوہ سنا ہے۔ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ کہنے لگے اسے لوگوں کے سامنے لاؤ' کھلی عدالت میں پیش کرو۔

گرامی قدر سامعین! اس قوم کے لیے یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا پوری قوم مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان انتہائی غضب ناک ہو کر جمع ہو گئے اور سوال کرنے لگے ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ کہ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ پہلے تو میری بات سننے کے لیے کوئی تیار نہ تھا مگر آج کے اس مجمع میں پوری قوم موجود ہے اور ہمہ تن گوش ہے۔ کیوں نہ میں ایسا جواب دوں کہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں آپ نے فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ کہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے پس اگر تمہارے یہ خدا بولتے ہیں تو ان سے دریافت کرلو۔

اس دلیل کا کاہنوں اور پجاریوں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا؟ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ واقعی ظالم تو ہم ہی ہیں۔ پھر نہایت شرمساری کے ساتھ سر جھکا کر کہنے لگے لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے عقیدہ پر ضرب کاری لگاتے ہوئے برملا اعلان فرما دیا اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (انبیاء) کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تو تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان تم پر بھی اور تمہارے ان معبودان باطلہ پر بھی افسوس ہے جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

گرامی قدر سامعین! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فراست دیکھیے کہ اس طرح آپ نے بیک وقت تین کام کر لیے ایک تیر سے تین شکار کر لیے۔

(۱) ایک کام تو یہ کیا کہ اس طرح معبودان باطلہ کو توڑ پھوڑ کر ان کا خاتمہ کر دیا۔

(۲) دوسرا کام یہ کیا کہ اپنی بات سنانے کے لیے مجمع جوڑ لیا۔

(۳) اور تیسرا کام یہ کیا کہ انہیں ایک عملی دلیل دے کر مسئلہ توحید سمجھا دیا۔ کہ جو اپنے آپ کو نقصان سے نہ بچا سکے وہ دوسروں کا حاجت روا اور مشکل کشا کبھی نہیں ہو سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر عبادت الٰہی کے لیے تشریف لے گئے تو سامری نے ان کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سونے کا ایک گوسالہ (بچھڑا) تیار کیا اور پھر اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کے قدموں کی خاک ڈال دی۔ خدا کی قدرت کہ حق و باطل کے ملاپ سے ایک کرشمہ سا پیدا ہوا اور اس بچھڑے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہونے لگی۔ پھر لوگوں سے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے۔ چونکہ صدیوں کی غلامی کی وجہ سے بنی اسرائیل کے دل دماغ میں بھی شرکیہ رسوم و عقائد کے اثرات موجود تھے اس لیے وہ آسانی اس کے فریب کا شکار ہو گئے اور کہنے لگے هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ کہ حضرت موسیٰ جو کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے گئے ہیں وہ تو بھول چکے ہیں دراصل یہی ہمارا اور ان کا معبود ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بہتیرا سمجھایا مگر بچھڑے کی بھاں بھاں پر وہ اسقدر فریفتہ ہو گئے کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر ذرا برابر بھی اثر نہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو یہ عجیب منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ قوم کی اس جاہلانہ حرکت پر آپ کو شدید غصہ آیا اور آپ نے سب

سے پہلے قوم کا ایکشن لیا۔ فرمانے لگے۔ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ کیا تم سے تمہارے رب نے بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی؟ یا یہ بات ہے کہ تم نے چاہا کہ تمہارے اوپر تمہارے رب کا غضب نازل ہو۔ اس لیے تم نے میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ توڑ دیا۔

قوم سے بات چیت کرنے کے بعد آپ نے حضرت ہارونؑ سے باز پرس کی۔

بعد ازاں آپ سامری سے مخاطب ہوئے قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَاسَامِرِيُّ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگا بَصُرْتُ بِمَالَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ کہ میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ تو میں نے فرشتہ کے نقش قدم کی مٹی سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس کو اس بچھڑے میں ڈال دیا۔ اسی طرح میرے جی نے مجھے یہ بات سمجھائی تھی۔ آپ نے فرمایا ایسا ہے تو پھر جا۔ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ زندگی میں تیرے لیے یہی سزا ہے کہ تو پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرتا رہے گا اور جب کوئی انسان تیرے قریب آئے تو اس سے بھاگتے ہوئے یہی کہے گا کہ دیکھنا مجھ کو ہاتھ نہ لگانا۔ اس دنیوی عذاب کے علاوہ قیامت والے دن تیرے لیے وعدہ الٰہی کی صورت میں عذاب مقرر ہے۔

بعد ازاں آپ نے اسے سمجھانے کے لیے ایک عجیب انداز اختیار کیا اور فرمایا وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا کہ دیکھ اب تیرے معبود کا کیا حال ہوتا ہے؟ جس کی پوجا پر تو جم

کر بیٹھ رہا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور پھر اس کی راکھ کو سمندر میں اڑا کر بہادیں گے۔ پھر آپ نے عملی طور پر ایسا ہی کر کے دکھایا۔

گرامی قدر سامعین! اس طرز عمل سے آپ کا مقصد یہی تھا کہ یہ بچھڑا اگر الٰہ ہوتا تو کسی نقصان سے ہرگز دوچار نہ ہوتا اور جو اپنے آپ کو نقصان سے نہ بچا سکے وہ دوسروں کا حاجت روا اور مشکل کشا کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر آپ نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے زوردار الفاظ میں اعلان فرمایا اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (طٰہٰ) کہ بے شک تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کی دلیل:

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر اپنے مخالفین کے سامنے یہی دلیل بیان فرمائی قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا (رعد) فرما دیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسے لوگوں کو کارساز بنا رکھا ہے جو خود اپنے نفع و نقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتے؟ مطلب یہی ہے کہ جب وہ اپنے ذاتی نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے تو تمہاری کارسازی کیا کریں گے۔

☆ ایک اور مقام پر فرمایا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (فرقان) اور نہ ہی اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہونا۔

یہاں بھی مطلب یہی ہے کہ جب وہ اپنی ذات کے بارے میں کچھ اختیار نہیں رکھتے تو دوسروں کے کس طرح حاجت روا ہو سکتے ہیں؟

☆ ایک اور مقام پر فرمایا وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ (اعراف) کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کی کچھ طاقت نہیں رکھتے' اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ جب وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے' اپنے آپ کو نقصان سے نہیں بچا سکتے تو تمہاری مدد کیا کریں گے۔

☆ ایک اور جگہ فرمایا وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ اور جن ہستیوں کو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو بنانے والا کوئی اور ہے۔ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَّمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (النحل) وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے۔

مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ اس قدر بے زور اور بے اختیار ہیں کہ اپنے وجود کا ایک ذرہ بھی تخلیق نہیں کر سکتے۔ وہ تو مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں تمہارے حالات کیا جانیں گے ان کو تو خود اپنے بارے میں اتنا بھی شعور اور علم نہیں ہے کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے۔ جب وہ اپنے بارے میں مکمل علم اور مکمل اختیار نہیں رکھتے تو تمہارے حاجت روا اور مشکل کشا کس طرح ہو سکتے ہیں؟

اعلان فرما دیں:

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کو بڑے خوبصورت پیرایہ میں سمجھایا ہے۔ یہ مسئلہ سمجھانے کے لیے اس نے اپنی مخلوقات میں سے سب سے اعلیٰ فرد کو چنا' اتنا اعلیٰ فرد کہ اللہ تعالیٰ کے بعد جس کا مقام ومرتبہ ساری مخلوقات سے زیادہ

ہے اور اُسی کی شان میں کہا گیا ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' اور وہ ذات ہے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان سے اللہ تعالیٰ نے اعلان کروایا قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام) کہ آپ فرما دیں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے نہیں ہیں اور نہ ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اتنی اونچی شان اور مرتبہ ہونے کے باوجود میں بھی عالم الغیب اور مختار کل نہیں ہوں تو اور کون ہوسکتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو یہ صفات عطاء فرماتا تو یقیناً مجھے ہی عطاء فرماتا لیکن میں بھی اعلان کر رہا ہوں کہ میں ان صفات کا حامل نہیں ہوں۔

ایک اور مقام پر آپ سے اعلان کروایا قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کہ لوگو! میں تو اپنے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ بالفرض اگر میں نفع و نقصان کا اختیار رکھتا تو کم از کم سب سے پہلے اپنے آپ کو نقصان سے بچاتا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ہوتا تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (اعراف) اگر میں غیب جانتا تو اپنے لیے سب منافع جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ مجھے تکلیف بھی آتی ہے بعض اوقات نقصان بھی پہنچتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ میں بھی عالم الغیب اور مختار کل نہیں ہوں۔

ذرا غور تو کرو! سفر طائف میں مجھ پر کتنے مظالم ہوئے! ہجرت کی رات میں نے کس طرح جان بچائی؟ میدان اُحد کے اندر کس طرح میں زخمی ہوا؟ میرا ہونٹ کٹ گیا دانت شہید ہو گئے اور میں غش کھا کر گڑھے میں گر پڑا۔ غزوہ خندق کے موقع پر میں نے بھوک سے بے تاب ہو کر پیٹ پر پتھر باندھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر میں صحابہ کرامؓ سے جنگ کے لئے چندہ جمع کرتا رہا۔ میرے نہ چاہنے

کے باوجود میرا بیٹا میری گود میں فوت ہو گیا اور میں آنسو بہاتا رہ گیا۔

لوگو! جب میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تو پھر میں دوسروں کے نفع و نقصان کا مالک کس طرح ہو سکتا ہوں؟ جب اللہ تعالیٰ نے الوہیت کی صفات مجھے عطا نہیں فرمائیں تو اور بھی کوئی ان صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ فَافْهَمْ

حضرت قیسؓ کو دلیل دی:

یہی دلیل آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے ایک صحابی حضرت قیسؓ کے سامنے پیش فرمائی حضرت قیس بن سعدؓ ایک موقع پر ملک حیرہ میں گئے۔ آپ نے وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بڑوں کو تعظیم کے طور پر سجدہ کرتے ہیں۔ واپس تشریف لائے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا واقعہ بیان فرمایا اور عرض کرنے لگے کہ جب وہ لوگ اپنے معززین اور سرداروں کی اس حد تک تعظیم کرتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو تعظیماً سجدہ کروں کیونکہ آپ تو امام الرسل، سردار انبیاء ہیں پھر آپ کا رتبہ تو خدا تعالیٰ کے بعد ساری مخلوقات سے زیادہ ہے۔ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ نَّسْجُدَلَکَ۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سجدہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ صرف منع نہیں فرمایا بلکہ ایک خوبصورت انداز میں دلیل ابراہیمی پیش فرمائی اور ان سے سوال کیا لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَتَسْجُدُ لَهٗ کہ کل اگر تیرا گزر میری قبر پر ہو جائے تو کیا تو اس کو سجدہ کرے گا؟ حضرت قیسؓ نے جواباً عرض کیا کہ میں قبر کو تو سجدہ نہ کروں گا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا لَا تَفْعَلُوْا پھر اب بھی ایسا نہ کرو۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں آپؐ نے کس طرح انہیں مسئلہ سمجھا دیا کہ کل جس ہستی پر موت آ جانی ہے اور اس نے قبر میں دفن ہو جانا ہے وہ الوہیت

کی صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یعنی جو اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا وہ دوسروں کے نفع ونقصان کا اختیار کس طرح رکھ سکتا ہے؟

بوقت وفات دلیل دی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات کے وقت بار بار یہ جملے دہرائے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بڑی تلخیاں ہوتی ہیں۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں آخری وقت آپ نے بار بار یہ جملے کیوں دہرائے؟ میرے خیال میں آپ نے ایک عجیب انداز میں وہی مسئلہ سمجھایا ہے جو پہلے دن صفا پہاڑی پر سمجھایا تھا۔ آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باوجودیکہ میں ساری کائنات کا سردار ہوں۔ بعد از خدا علو مرتبت اور رفعت شان میں میرا کوئی مماثل نہیں ہے۔ لیکن لوگو! دیکھو آج میرے اوپر بھی موت کی کیفیت وارد ہو رہی ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو الوہیت کی صفات عطاء فرماتا تو یقیناً مجھے عطاء فرماتا۔ اور اگر میرے پاس الوہیت کی صفات ہوتیں تو آج میں بیماری میں مبتلا نہ ہوتا۔ موت کی کیفیات مجھ پر وارد نہ ہوتیں۔ موت کی کیفیات کا میرے اوپر وارد ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

اَلَا اِنَّمَا كَانَتْ وَفَاةُ مُحَمَّدٍ دَلِيْلاً عَلٰى اَنْ لَّيْسَ لِلّٰهِ غَالِبُ

صدیق اکبرؓ کی دلیل:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کتنے ہی ایسے تھے جو اس جانکاہ واقعہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بے

ہوش ہو گئے۔ کتنے صحابہ کرام ایسے تھے کہ جن کے حواس اڑ گئے اور لاشعوری طور پر چلتے چلتے جنگلوں اور پہاڑوں میں پہنچ گئے۔ فَكَانُوْا كَاَ قْوَامٍ لَيْسَ فِيْهِمُ الْأَرْوَاحُ صحابہ کرامؓ کے جسم مبارک اس طرح ٹھنڈے اور جامد و ساکت ہو گئے گویا ان کے اندر روح ہی نہیں ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت سب سے عجیب تھی آپ اس صدمہ جانکاہ کی تاب نہ لاتے ہوئے حواس کھو بیٹھے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا آپ کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ آپ بار بار یہی کہتے کہ ابھی آپ کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ اسی طرح بے ہوش ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے تھے۔ آپ زندہ ہیں اور آپ دوبارہ اٹھ کر منافقین سے جہاد کریں گے۔ حتیٰ کہ آپ نے تلوار نکال کر صحابہ کرامؓ کو للکارنا شروع کر دیا مَنْ قَالَ إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْمَاتَ سَاَضْرِبُ عُنُقَهُ کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپ پر موت طاری ہو گئی ہے میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمت کر کے منبر نبویؐ پر تشریف لائے۔ حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کیا اور حضرت عمرؓ کو بیٹھنے کا ارشاد فرمایا مگر حضرت عمرؓ نے شدت صدمہ کی وجہ سے پرواہ ہی نہ کی۔ پھر آپ نے زوردار لہجے میں فرمایا عَلٰى رِسْلِكَ يَا عُمَرُ. اِجْلِسْ يَا عُمَرُ اس طرح آپؓ نے حضرت عمرؓ کو بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ پھر آپؓ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک خطبہ دیا اور اس خطبہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی تصدیق کر دی اور ساتھ ایک دلیل بھی بیان فرمائی فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ کہ تم میں سے جس شخص نے بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معبود اور الٰہ سمجھ رکھا تھا وہ سن لے کہ

آپ کی وفات ہو چکی ہے اور جس نے محض اللہ تعالیٰ ہی کو الہٰ سمجھ رکھا تھا وہ سن لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہ آئے گی۔ پھر آپؓ نے قرآن مجید کی متعدد آیات تلاوت فرمائیں جن میں آپ کی وفات کا تذکرہ ہے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنے عجیب انداز میں دلیل ابراہیمی پیش فرمائی۔ آپ کی دلیل کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم میں سے کسی نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہٰ اور معبود تو نہیں مانا تھا ہم نے تو آپ کو اللہ کا رسول مانا تھا۔ (اور آپ کی بنیادی دعوت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہٰ اور معبود نہیں ہے) ہمیشہ زندہ رہنا یہ رسول کا خاصہ نہیں ہے۔ معبود اور الہٰ کا خاصہ ہے۔ اگر ہم نے آپ کو الہٰ مانا تھا تب تو آپ کی ذات پر موت نہیں آنا چاہیے تھی۔ اور اگر الہٰ نہیں مانا تھا تو پھر آخر ایک دن تو آپؐ پر موت آنی تھی جو بالآخر آج آ گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

گرامی قدر سامعین! امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ دلیل دراصل دلیل ابراہیمی کی ہی عکاسی کر رہی ہے۔

گرامی قدر سامعین! اگر آپ ذرا گہرائی سے غور فرمائیں تو گنبد خضراء بھی زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دے رہا ہے۔ (گنبد خضراء آپؐ کی وفات کی گواہی دے رہا ہے اور آپ کی وفات اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی ایک زبردست دلیل ہے) فَافْهَمْ وَ تَدَبَّرْ

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطاء فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

۳:- شرائطِ ثلاثہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَشْکُوْرًا (بنی اسرائیل) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! ہمارے گرد و نواح میں جتنے لوگ ہیں یا جتنے بھی مذہبی فرقے ہیں سب اپنی اپنی جگہ کچھ نیک اعمال کرتے ہیں اور اگر ان سے پوچھا جائے تو یقیناً وہ یہی کہیں گے کہ ان اعمال کے ذریعہ ہمیں اللہ کی رضاء مطلوب ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا اُسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے۔ خدانخواستہ اگر اس عمل یا عامل کے اندر کوئی بنیادی خامی پائی جائے تو یقیناً وہ عمل عنداللہ مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہمارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت پا کر اس کی رضاء کا سبب بنے۔

قرآن مجید میں اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال کی قبولیت کے لیے تین بنیادی شرائط بیان فرمائی ہیں اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو ہمارا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَشْکُوْرًا (اسراء) کہ جو آدمی آخرت کا خواستگار ہو اور اس کے

لیے کوشش کرے جو اس کے مطابق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے "اَرَادَ الْآخِرَةَ" سے مراد یہ ہے کہ اس کی نیت درست ہو۔ کوئی دنیوی غرض مطلوب نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں کہہ لیں اس کے اندر اخلاص ہو۔

"وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا" سے مراد یہ ہے کہ کوشش وہی کرے جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے یعنی شریعت نے جو راہ تجویز کی ہے اس راہ پر چلے دوسرے لفظوں میں کہہ لیں کہ اتباع سنت کرے۔

"وَ هُوَ مُؤْمِنٌ" کا مطلب تو واضح ہے کہ وہ عمل کرنے والا صاحب ایمان ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ قبولیت اعمال کے لیے تین شرائط ہیں (۱) ایمان (۲) اتباع سنّت۔ (۳) اِخلاص۔

اب ہم ان تینوں شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال کا محاسبہ کر سکتے ہیں بلکہ اپنے اعمال کے علاوہ دوسرے مذہبی فرقوں کے اعمال کا جائزہ لے کر ان کی قبولیت اور عدم قبولیت کا حکم بھی لگا سکتے ہیں۔

۱) ایمان:

قبولیت اعمال کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی شرط ایمان و درستگی عقیدہ ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دین ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے اس سارے دین کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ماننے کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے ایمان کا حقیقی مقام انسان کا قلب ہے۔ ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ دل کی تصدیق کے ساتھ ساتھ

زبان سے اس کا اقرار اور اظہار بھی کرے۔ ورنہ اس کا ایمان مکمل نہ ہوگا۔
علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ایمان اسی وقت درست سمجھا جائے گا جب سارے دین کو مانے۔ ضروریات دین میں سے اگر کسی ایک چیز کا بھی انکار کر دیا جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔
ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے یقین کامل رکھے۔ اور ذرہ برابر بھی شک کو جگہ نہ دے (شک وشبہ کا وسواس کے درجے میں آ جانا اور بات ہے اور اس کو دل میں جگہ دینا اور بات ہے) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کے ساتھ دونوں سے محفوظ رکھے۔
ماننا وہ معتبر ہے کہ اس کی اضداد سے برأت کا اظہار کرے۔ ایک آدمی کسی ایک چیز کو مانتا ہے پھر اس کی ضد کو بھی مانتا ہے تو اس کا وہ ماننا قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے۔ توحید کو بھی مانے شرک کو بھی مانے' حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی مانے' غلام احمد قادیانی کی نبوت کو بھی مانے تو وہ مومن کیسے ہوسکتا ہے؟

ایمان بمنزلِ رُوح:

یاد رکھیے! اعمال صالحہ کے لیے ایمان بمنزل روح اور جان کے ہے۔ جس طرح روح کے بغیر ایک وجود بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان کے بغیر اعمال بیکار ہیں۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اعمال صالحہ کے ساتھ بلکہ اعمال صالحہ سے پہلے ایمان کا ذکر فرما کر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ایمان کے بغیر اعمال صالحہ بیکار ہیں۔ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ (بقرہ) کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے وہ

جنت کے مستحق ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ الخ (الکہف) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے بہشت کے باغات ہوں گے۔

فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ (الحج) کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

گرامی قدر سامعین! اگر اس نہج پر آپ قرآنی آیات جمع کریں تو یقیناً آپ کو سینکڑوں ایسی آیات ملیں گی جن میں اعمال صالحہ کے ذکر سے پہلے ایمان کی شرط لگا کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پہلے ایمان ہوگا تو تب ہی اعمال صالحہ کا فائدہ ہے۔ جگہ جگہ فرمایا گیا ہے آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ.

نواقض ایمان:

بعض دفعہ آدمی سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے یا کوئی ایسا کلمہ منہ سے نکل جاتا ہے جس سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے اور آدمی حالت ارتداد کو پہنچ جاتا ہے ایسی صورت میں اس کے تمام اعمال ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے قول وفعل میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔ ایسے اقوال وافعال کو نواقض ایمان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایمان کے شعبے:

اگر ایمانیات کی تمام جزئیات کو بالتفصیل بیان کیا جائے تو بات بہت

طویل ہو جائے گی۔ اعتقادات کی کتب میں علماء کرام نے ان پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کی موٹی موٹی شاخیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَۃً کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَا ھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ ( ) ان میں سے سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ پڑھنا ہے اور سب سے کم درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ایمان کی ستتر شاخیں ہیں' علماء کرام نے اپنی کتب میں ان ستتر شاخوں کو مفصل بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ شاخوں کا تعلق انسان کے قلب کے ساتھ ہے' کچھ کا تعلق انسان کی زبان کے ساتھ اور کچھ کا تعلق باقی بدن کے ساتھ ہے۔

چھ اَجزاء:

ان ستتر شاخوں کی تلخیص کرتے ہوئے علماء کرام نے ایمان کے چھ ایسے شعبے بیان کیے ہیں کہ ان پر ایمان لانا گویا سب ایمانیات کو محیط ہے۔ انہیں ایمان مفصل کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سوال کیا مَا الْاِیْمَانُ؟ کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپؐ نے یہی چھ چیزیں بیان فرمائی تھیں۔ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ (مسلم) یعنی (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ (۲) فرشتوں پر ایمان لانا (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لانا۔ (۵) آخرت کے دن پر ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا۔

گرامی قدر سامعین! اگر آپ غور فرمائیں تو تمام عقائد ان چھ چیزوں کے اندر آ جاتے ہیں۔

تین بنیادی عقائد:

اگر ان چھ چیزوں کو مزید مختصر کیا جائے تو تین ایسے عقیدے سامنے آتے ہیں جنہیں اُمہات العقائد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ ہیں (۱) توحید۔ (۲) رسالت۔ (۳) قیامت۔ یہی وہ تین بنیادی عقیدے ہیں جنہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ۱۳ سال تک بیان فرماتے رہے۔ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں بنیادی طور پر انہی تین عقائد کا بیان ہے۔

مُشرکین کی نیکیاں:

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ مشرکین مکہ اپنے طور پر کچھ نیکیاں بھی کرتے تھے وہ ہر سال حج کیا کرتے تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے' قربانی بھی دیا کرتے تھے' نماز بھی پڑھتے تھے۔ بیت اللہ کا طواف بھی کرتے تھے' حاجیوں کی خدمت بھی کرتے تھے' بیواؤں اور یتیموں پر خرچ بھی کیا کرتے تھے۔ مہمان نوازی بھی کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال کے بارے میں فرما دیا اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (توبہ) کہ ان لوگوں کے سب اعمال بیکار ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

غور فرمائیں! ان کے اعمال اسی لیے بیکار قرار دیے گئے ہیں کہ وہ لوگ دولت ایمان سے محروم تھے۔

ایک مقام پر اللہ تبارک تعالیٰ نے مشرکین کے اعمال کی مثال بیان

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَیْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ (ابراہیم) کہ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اس پر زور سے ہوا چلے اور اسے اڑا کر لے جائے اسی طرح ان کو اپنے اعمال پر کوئی دسترس نہ ہو گی۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اعمال کا وزن اور قدر و قیمت تو ایمان کی وجہ سے بنتی ہے اور جب ایمان ہی نہیں ہے تو اعمال کی قدر و قیمت کیا ہو سکتی ہے؟

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور کفار کے اعمال کی مثال دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ا کہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں سراب (چمکنے والی ریت) کہ پیاسا اسے پانی سمجھے حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْــٴًـا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس جائے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (النور) اور اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح صحرا میں ایک پیاسا شخص چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر اسے پانی سمجھ لیتا ہے اور دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اسی طرح کفار اپنے اعمال کے بارہ میں دھوکہ میں مبتلا ہیں (حالانکہ ان کے اعمال عدم ایمان کی وجہ سے ضائع ہو چکے ہیں) اور جب یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تو اس دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہمارے پلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

تعمیرِ کعبہ:

میرے ناقص خیال میں مشرکین مکہ کی تمام نیکیوں میں سے سب سے بڑی نیکی بیت اللہ کی تعمیر ہے۔ ایک عام سی مسجد کو تعمیر کرنا کتنی بڑی نیکی ہے' چہ جائیکہ خانہ کعبہ کی تعمیر؟ پھر دیکھیے اہل مکہ نے کس جذبے اور خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر کی۔ حلال اور پاکیزہ کمائی اس پر لگائی۔ حلال کی رقم اتنی نہیں تھی کہ پورا کمرہ تعمیر ہو سکے لیکن انہوں نے اس شرط پر اتنی سختی سے عمل کیا کہ آدھا کمرہ چھوڑ دیا' لیکن مشتبہ رقم اس پر لگانا گوارا نہ کی۔ خدا کی قدرت کہ ان کی چھوڑی ہوئی جگہ آج بھی حطیم کی شکل میں موجود ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس تعمیر اور خلوص کو بھی بے کار قرار دے دیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ جَاهَدَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ (توبہ) کہ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کو تعمیر کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے' یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔

دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں ان کے اتنے بڑے عمل کو رائیگاں قرار دیا ہے۔ کیوں؟ وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کے اندر ایمان نہیں ہے۔

۱) عقیدہ توحید:

ایمانیات میں سے سب سے مہتم بالشان عقیدہ "عقیدہ توحید" ہے' قرآن مجید اور دیگر تمام آسمانی کتابوں کا بنیادی مسئلہ توحید ہی ہے۔ تمام انبیاء

کرام کی بنیادی دعوت بھی توحید ہی ہے۔امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت بھی "توحید" ہی ہے۔اور آپ جانتے ہیں کہ توحید کی ضد شرک ہے' اگر ذرہ برابر بھی شرک آ گیا تو عقیدہ توحید ختم ہو جاتا ہے۔اور توحید چونکہ ایمانیات کی اساس اور بنیاد ہے۔اس لیے اس کے ختم ہونے سے انسان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک مقام پر اٹھارہ انبیاء کرام کا نام لیا ہے۔ان انبیاء کرام کے اسماء گرامی کے بعد اجمالاً ان کے باپ دادا' اولاد اور بھائیوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔اور آگے ارشاد فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام) کہ اگر وہ لوگ بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔

اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے' وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (زمر) تحقیق آپ پر بھی یہ وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے انبیاء کرام پر بھی یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تو شرک کا خاتمہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ان کے نفوس قدسیہ سے شرک کا صدور محال ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ انداز صرف ہمیں سمجھانے کے لیے اختیار فرمایا ہے کہ شرک اتنی مضر اور بری چیز ہے کہ اس کے صدور سے ایمان بھی ضائع ہو جاتا

ہے اور اعمال بھی۔ بالفرض والمحال اگر اس کا صدور میرے پیارے پیغمبروں سے بھی ہو جائے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔

۲) اِتّباعِ سُنّت:

عمل کی قبولیت کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور طریقے کے مطابق ہو۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زندگی کے ہر موڑ پر ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ بڑے بڑے معاملات تو اپنی جگہ' آپ نے تو زندگی کی انتہائی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ کھانے پینے' سونے جاگنے' اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ پیشاب کرنے اور تھوکنے تک کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ زندگی کے جس گوشہ میں ہمیں راہنمائی و ہدایت کی ضرورت ہو تو اس کا نمونہ آپ کی سیرت میں موجود ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمارے کسی عمل کی ضرورت و احتیاج نہیں ہے۔ اس نے ہمیں جانچنے کے لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کو ایک نمونہ اور ماڈل بنا کر ہمارے سامنے رکھا ہے۔ پھر ہمیں آپ ؐ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اب ہمارا ہر وہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ومحبوب ہو گا جو آپ ؐ کے طریقے کے مطابق ہو گا۔ اگر آپ کی سنت اور اتباع کی مہر اس پر نہیں ہو گی تو وہ عمل عنداللہ قابل قبول نہیں ہو گا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران) کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت رکھے گا۔ مطلب صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کو راضی کرنے کا ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلا جائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی جملہ خواہشات اور جذبات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائیں۔ مطلب صاف واضح ہے کہ اعمال کا قبول ہونا تو بعد کی بات ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے اگر منہ موڑا جائے تو ایمان بھی مکمل نہیں ہوتا۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ (مشکوٰۃ) کہ کسی زائل شدہ اور مٹی ہوئی سنت کو اگر کوئی زندہ کرتا ہے یعنی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

تین صحابہؓ کا واقعہ:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین صحابہ کرام محض اس فکر کے لیے جمع ہوئے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنا چاہیے۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دن کی زندگی تو ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ رات کو کتنی عبادت کرتے ہیں؟ اس ضمن میں ہم آپ کی ازواج مطہرات سے پوچھتے ہیں' اور پھر ہم بھی اسی طرح زیادہ سے زیادہ عبادت کریں گے۔

چنانچہ جب ان حضرات نے ازواج مطہرات سے سوال کیا تو انہوں نے آپؐ کی رات کی عبادت کے معمولات بتا دیے۔ آپؐ کی رات کے معمولات سن کر انہوں نے آپؐ کی عبادت کو کم سمجھا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا۔ پھر خود ہی اس کا جواب اپنے دلوں میں سوچا کہ آپؐ تو خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور معصوم ہیں ان سے

ہماری کیا نسبت؟ وہ تو اگر تھوڑی بھی عبادت کریں تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم گنہ گار ہیں ہمیں تو ان سے بھی زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔

پھر ایک نے کہا اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا کہ میں آج سے یہ تہیہ کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ کے لیے ساری رات عبادت کروں گا حتیٰ کہ عبادت کے پیچھے اپنی نیند بھی قربان کردوں گا۔

دوسرے نے کہا وَاَنَا اَصُوْمُ الدَّھْرَ اَبَدًا وَّلَا اُفْطِرُ کہ میں ہمیشہ کے لیے روزانہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔

تیسرا بولا وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا کہ میں ہمیشہ عورتوں سے علیحدگی اختیار کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ یعنی اہل و عیال کی فکر سے آزاد ہو کر یکسوئی سے دن رات عبادت میں مشغول رہوں گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ان کے ارادوں کا پتہ چلا تو آپؐ نے ان تینوں کو بلوا لیا۔ اور ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَ خْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَ اَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ کہ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں ناغہ بھی کرتا ہوں۔ رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور آرام بھی اور میں نے شادیاں بھی کر رکھی ہیں۔

پھر آپؐ نے انہیں اس حقیقت سے آشنا فرمایا کہ اصل نیکی میری اتباع ہے۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ جو میری سنت اور میرے طریقے سے ہٹ گیا اس کا رشتہ مجھ سے کٹ گیا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں ان صحابہ کرام کے دلوں میں کتنا خلوص

اور تقویٰ تھا؟ حصول رضاء الٰہی کا کتنا سچا جذبہ تھا؟ مگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضاحت فرمادی کہ صرف جذبہ نہیں بلکہ میری متابعت بھی ضروری ہے۔

اس کی مثال آپ ریلوے انجن کی سمجھیں۔ ریلوے انجن کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک اس کے اندر سٹیم ہو دوسرا اس کے سامنے لائن بچھی ہوئی ہو۔ پھر وہ دوڑے گا اور منزل مقصود تک پہنچے گا۔ اسی طرح ایک مومن کے اندر جذبہ اطاعت رسول و محبت رسول ہونا چاہیے اور سامنے راستہ رسول اسوہ رسول ہونا چاہیے تب کامیابی ممکن ہے۔

بدعت سے اجتناب:

گرامی قدر سامعین! سنت کی ضد بدعت ہے اگر کوئی شخص اتباع سنت اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے بدعت سے لازماً اجتناب کرنا ہوگا۔ آپ کی سنت کے بالمقابل جو کچھ بھی ہے وہ بدعت ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا (مشکوٰۃ) کہ بہترین نمونہ اور سیرت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور نئے نئے گھڑے جانے والے کام برے اور مذموم ہیں۔

دیکھیے! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ہدی اور طریقے کو محدثات کے بالمقابل بیان فرما کر واضح فرما دیا ہے کہ میری سنت کے خلاف جو کچھ ہوگا وہ یقیناً بدعت ہوگا۔

علماء کرام سے سنا ہے کہ جب بھی کوئی بدعت جاری کی جاتی ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ایک سنت کو اٹھا لیتے ہیں اور بدعتی بدعت کا ارتکاب کرنے کے علاوہ ایک سنت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! بدعت کی مثال یوں سمجھیں جیسے کوئی شخص ایک نیا

جعلی نوٹ جاری کرے' کاغذ اچھا لگائے' رنگت بہترین بنائے چھپائی لکھائی دیدہ زیب کرائے۔ اگر چہ یہ اجلا اور کورا نوٹ' دوسرے اصلی نوٹوں سے خوشنما لگ رہا ہوا مگر پھر بھی جعلی ہے' بے قدر و قیمت ہے کیونکہ اس پر حکومت وقت کی مہر اور تصدیق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بزعم خود کوئی نیکی کا کام جاری کرتا ہے گو بادی النظر میں اس کا وہ کام خوش نما اور دیدہ زیب کیوں نہ ہو حقیقت میں اس کی کوئی وقعت اور قیمت نہ ہوگی کیونکہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مہر تصدیق نہیں ہے۔

حدیث شاہد ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَّلَا صَلٰوةً وَّلَا صَدَقَةً وَّلَا حَجًّا وَّلَا عُمْرَةً وَّلَا جِهَادًا وَّلَا صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا الخ (ابن ماجہ) کہ اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز' نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج' نہ عمرہ قبول کرتا ہے نہ جہاد' نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ کوئی نفلی۔

عید گاہ میں نفل:

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عید کے دن نماز عید سے قبل نفل نماز پڑھنی چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منع فرمایا وہ کہنے لگا میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ میں کوئی برا کام تو نہیں کر رہا' نیکی ہی کر رہا ہوں۔ حضرت علیؓ نے جواباً ارشاد فرمایا اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک اس فعل کو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ پس تیری یہ نماز عبث ہوگی

اور فعل عبث حرام ہے اور شاید تجھے اللہ تعالیٰ مخالفت رسول کی وجہ سے اس کی سزا بھی دے۔ (لغم البیان)

اسی طرح حضرت سعید بن المسیبؒ نے ایک دفعہ ایک شخص کو عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے سے روکا تو وہ کہنے لگا اَیُعَذِّبُنِی اللّٰہُ عَلَی الصَّلٰوۃِ کیا اللہ نماز پڑھنے پر سزا دے گا؟ آپ نے جواباً فرمایا لَا وَلٰکِنْ یُعَذِّبُکَ بِخِلَافِ السُّنَّۃِ۔ کہ نماز پڑھنے پر تو سزا نہ دے گا لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی مخالفت کی وجہ سے ضرور سزا دے گا (مسند دارمی)

عَبدُاللّٰہ بن عُمرؓ کا فَرمان:

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پہلو میں کھڑے ہو کر چھینک ماری اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فوراً غضبناک ہو کر فرمایا اَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَیْسَ ھٰکَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (مشکوٰۃ) کہ میں بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ کے جملے کا قائل ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح تعلیم نہیں دی بلکہ آپ کی تعلیم تو یہ ہے کہ ہر حال میں الحمد للہ کہا جائے۔

عَبدُاللّٰہ بن مَسعُودؓ کا فَتویٰ:

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ فلاں مسجد کے لوگ نماز کے بعد بلند آواز سے کنکریوں پر سُبحانَ اللہُ الحمدُ للہُ اللہُ اکبر وغیرہ پڑھتے ہیں۔

آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا کہ یہ تم کیا پڑھ رہے

ہو؟ وہ کہنے لگے ہم تو تسبیح، تحمید وتہلیل ہی پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے گناہ شمار کرو۔ پھر فرمایا مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَ مَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ کہ جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں عبداللہ بن مسعود صحابی رسول ہوں اور پھر فرمایا تعجب ہے تم کتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو؟ ابھی تک تو بکثرت صحابہ کرامؓ تمہارے اندر موجود ہیں اور ابھی تک آنحضرت ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے ابھی تو آپ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے اور تم نے بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھول لیا ہے؟ تم سمجھتے ہو کہ تم محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ سے زیادہ ہدایت والے ہو؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَۃٍ عُظْمٰی کہ یہ تم نے ایک بہت بڑی بدعت ایجاد کر لی ہے۔ اس کا تمہیں ثواب تو کیا الٹا گناہ ملے گا۔ (احکام الاحکام)

گرامی قدر سامعین! یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب وہ سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ اس لیے عمل کی قبولیت کی دوسری شرط ہے "اتباع سنت"۔

۳) اِخلَاص:

عمل کی قبولیت کے لیے تیسری شرط ہے کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے کیا جائے اس میں کوئی دنیاوی مفاد مدنظر نہ ہو بلکہ خالصتاً اُخروی مفاد کے لیے کیا جائے۔ یعنی نیت درست ہو۔

اخلاص کو حدیث پاک میں احسان کا نام بھی دیا گیا ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت جبریل علیہ السلام نے پیغمبر اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوالات کیے۔ جن میں سے ایک سوال یہ بھی تھا مَا الْاِحْسَانُ کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ

یَرَاکَ کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس انداز میں کرے گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تجھے یہ مقام نصیب نہیں تو کم از کم یہ خیال ضرور ہونا چاہیے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

لازمی بات ہے جب اس کیفیت اور اس ذوق کے ساتھ عبادت ہوگی تو اس میں ریا کاری کا شائبہ تک نہیں ہوسکتا۔ احسان و اخلاص کا دوسرا نام نیت کی درستگی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰی آدمی کو ویسا ہی بدلہ ملتا ہے جیسی اس کی نیت ہوتی ہے۔ فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے سمجھی جائے گی۔ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلَی امْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ (بخاری) جس آدمی نے دنیا کی خاطر ہجرت کی یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کی خاطر سمجھی جائے گی یعنی اسے پھر ہجرت کا اجر وثواب کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اخلاص اور نیت کا مقام چونکہ دل ہے اس لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَامِکُمْ وَلَا اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ (مسلم) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے قتال کرتا ہے' دوسرا اپنی قوم کی طرف داری کے لیے' تیسرا ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے جہاد کرتا ہے ان میں کس کا جہاد'' جہاد فی

سبیل اللہ'' سمجھا جائیگا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً ارشاد فرمایا مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (متفق علیہ) کہ جس آدمی نے اس نیت سے جہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہو تو اس کا جہاد ''جہاد فی سبیل اللہ'' سمجھا جائے گا۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ اخلاص کی ضد ریاکاری ہے اور ریاکاری میں چونکہ اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی بلکہ غیر اللہ کی رضاء مقصود ہوتی ہے اس لیے اسے بھی شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (الکہف) کہ جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ احادیث کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ آیت ہذا میں شرک سے مراد شرک خفی یعنی ریا مراد ہے۔

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ (رواہ احمد) کہ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ شرک اصغر کیا ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ریاکاری شرک اصغر ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام ارشاد فرمایا کرتے تھے كُنَّا نَعُدُّ الرِّيَاءَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ریاء کاری کو شرک اصغر کا درجہ دیتے تھے۔

گرامی قدر سامعین! شرک اصغر کا معنی ہوتا ہے چھوٹا شرک۔ اس کا یہ

مطلب نہیں ہے کہ یہ چھوٹا شرک ہے کر لیں تو کوئی خاص نقصان نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ محسوس نہیں ہوتا۔ ہم کرتے بھی رہتے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ یعنی وجود کے لحاظ سے چھوٹا کہا گیا ہے اثر کے لحاظ سے چھوٹا نہیں کہا گیا۔

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف لائے تو وہ مسیح دجال کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور اس دور کے فتنے یاد کر کر کے انتہائی خوف زدہ ہو رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمہارے لیے مسیح دجال سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ضرور بتائیں وہ کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا اَلشِّرْکُ الْخَفِیُّ کہ وہ چھپا شرک ہے۔ یَقُوْمُ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَهٗ لِمَا یُرٰی مِنْ نَظْرِ رَجُلٍ (ابن ماجہ) کہ کوئی آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لیے بنا سنوار کر پڑھے کہ فلاں آدمی دیکھ رہا ہے۔

کلید در دوزخ بود آں نماز کہ در روئے مردم گزاری دراز

دیکھیے! یہاں اسی ریاکاری کو شرک خفی کا نام دیا گیا ہے کہ اس کا احساس نہیں ہوتا اور اندر ہی اندر اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے۔ بعض روایات میں ہے اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلٰی صَفَاءٍ کہ یہ شرک ایک چٹان پر چلنے والی چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے جس طرح اس کے چلنے کی آواز محسوس نہیں ہوتی اسی طرح یہ بھی محسوس نہیں ہوتا (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ)

سب سے پہلا فیصلہ:

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ شفیا اصحی ملک شام سے

مدینہ منورہ آئے۔ دیکھا کہ ایک بزرگ مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کو احادیث سنا رہے ہیں۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ آپ ان کی مجلس میں خاموشی سے بیٹھ گئے اور احادیث سنتے رہے۔ جب مجلس برخواست ہوئی تو ان سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ میں ملک شام سے آیا ہوں مجھے بھی خصوصی طور پر کوئی حدیث سنائیں۔

حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں' اتنا کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد ہوش آیا تو پھر فرمایا کہ میں تجھے وہ حدیث سناتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہاں اسی جگہ بیٹھے ارشاد فرمائی تھی اور اس وقت آپ کے پاس میرے سوا اور کوئی موجود نہ تھا اتنا کہا اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر کافی دیر بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو طلب فرمائیں گے' اتنا کہا تو پھر غش کھا کر بے ہوش ہو گئے۔

پھر ہوش آیا تو بڑی مشکل کے ساتھ یہ حدیث پوری فرمائی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب فیصلہ کے لیے اتریں گے تو سب سے پہلے تین آدمیوں کو طلب کیا جائیگا۔ (۱) قرآن مجید کا عالم و قاری۔ (۲) شہید۔ (۳) مالدار سخی۔ تو اللہ تعالیٰ سخی سے فرمائیں گے کہ تو نے کیا کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ تو نے مجھے مال دیا تھا میں نے وہ مال نیکی کے کاموں میں بے دریغ خرچ کیا۔ غرباء اور فقراء کو کھانے کھلائے۔ مساجد اور مدارس کو چندے دیئے یا اللہ! اس سے بڑا عمل کونسا ہو سکتا ہے کہ اپنا مال تیری راہ میں لٹا دیا۔

اللہ تعالیٰ جواباً فرمائیں گے کَذَبْتَ یَا عَبْدِیْ میری بندے تو جھوٹ بولتا ہے' میں دلوں کے حالات جانتا ہوں۔ تو نے مال میری رضاء کے لیے خرچ

نہیں کیا تھا بلکہ نام ونمود اور نمائش کے لیے خرچ کیا تھا۔ لوگوں کے دکھلانے کے لیے خرچ کیا تھا تا کہ لوگ تیری تعریف کریں۔ چنانچہ میرے بندے تیری نیت کے مطابق تجھے اس عمل کا بدلہ دنیا میں ہی مل چکا ہے۔ تیری تعریف وتوصیف ہو گئی۔ تیرے تذکرے ہو گئے۔ آج یہاں آخرت میں تیرے لیے کچھ نہیں ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس مالدار سخی کو پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

اس کے بعد شہید کو بلایا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی اسی طرح سوال کریں گے' وہ جواب دے گا کہ اے اللہ! تو نے مجھے جان دی تھی میں نے وہ جان تیرے دین کی خاطر تیری راہ میں قربان کر دی اور شہید ہو گیا۔ اس سے بڑا عمل اور کونسا ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ جواباً فرمائیں گے کَذَبْتَ یَا عَبْدِیْ اے میرے بندے تو جھوٹ بول رہا ہے تو نے قتال میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے حصہ نہیں لیا تھا بلکہ اپنی بہادری' جرأت و ہمت کے اظہار کے لیے حصہ لیا تھا۔ چنانچہ دنیا کے اندر تجھے تیری نیت کے مطابق اجرمل گیا۔ تیری بہادری و جانبازی کی تعریفیں ہو گئیں۔ تجھے تمغے مل گئے۔ آج یہاں میرے پاس تیرے لیے کچھ نہیں ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا تو وہ اس کو بھی پکڑ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔

بعد ازاں عالم کو پیش کیا جائیگا اور اس سے بھی یہی سوال کیا جائیگا۔ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ تو نے مجھے علم دیا تھا میں قاری قرآن تھا۔ میں نے تیری رضا کے لیے جگہ جگہ علم پھیلایا قرآن کی تلاوت کی' لوگوں کو تیرا کلام سنا سنا کر ان کے ایمان کو گرمایا۔ جگہ جگہ فرق باطلہ کے ساتھ مناظرے کیے ان کو شکست فاش دے کر تیرے دین کی حقانیت کو ثابت کیا۔ اس سے بڑا عمل کونسا ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کَذَبْتَ یَا عَبْدِیْ میرے بندے تو جھوٹ بول

رہا ہے۔ میں تو دلوں کے حالات بھی جانتا ہوں۔ تو نے وہ مناظرے مباحثے میرے دین کی سر بلندی کے لیے نہیں کیے تھے اور نہ ہی وہ تلاوت وتقریر میری رضاء کے لیے کی تھی۔ تو نے تو وہ اپنی علمیت جتانے کے لیے ہم عصر علماء پر سبقت حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا کہ لوگ تیرے علم سے متاثر ہو کر تیری تعریف کریں چنانچہ دنیا میں تیری نیت کے مطابق تجھے بدلہ مل چکا ہے۔ دنیا میں تیری خوب تعریف ہو چکی ہے۔ لوگوں میں خوب پذیرائی ہو گئی ہے۔ اب یہاں آخرت میں میرے ہاں تیرے لیے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا تو اس عالم کو بھی گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ پوری حدیث روتے ہوئے سنائی اور شفیاء کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا ثُمَّ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتِيْ کہ پھر اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مارا تھا اور فرمایا تھا يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ اَوَّلُ خَلْقِ اللهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ترمذی) کہ اے ابو ہریرہ قیامت کے دن سب سے پہلے انہی تین آدمیوں سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائیگا۔

گرامی قدر سامعین! اندازہ لگائیں ریا کاری کتنی بری بلا ہے کہ اس کی وجہ سے اتنے بڑے بڑے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

ریا کاری کی علامات:

علماء کرام نے ریا کاری کی تین علامات بیان فرمائیں ہیں۔ (۱) لوگوں کے سامنے اپنے اعمال کو بنا سنوار کر کیا جائے۔ (۲) لوگوں کی عدم موجودگی میں یہ اہتمام نہ کیا جائے۔ (۳) اپنی تعریف وتوصیف پر خوشی محسوس کی جائے۔

اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم کس حد تک اس سے بچے ہوئے ہیں!

اقسامِ ریاء:

ریاء کاری کی مختلف قسمیں اور شکلیں ہیں۔

۱) مِنْ حَيْثُ الْبَدَنْ: یعنی ریا کاری کی نیت سے اپنے بدن کی ہیئت جیسی نیک لوگوں جیسی بنانا اور اس کی آگے مختلف شکلیں ہیں۔

۲) مِنْ حَيْثُ الْقَوْلِ: یعنی ریا کاری کی نیت سے لوگوں کے سامنے دینی باتیں بیان کرنا۔ ان کو پند و نصائح اور تبلیغ کرنا۔ علمی باتیں اور دقیق نکتے بیان کرنا، اپنی عبادات کا بہانے بہانے ذکر کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

۳) مِنْ حَيْثُ الْعَمَلْ: یعنی ریا کاری کی نیت سے لوگوں کے سامنے اچھے اعمال کرنا لمبی لمبی نمازیں پڑھنا، اچھے اعمال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا وغیرہ وغیرہ۔

ان سب اعمال میں جب دکھلاوا مقصود ہوگا تو اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حالات جانتا ہے اس لیے یہ سب اعمال عند اللہ قبول نہیں ہوں گے۔ قبول ہونا تو درکنار الٹا موجب گناہ ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منھا

دینی کام کرنے والوں کے لیے علماء کرام نے اخلاص کی ایک زبردست نشانی بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی ان جیسا کوئی دینی کام کرنے لگے یا کوئی دینی خدمت انجام دینے لگے تو وہ اس سے خوش ہوں اور اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں۔ اور اگر دل میں تنگی محسوس کریں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے اپنے اندر اخلاص نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور ریا کاری جیسی مہلک بیماری سے نجات عطاء فرمائے۔ آمین

گرامی قدر سامعین! آپ نے سن لیا کہ قبولیت اعمال کی تین بنیادی شرائط ہیں۔ (۱) ایمان۔ (۲) اتباع سنت۔ (۳) اخلاص۔ اس کسوٹی اور معیار کو

سامنے رکھ کر ہمیں چاہیے کہ اولاً اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔ بعد ازاں دوسرے لوگوں کو بھی ان شرائط پر عمل پیرا ہونے کی تبلیغ کریں۔ تا کہ ان کے اعمال بھی عنداللہ قبول ہوسکیں۔ یقیناً پھر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ان کے اجر میں شریک فرمائے گا۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

٤:- اَدِلّٰه اَرْبَعَه

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ الخ (سورۃ النساء) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! شریعت اسلامیہ کے مسائل کے ثبوت کے لیے علماء کرام نے چار مآ خذ بیان فرمائے ہیں۔ ان کو ادلہ اربعہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ اَلْاَهَمُّ فَالْاَ هَمّ کے اعتبار سے بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) قرآن کریم۔ (۲) سُنّتِ نبویؐ۔ (۳) اجماع۔ (۴) اجتہاد (قیاس شرعی)

ان چاروں میں سے کتاب اللہ اور سُنت نبویؐ کو اولویت اور اولیت حاصل ہے۔ جبکہ اجماع اور قیاس کی حیثیت ثانوی ہے۔ درحقیقت یہ دونوں کتاب وسنت ہی کی طرف راجع ہیں اور اُسی کا ثمرہ ہیں۔

۱) قُرآنِ کَرِیم:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے' جو اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا خالق' مالک اور رازق ہے اصل حکم تو اسی کا ہے۔ اقتدار اعلیٰ اسی کے پاس ہے' اس کے حکم کے سامنے ہمیں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (القرآن) کہ سارا حکم اور اختیار اسی کے پاس ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (القرآن) کہ

ساری مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔

قرآن کریم بالاتفاق ہمارے لیے ایک بنیادی دلیل ہے۔ اس بارہ میں کسی ادنی سے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۲) سُنّتِ نَبَوِیؐ:

سنت نبوی یا حدیث نبوی درحقیقت کتاب اللہ کی تشریح وتوضیح کا دوسرا نام ہے، یعنی درحقیقت عمل تو قرآن کریم پر کرنا ہے، لیکن کس طرح کرنا ہے؟ یہ حدیث سے پتہ چلے گا۔ قرآن حکیم پر اسی طرح عمل کرنا ہے جس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمل کر کے دکھایا ہے۔ یعنی حکم قرآن کا اور سنت (طریقہ) نبیؐ کی۔

سُنّت کیا ھے؟

سنت وہ متواتر محمود عمل ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام یا خُلفاء راشدین یا دیگر صحابہ کرامؓ سے متواتر چلا آ رہا ہو۔

عموماً علماء کرام سنت اور حدیث کا ایک ہی مفہوم لیتے ہیں مگر محقق علماء بیان فرماتے ہیں کہ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ حدیث عام ہے تو سنت خاص ہے۔ حدیث ضعیف بھی ہوتی ہے مگر سنت کبھی ضعیف نہیں ہوتی۔ اسی لیے قرآن کریم میں بھی متعدد مقامات پر آپؐ کی اطاعت واتباع کو ہمارے لیے لازم کر دیا گیا ہے اور آپؐ کی زندگی کو ہمارے لیے بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی مختلف مواقع پر سنت پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔

☆ خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا: تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ کہ لوگو! میں تمہارے اندر دو

چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے اور دوسری سنت رسول اللہ ہے۔ (مستدرک)

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ (مشکوۃ) کہ جس شخص نے فساد امت کے دور میں بھی میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر وثواب ملے گا۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ کہ جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرا نہیں ہے۔ (بخاری)

☆ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک موقعہ پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ چھ قسم کے لوگ ہیں جن پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرے۔ آپؐ نے ان میں سے ایک وہ شخص بھی بیان فرمایا وَالتَّارِکُ لِسُنَّتِیْ کہ جو میری سنت کو چھوڑ دے۔ (مستدرک)

اسی طرح بے شمار احادیث ہیں جن میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے سنت پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔ الحمد للہ ہمارا نام بھی اہل السنت ہے۔ یعنی ہم قرآن مجید کا حکم سنت کے مطابق مانتے ہیں۔

☆ قرآن مجید کی ایک آیت ہے يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران) کہ قیامت کے دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی سیاہ۔ کچھ لوگوں کے چہروں پر انوارات کی بارش ہو گی تو کچھ کے چہرے پر ظلمات چھائی ہونگی۔ اس آیت کی تفسیر کے بارہ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سیدنا ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اہل السنت والجماعت ہیں

جن کے چہرے قیامت کے دن سفید ہونگے۔ (الدرالمنثور)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہی فرمایا کہ جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اہل السنّت والجماعت ہیں۔ (الدرالمنثور)

۳) اِجْمَاع:

آسانی کے لیے اس کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ اجماع صحابہ اور اجماع امت محمدیہ۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اجماع اپنی جگہ پرصحیح اور حجت ہے۔

صحابہ کرامؓ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی اتباع کا حکم قرآن مجید میں بھی ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین میں بھی ہے۔ علاوہ ازیں علماء امت نے بھی اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ (مرقات) کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب مطلقاً عادل اور ثقہ ہیں۔

☆ ارشاد ربانی ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (توبہ) جو لوگ سبقت کرنے والے یعنی پہلے پہلے ایمان لانے والے ہیں مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جن لوگوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہیں۔

گرامی قدر سامعین آیت ہذا کے جملہ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ مہاجرین و انصار کی پیروی کرنے والی کو بھی اس خوش خبری میں داخل فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا صحابہ کرامؓ کی اتباع کرنا ایک محمود عمل اور خدائی حکم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی اتباع کا حکم دے رہا ہے تو پھر کسی شک وشبہ کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

☆ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرہ) اگر وہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بے شک انہوں نے ہدایت پائی۔

آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو معیار بنا کر پیش فرمایا ہے کہ جب تک تم لوگ ان کی طرح ایمان نہیں لاؤ گے تم ہدایت نہیں پا سکتے۔ یہاں بھی صحابہ کرامؓ کی پیروی اور اتباع کا حکم موجود ہے۔

☆ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ الخ (نساء) کہ جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرے اور مؤمنین کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

گرامی قدر سامعین! آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت پر تہدید فرمائی ہے اسی طرح صحابہ کرام کی مخالفت اور عدم پیروی پر بھی وعید بیان فرمائی ہے۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے جملہ پر غور فرمائیں یعنی اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مؤمنین کی اتباع کی جائے اور ان کے راستے پر چلا جائے۔ اگر ان کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستہ کو اپنایا جائے تو وہ راستہ جنت میں کبھی نہیں پہنچائے گا' سیدھا جہنم میں لے جائے گا۔

قرآن مجید کے علاوہ احادیث شریفہ میں بھی صحابہ کرامؓ کی اتباع وتقلید کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا

بِالنَّوَاجِذِ (ترمذی) کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو مضبوط پکڑو اور اپنی داڑھوں سے اس کو قابو میں رکھو۔

اس حدیث پاک میں بڑی وضاحت اور صراحت کیساتھ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا ہے نہ صرف اتباع کا حکم دیا گیا ہے بلکہ خلفاء راشدین کے عمل کو سنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ کے جملہ پر غور فرمائیں۔ بنا بریں ان کا عمل ہمارے لیے حجت ہے۔ ہم ان کی سنت کو تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔ کسی صورت میں اس سے گریز نہیں کر سکتے۔

اسی حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے ارشاد فرمایا وَاِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہ تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

غور فرمائیں! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کے بالمقابل محدثات اور بدعات کا ذکر فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کے مقابلے میں جو کچھ ہے وہ سراسر بدعت اور گمراہی ہے۔ معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کے قیاس و اجتہاد سے ثابت شدہ احکام بھی سنت کے زمرہ میں داخل ہیں ان پر عمل کرنا بھی ہمارے لیے لازم ہے۔

☆ ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (مشکوٰۃ) کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ یعنی ستاروں میں اگرچہ فرق مراتب ضرور ہوتا ہے مگر کوئی ستارہ بھی ظلمت افشانی نہیں کرتا بلکہ نور ہی بکھیرتا ہے

اسی طرح میرے سب صحابہ روشنی کا مینار ہیں سب ہادی اور مھدی ہیں۔

☆ ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنِّی لَآاَدْرِیْ مَابَقَآئِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ (ترمذی) کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہارے اندر کب تک زندہ رہوں گا۔ پس تم میرے بعد ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتداو پیروی کرنا۔

گرامی قدر سامعین! ان ارشادات نبوی میں غور فرمائیں اگر صحابہ کرامؓ حجت نہیں ہیں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی پیروی کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟

☆ ایک دفعہ ایک عورت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ اب تو میں مصروف ہوں پھر کسی وقت آنا۔ وہ عرض کرنے لگی کہ زندگی کا تو کوئی پتہ نہیں اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟ یعنی اگر آپ کی وفات ہو چکی ہو تو کیا کروں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا فَأْتِیْ اَبَابَکْرٍ تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھ لینا (بخاری)

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً کہ بنی اسرائیل ۷۲ (بہتر) فرقوں میں بٹ چکے تھے وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً اور میری امت ۷۳ (تہتر) فرقوں میں بٹ جائے گی کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً سوائے ایک گروہ کے سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہ اے اللہ کے رسول وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ کہ جس نے وہ کام کیے جو میں نے اور میرے صحابہ نے کیے ہیں (ترمذی)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ (ابوداؤد) یعنی

نجات حاصل کرنے والا صرف وہی فرقہ ہے جو اس جماعت (صحابہ کرامؓ) کا ساتھ دینے والا ہو۔

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واضح ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے آپ کی سنت ہمارے لیے مشعل راہ ہے اسی طرح آپ کے خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال بھی ہمارے لیے معیار حق ہیں۔ بلکہ اگر آپ غور فرمائیں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ذات با برکات اور صحابہ کرامؓ کی ذوات قدسیہ کو حق اور باطل کے پرکھنے کا مقیاس بتا رہے ہیں۔ کہ وہ خود صرف حق پر نہیں بلکہ حق کو پرکھنے کی کسوٹی اور معیار بھی بن چکے ہیں' جس سے دوسروں کا حق و باطل بھی کھل جاتا ہے۔

اس لیے ہمارے نام کے ساتھ ایک دوسرا لفظ آتا ہے "والجماعۃ" اہل السنّت والجماعت یعنی حکم قرآن کا طریقہ سنت نبوی کا اور بیان و عمل صحابہ کرامؓ کا۔

گرامی قدر سامعین! خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے اجماع کے بعد امت محمدیہ کے اجماع و اتفاق کا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امت کی تعریف اور توصیف کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران) کہ تم لوگ سب امتوں میں سے بہترین امت ہو جو انسانوں کی بھلائی کے لئے بھیجی گئی ہے۔ تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور ایمان لاتے ہو اللہ تعالیٰ پر۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ امت تمام اقوام عالم کی بھلائی اور فلاح کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (مشکوٰۃ)

کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں گواہ ہو۔ یعنی جس چیز کو یہ امت خیر کہے گی وہ عنداللہ بھی خیر ہو گی اور جس چیز کو شر کہے گی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی شر ہو گی۔ گویا یہ امت سرکاری گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے قیامت کے دن اسی امت کی شہادت و گواہی پر تمام امتوں کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُجْمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی الضَّلَالَۃِ (مشکوٰۃ) کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر اکٹھا نہ کرے گا۔

ان احادیث سے علماء امت نے ثابت کیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ علامہ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں تُسْتَدِلُّ عَلٰی اَنَّ اِجْمَاعَ الْاُمَّۃِ حُجَّۃٌ (تلخیص) کہ ان احادیث سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فِی الْحَدِیْثِ دَلِیْلٌ عَلٰی حَقِّیَّۃِ الْاِجْمَاعِ (مرقات) کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ امت کا اجماع حق اور صحیح ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ہمیں جماعت کے ساتھ جڑے رہنے کی تاکید فرمائی ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ فَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (ترمذی) کہ جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد اور نصرت ہوتی ہے جو آدمی جماعت سے کٹ گیا وہ گویا جہنم میں چلا گیا۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃَ الْجَاهِلِیَّۃِ (مشکوٰۃ) کہ جو آدمی جماعت سے بالشت بھر ہٹا وہ مرا تو جاہلیت کی موت مرا۔

ان دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے کہ امت محمدیہ کا اجماع واتفاق بھی ہمارے لیے مشعل راہ اور حجت ہے۔

٤) اِجتہاد (یعنی قیاس شرعی)

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ انسانی ضروریات اور انسانی ماحول ایک حالت پر قائم رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اس لیے آپ نے بہت سی فروعی باتوں میں خود احکام صادر فرمانے مناسب نہیں سمجھے اور ان لوگوں کی فہم وفراست پر فیصلہ چھوڑ دیا جو کتاب وسنت کا گہرا علم رکھتے ہوئے تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْنِ کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

گرامی قدر سامعین! اجتہاد یا قیاس شرعی کوئی بری چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ عظیم خداداد صلاحیت ہے۔ قرآن وحدیث کے اندر غور وخوض کر کے مسئلہ کی تہہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اس کی علت تلاش کر کے غیر منصوص مسائل پر وہی حکم لگانا ہوتا ہے۔ حدیث شریف کا ظاہری معنی بعض اوقات کچھ اور ہوتا ہے اور منشاء نبوی کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کی تہہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔

یہ جتنا اونچا کام ہے اتنا نازک بھی ہے اور پھر اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجتہاد کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ کہ جب کوئی حکم لگانے والا حکم لگاتا ہے اور اجتہاد کرتا ہے اور اس کا فیصلہ درست ہوتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَ اَخْطَاَفَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ (بخاری) اور اگر فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور غلطی بھی کر جائے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔

اجتہاد کی عظمت پر اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرما دیا کہ مجتہد اگر غلطی بھی کرے تو اس کے لیے پھر بھی اجر ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کا فرمان:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ اور پھر ان سے سوال کیا کَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عُرِضَ لَکَ قَضَاءٌ؟ اگر کوئی قضیہ تمہارے سامنے آ جائے تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپؐ نے فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اگر وہ مسئلہ تجھے کتاب اللہ میں نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواباً عرض کیا فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ تو پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اگر وہ مسئلہ سنت رسولؐ میں بھی نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا اَجْتَھِدُ بِرَاْیِیْ وَلَا اٰلُوْ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا یہ جواب سن کر انتہائی خوش ہوئے اور ان کے سینہ کو تھپتھپایا اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِمَا یَرْضٰی بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے رسول کے اس فرستادہ کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول کو خوشی اور مسرت حاصل ہوئی ہے۔

غور فرمائیں! اگر اجتہاد بُری شے ہوتی تو رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ بن جبل کے جواب پر اتنا خوش کیوں ہو رہے ہیں؟

صحابہؓ کا اجتہاد:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غزوہ خندق سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ

واپس تشریف لائے اور آپؐ نے ہتھیار وغیرہ اتار دیے تو حضرت جبریل علیہ السلام خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اس لیے آپ کے لیے حکم ہے کہ آپ جلد از جلد یہود بنی قریظہ کو ان کی بدعہدی کا مزا چکھانے کے لیے ان پر حملہ فرمائیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوری طور پر صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر جلد از جلد بنی قریظہ پہنچنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا لَایُصَلِّیَنَّ اَحَدُنِ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ کہ تم میں سے کوئی شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر۔

صحابہ کرامؓ یہ حکم سن کر چل پڑے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے وہیں عصر کی نماز پڑھ لی اور کہنے لگے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ تھی کہ تم جلدی وہاں پہنچو۔ یہ مطلب نہ تھا کہ نماز ہی قضاء کر دینا۔ بعض دوسرے صحابہؓ کہنے لگے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھنی ہے اس لیے ہم تو راستے میں نماز نہ پڑھیں گے۔ بلکہ وہاں جا کر ہی پڑھیں گے۔ حتیٰ کہ روایات میں آتا ہے کہ ان صحابہ کرام نے بنی قریظہ پہنچ کر عشاء کی نماز کے بعد جا کر عصر کی نماز ادا کی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں سے تعرض نہ فرمایا۔ (بخاری)

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! جو صحابہ کرامؓ راستہ میں نماز پڑھ رہے ہیں بالکل حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کر رہے ہیں تو کیا ان پر آپ حدیث نبویؐ کی مخالفت کا فتویٰ لگا سکتے ہیں؟ بلکہ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ راستہ میں نماز پڑھنے والے فقیہ تھے انہوں نے اجتہاد کیا اور دہرا اجر پایا اور دوسرے گروہ نے محض ایک اجر پایا۔

حضرت علیؓ کا اجتہاد:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ کو منافقین نے ان کے چچازاد بھائی حضرت مابورؓ سے متہم کر دیا اور یہ پروپیگنڈہ کچھ اس انداز سے ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی متاثر ہو گئے اور اس خبر پر یقین کر لیا۔ آپؐ نے غیرت میں آ کر حضرت علیؓ سے فرمایا اِذْهَبْ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ کہ جاؤ اور جا کر مابور کو قتل کر دو۔ (مسلم)

حضرت علیؓ نے جب اس کا پیچھا کیا تو وہ بھاگ پڑا حتی کہ بھاگتے بھاگتے ایک گڑھے میں گر گیا اور اس دھر بھیڑ میں اس کا تہہ بند کھل گیا حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لَمْ يَخْلُقِ اللّٰهُ لَهٗ مَا لِلرِّجَالِ کہ اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کے لیے وہ چیز پیدا ہی نہیں کی جو مردوں کی ہوتی ہے۔ وَاِنَّهٗ لَمَجْبُوْبٌ مَالَهٗ مِنْ ذَكَرٍ وہ نامرد تھا اور اس کے لیے مردانی علامت سرے سے موجود ہی نہ تھی۔

حضرت علیؓ نے اس کو قتل نہ کیا اور واپس تشریف لا کر آپؐ سے سارا معاملہ عرض کر دیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلشَّاهِدُ يَرٰى مَالَا يَرَى الْغَائِبُ حاضر وہ کچھ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو مابور کے قتل کرنے کا صریح حکم دیا تھا' مگر حضرت علیؓ نے اجتہاد کرتے ہوئے منشاء نبوی کو سمجھا اور اس صریح حکم پر عمل نہ کیا۔ تو کیا ہم اُن پر فتویٰ لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کی مخالفت کی؟

ایک اور واقعہ:

حدیث شریف کی کتب میں اسی طرح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اور

واقعہ بھی لکھا ہوا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک نوکرانی نے زنا کیا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ جا کر اس کو کوڑے لگاؤ۔

میں جب گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاں تو بچہ پیدا ہو چکا ہے اور وہ نفاس کی حالت میں ہے۔ میں نے خطرہ محسوس کیا کہ اس حالت میں اگر کوڑے لگائے جائیں تو کہیں یہ مر ہی نہ جائے۔ میں واپس آ گیا اور آپؐ سے سارا معاملہ عرض کر دیا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَحْسَنْتَ تو نے ٹھیک کیا ہے (مسلم)۔

غور فرمائیں! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح اور غیر مشروط حکم موجود تھا۔ اور حضرت علیؓ نے اجتہاد کر کے اس کو مشروط و مقید مان کر سزا نہ دی اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس اجتہاد پر تحسین فرما رہے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ دین کے سارے مسائل کی تفصیلات و جزئیات قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہیں۔ صرف نماز ہی کو لیجئے۔ کیا نماز کے سارے مسائل وضاحت و تفصیل کے ساتھ قرآن و حدیث میں موجود ہیں؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا۔ اور نفی میں ہی ہونا چاہیے۔

اب آپ مجھے بتائیں اس کا حل کیا ہے؟ ظاہر ہے اس کا ایک ہی حل ہے کہ قرآن و سنت میں غور و فکر کیا جائے اور قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے ان غیر منصوص مسائل کا حل نکالا جائے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نئے نئے مسائل تو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ علماء مجتہدین کا کام ہے کہ قرآن، حدیث، اقوال صحابہؓ اور قیاس مجتہدینؒ کی روشنی میں اجتہاد کر کے غیر منصوص مسائل کا حل نکالیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱) مسئلہ پیدا ہو گیا کہ روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اب اس مسئلہ کی وضاحت نہ تو قرآن مجید میں موجود ہے اور نہ حدیث میں۔

علماء کرام نے بچھو پر قیاس کر کے یہ مسئلہ حل کیا کہ جب بچھو کے ڈنگ مارنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو مجبوری کے عالم میں ٹیکہ سے بھی روزہ نہ ٹوٹے گا اور پھر علماء کرام نے ٹیکہ کے مسئلہ کی ساری تفصیلات بیان فرمائیں۔

۲) مسئلہ پیدا ہو گیا کہ بھینس کا دودھ حلال ہے؟ اب بھینس کے دودھ کا ذکر نہ تو قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث میں ہے۔ علماء کرام نے اسے گائے پر قیاس کر کے بیان فرمایا کہ اس کا دودھ حلال ہے۔

۳) مسئلہ پیدا ہو گیا کہ قرآن مجید کی کیسٹ' سی ڈی کو بے وضو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے؟ علماء کرام نے اسے حافظ قرآن پر قیاس کر کے بتایا کہ ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔

۴) سوال کیا گیا کہ ہوائی جہاز میں خانہ کعبہ سے سینکڑوں ہزاروں فٹ کی بلندی پر نماز پڑھیں تو منہ کس طرف کریں؟ علماء کرام نے غور وفکر کیا اور صحابہ کرامؓ کے پہاڑوں پر نماز پڑھنے پر قیاس کر کے حکم دیا کہ کعبہ سے سیدھا اوپر بیت المعمور تک سمت قبلہ ہی ہے۔

۵) ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے وہاں نمازیں کیسے ادا کریں؟ روزہ کیسے رکھیں؟

علماء کرام نے قرآن و حدیث میں غور کیا تو حدیث مل گئی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کا ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا۔ تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور باقی دن عام دنوں جیسے ہوں گے۔

قربان جائیں صحابہ کرامؓ پر انہوں نے آپؐ سے سوال کر لیا جب اتنے بڑے بڑے دن ہوں گے تو نماز کیسے پڑھی جائے گی۔ اَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ؟

کیا ہمارے لیے ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اُقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ تمہیں اندازے سے اوقات مقرر کرنے ہوں گے۔

علماء کرام نے اس حدیث پر قیاس کر کے مسئلہ بتایا کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی پر بھی اندازہ کر کے نمازیں پڑھیں جائیں گی۔ اور اس کے قریبی علاقہ میں نمازوں کے درمیان جتنا وقفہ ہے اتنا وقفہ کر کے دوسری نماز پڑھی جائے گی۔ عَلٰی هٰذَا الْقِیَاسْ.

اجتہاد کون کرے؟

گرامی قدر سامعین! یقیناً آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ جب اجتہاد کی اتنی بڑی اہمیت ہے تو یہ اجتہاد کون کرے گا؟ کیا ہم میں سے ہر ایک یہ کام کر سکتا ہے؟

یاد رکھیں! علماء کرام نے اجتہاد کے لیے باقاعدہ شرائط بیان فرمائی ہیں کہ اس شخص کو عربی ادب' عربی لغت پر مکمل عبور ہو۔ وہ قرآن کریم کے علوم اور تفسیر کے علوم پر مکمل عبور رکھتا ہو۔ احادیث کا عالم ہو۔ احادیث کی اسناد اور حالات رواۃ پر گہری نظر رکھتا ہو۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے حالات اور مواقع اجماع سے واقف ہو۔ مواقع قیاس اور طرز استدلال سے بخوبی واقف ہو وغیرہ۔

اب میں آپ سے ایک سوال کروں گا۔ ذرا سوچ کر جواب دینا۔ کیا ہم میں سے ہر ایک آدمی اتنی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے کہ وہ اجتہاد کر سکے؟ کیا ہر آدمی چاہے وہ کسی شعبہ سے بھی تعلق رکھتا ہو' مندرجہ بالا شرائط پر پورا اتر سکتا ہے؟ کیا وہ قرآن و حدیث پر مکمل عبور رکھتا ہے کہ مجتہد بن سکے اور غیر منصوص مسائل کا استنباط کر سکے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور نفی میں ہی ہونا چاہیے۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر ہم کیا کریں؟ کہاں جائیں؟

ضرورتِ تقلید:

اس کا واحد حل یہی ہے کہ ہم ائمہ مجتہدین کی تحقیق پر اعتماد کر کے ان کے پیچھے چلیں' ان کا علم' تقویٰ' امانت و دیانت مسلم ہے۔ ان کی اتباع میں ہی خیر ہے۔ اسی کا نام تقلید ہے کہ کسی عالم وفقیہ کا قول محض اس حسن ظن پر قبول کرنا کہ وہ دلیل کے مطابق کہہ رہا ہو گا' اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرتے ہوئے اس کے کہنے پر چلنا۔

ہمارے جو بھائی فقہ سے ناراض ہیں اور تقلید کو شرک بتاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی بات مانیں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں گے۔ ان کے علاوہ ہم کسی کی بات ماننے کے پابند نہیں ہیں۔ تو وہ ان مسائل میں جن کی توضیح قرآن وحدیث میں نہیں ہے' کیا کریں گے؟

لازمی بات ہے خود ہی فیصلہ کریں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ خود فیصلہ کرنے کی بجائے قرون اولیٰ کے فقہاء کی اتباع کریں' ان کی تقلید کریں۔ کیونکہ ان کا علم ہم سے زیادہ تھا۔ قرآن وحدیث پر وہ ہم سے کہیں زیادہ گہری نظر رکھتے تھے۔ دیانت' امانت' تقویٰ اور خوف خدا میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ اگر ان کی تقلید ترک کر کے ہم اپنی رائے پر چلیں گے تو یقیناً گمراہ ہی ہونگے۔ جیسا کہ مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے لکھا ہے کہ بے علم کے لیے ترک تقلید کفر و ارتداد کا ذریعہ ہے (اشاعت السنہ)

ہم یہ دعویٰ تو نہیں کرتے کہ تمام غیر مقلدین یقیناً کفر و ارتداد تک پہنچ جاتے ہیں' تاہم بٹالوی صاحب کے فرمان کے مطابق یہ ضرور کہیں گے کہ مطلقاً ترک تقلید کر کے مجتہد بن جانے والے بے علم کے لیے کفر و ارتداد کا خطرہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔

تقلید کا حکم قرآن میں:

قرآن مجید میں اگر غور وفکر کیا جائے تو یہ نکتہ بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء) کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔

غور فرمائیں! اس میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔ (۳) اُولی الامر کی اطاعت۔

ظاہر بات ہے کہ یہ اُولی الامر نہ تو اللہ تعالیٰ ہیں اور نہ رسول ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود خدا ورسول کے علاوہ ایک تیسرے طبقہ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اب سمجھیں کہ یہ اُولی الامر کون ہیں؟ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ قَالَ اَلْفِقْهِ وَالْخَیْرِ (مستدرک) کہ اولی الامر سے اصحاب فقہ اور ارباب خیر مراد ہیں۔ حبرُ الامہ ترجمانُ القران حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یَعْنِیْ اَھْلُ الْفِقْهِ وَالدِّیْنِ (مستدرک) کہ اولی الامر سے مراد اہل فقہ اور اہل دین ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم نے بھی خدا ورسول کے بعد اہل فقہ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

☆ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (لقمان) یعنی جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں تو ان کے راستے کی اتباع کر۔ معلوم ہوا کہ جو بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی طرف انابت و رجوع کرنے والے ہیں ان کی اتباع نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے کیونکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ ایک اور مقام پر ہے فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ (النحل) کہ اہل علم سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔ یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ کم علم اور ناسمجھ کو عالم اور سمجھدار سے پوچھنا ضروری ہے۔

آیت ہذا کا شان نزول کچھ بھی ہو ہمارا مدعا بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

☆ ایک اور مقام پر ہے وَقَالُوْا لَوْكُنَّا نَسْمَعُ اَوْنَعْقِلُ مَاكُنَّا فِیْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ (الملک) اور کہیں گے کہ اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں۔

کفار جب جہنم میں پہنچ جائیں گے تو حسرت و افسوس کرتے ہوئے یہ کلمات کہیں گے۔ اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ انسان کی فلاح اور جہنم سے خلاصی کے دو ہی طریقے ہیں۔

الف) کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے (یہ تقلید کا مرتبہ ہے)

ب) یا خود عقل سلیم سے غور و تدبر کرے (یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے)

ظاہر بات ہے کہ بے علم اپنی بے علمی کی وجہ سے تحقیق کا درجہ تو رکھتا ہی نہیں۔ اگر تقلید بھی نہ کرے تو ہلاکت اور بربادی کے سوا اور کیا ہے؟

تقلید کا حکم حدیث میں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سفر میں تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کا سر زخمی ہو گیا۔ زخم انتہائی گہرا تھا۔ رات کو اسے بدخوابی کی شکایت ہوئی تو اس نے صبح ہم سے سوال کیا کہ مجھے تیمم کرنے کی اجازت ہے؟ ہم نے کہا پانی کی موجودگی میں بھلا تیمم کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ تجھے تو غسل کرنا ہوگا۔ اس نے غسل کیا تو وہ فوت ہو گیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو شدید رنج ہوا اور

فرمایا قَتَلُوْهُ قَاتَلَهُمُ اللہُ کہ اس کے قتل کی ذمہ داری اس کے ساتھیوں پر ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَلَاسَأَلُوْا اِذْلَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعَیِّ السُّوَالُ (مشکوٰۃ) کہ جب وہ نہیں جانتے تھے تو کسی سے پوچھ کیوں نہ لیا؟ بے شک نہ جاننے والے کے لیے پوچھنے میں ہی شفاء ہے۔

غور فرمائیں! آپ خود فرمارہے ہیں کہ جب کوئی آدمی خود مسئلہ نہ جانتا ہو تو وہ کسی جاننے والے سے پوچھ لے اور پوچھ کر اگر عمل نہیں کرنا تو پوچھنے کا کیا فائدہ؟

☆ اسی طرح حضرت عرباضؓ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ (ترمذی) کہ میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو جو کہ ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو اور اسے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لو یعنی اس پر قائم رہنا۔

غور فرمائیں! اگر تقلید ممنوع ہوتی تو آپؐ اپنے خلفاء راشدین کی اتباع کا حکم کیوں دیتے؟

☆ اسی طرح حضرت حذیفہؓ کی بیان کردہ حدیث ہے آپؐ نے فرمایا اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَابَقَائِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ (ترمذی) کہ مجھے پتہ نہیں کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا پس تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرنا۔

☆ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت ہے کہ ایک عورت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی مسئلہ دریافت کرنے آئی آپ نے اسے فرمایا کہ پھر کسی وقت آنا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟ یعنی اگر آپ کی

وفات ہو چکی ہو تو کیا کروں؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا فَأْتِیْ اَبَابَکْرٍ (بخاری) تو پھر ابوبکرؓ کے پاس آنا۔

غور فرمائیں ان تمام احادیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کی اتباع کا حکم دیا۔

☆ اسی طرح آپ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا رَضِیْتُ لَکُمْ مَارَضِیَ لَکُمْ اِبْنُ اُمِّ عَبْدٍ (مستدرک) کہ میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی ہوں اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لیے عبداللہ بن مسعودؓ پسند کریں۔

سوچیں! اگر تقلید ناجائز ہوتی تو آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تقلید کا حکم کیوں دیتے؟

☆ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقام اتنا بلند تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا لَاتَسْئَلُوْنِیْ مَا دَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِیْکُمْ (بخاری) کہ جب تک یہ معتبر عالم تم لوگوں میں موجود ہیں مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

غور فرمائیں! اگر کسی ایک ہی شخصیت سے مسئلہ پوچھنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابو موسیٰؓ یہ کیوں ارشاد فرماتے؟

تقلیدِ شخصی:

گرامی قدر سامعین! اگر آپ غور فرمائیں تو احادیث بالا میں تقلید شخصی کا ثبوت بھی موجود ہے۔ بعض حضرات کا یہ کہنا کہ تقلید شخصی شرک ہے سراسر سینہ زوری ہے۔

ذرا غور فرمائیں! اگر ایک امام کے پیچھے چلنا اور اس کی تقلید کرنا شرک

ہے تو بہت سے ائمہ کی تقلید واتباع کرنا تو بدرجہ اولیٰ شرک ہونا چاہیے۔

اگر کسی امام و مجتہد کی تقلید سے (تقلید شخصی) کسی شرعی نص اور حکم پر زد پڑتی ہے تو غیر شخصی سے یہ زد کیوں نہیں پڑتی؟ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ محدود شرک تو ناجائز ہو اور غیر محدود جائز ہو۔

علاوہ ازیں اگر کسی ایک مجتہد کی بجائے دو یا متعدد متعدد مجتہدین کی تقلید کریں تو اس سے بڑی خرابی پیدا ہوگی۔ جیسے کوئی شخص گھر سے وضو کر کے نماز کی طرف نکلا بیوی کو ہاتھ لگ گیا اس نے سوچا چلو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو وضو نہیں ٹوٹا اور پھر راستہ میں کانٹا چبھ گیا اور خون نکل آیا۔ اب سوچا چلو امام شافعیؒ کے نزدیک تو وضو نہیں ٹوٹا اور پھر جا کر نماز پڑھ لی تو کسی امام کے نزدیک بھی اس کی نماز صحیح نہ ہوئی۔

دُوسری خرابی یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا اتباع اصولوں کے مطابق ہوتا ہے اور ایک ایک اصول سے ہزاروں مسائل مستنبط ہوتے ہیں تو اب اگر کسی شخص نے پچاس مسائل پر فقہ حنفیہ کے مطابق عمل کیا اور پچاس پر فقہ شافعیہ کے مطابق عمل کیا (حالانکہ دونوں کے اصول علیحدہ علیحدہ تھے) تو وہ کسی ایک پر بھی عمل کرنے والا نہ رہا۔ تارک قرآن وحدیث رہا۔

فِقَہ حَنَفِی کو تَرجِیح کِیوں؟

چاروں ائمہ وفقہاء کی خدمات اپنی جگہ قابل قدر اور مسلّم ہیں۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ ان سب پر بوجوہ ذیل راجح ہے۔

۱) امام ابوحنیفہؒ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اور پیش گوئی کے اولین مصداق ہیں۔

۲) آپؒ تابعی ہیں جبکہ باقی ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی بھی تابعی نہیں ہے۔

(۳ آپؒ کا فقہی کمال مسلم ہے۔ بقول امام شافعی لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے خوشہ چیں ہیں۔

(۴ بڑے بڑے محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل فقہ حنفی کے گرویدہ تھے اور آپؒ پر اعتماد کرتے تھے۔

(۵ امام ابوحنیفہؒ کے فقہی مسائل بحث و تمحیص اور باہمی مشورہ اور خوب چھان بین کے بعد کتب میں درج کیے جاتے تھے۔ انفرادی رائے کی نسبت اجتماعی رائے زیادہ صحیح اور درست ہو سکتی ہے۔

(۶ امام ابوحنیفہؒ اولاً تمام احادیث میں تطبیق دے کر سب پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں مختلف احادیث تھیں، تو امام صاحب نے تطبیق دیتے ہوئے یوں فرمایا کہ انگلیاں کانوں تک، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر، ہتھیلیاں کندھوں کے برابر اٹھائیں۔ اسی طرح ہاتھ باندھنے کے متعلق مختلف احادیث تھیں۔ امام صاحب نے تطبیق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ کر انگوٹھے اور چھنگلیا سے کلائی کو پکڑ لیں اور کلائی پر تین انگلیاں رکھ لیں اس طرح تمام احادیث پر عمل ہو گیا۔

(۷ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو "اَقْرَبُ اِلَی الصَّوَابِ" ہونے کی وجہ سے قبولیت عام حاصل ہے۔ صدیوں تک یہ فقہ ممالک اسلامیہ میں نافذ رہی۔ اسی طرح ہمارے ملک میں بھی مدارس۔ مساجد۔ مفتی سب امام اعظمؒ کے مذہب پر ہیں۔ اس لیے ہمیں فقط اور فقط فقہ حنفی پر کاربند رہنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چاروں دلائل کی ضرورت ہے۔ جب تک چاروں پر عمل نہ کیا جائے شریعت اسلامیہ کے احکامات پر پوری طرح عمل کرنا مشکل ہے۔

مثلاً ہم نے رکوع کرنا ہے (۱) رکوع کرنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ. (۲) رکوع کی تسبیحات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے یہ ہم نے حدیث سے لیا ہے۔ (۳) تسبیح آہستہ ہو یا با آواز بلند؟ اس کے بارے میں حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ یہ مسئلہ ہم نے اجماع امت سے لیا۔ (۴) رکوع میں غلطی ہوگئی تسبیح کی بجائے درود شریف پڑھ لیا اب کیا کیا جائے؟ رکوع ہوا یا نہ ہوا؟ یہ مسئلہ ہم نے مجتہد کے قیاس شرعی سے لیا۔

اس طرح شریعت کا ایک ایک حکم ماننے کیلئے چاروں دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

حکم قرآن کا سنّت نبوی کے مطابق مانیں گے ہم ہوئے اہل السنّت۔ جماعتِ صحابہ کرامؓ اور اجماع کو بھی مانا تو ہم ہوئے اہل السنّت والجماعت۔ پھر فقہ حنفی کو مانا تو ہم ہوئے حنفی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح دین پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

۵:- حُجِّيَّتِ حَدِيث

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (سورۃ المائدہ) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج کی اس محفل میں میں آپ کے سامنے حجیت حدیث کے موضوع پر گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

تعریف حدیث:

لغوی اعتبار سے حدیث کا لفظ حدوث سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے حادث یعنی نئی چیز۔ حادث قدیم کی ضد ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اس لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں فرق ظاہر کرنے کے لیے آپ کے کلام کو حدیث کہا جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے حدیث کا دوسرا معنی خبر اور بیان بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کہ آپ اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیں۔ اس لیے آپ کے بیان کو حدیث کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں حدیث سے مراد ہے هُوَ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلاً اَوْ فِعْلاً اَوْ تَقْرِيْراً یعنی آپ کے قول فعل

اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ تقریر سے مراد وہ کام ہے جو آپ کے سامنے ہوا فَسَکَتَ عَنْہُ اَوْ اَقَرَّہٗ تو آپ ؐ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اس کو منع نہ فرمایا۔

ضَرُورتِ حَدِیث:

ہماری ہدایت و نجات کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی آخری کتاب "قرآن مجید" نازل فرمائی۔ قرآن مجید کو ماننے اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہماری نجات کا راز مضمر ہے۔ ایمان و عمل سے پہلے قرآن مجید کو سمجھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ سمجھنے کے بغیر ایمان و عمل یقیناً ناممکن ہے۔

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے حدیث نبوی کی اشد ضرورت ہے' قرآن مجید اگر اسلام کا دستور ہے تو حدیث نبوی اسلام کا قانون ہے۔ قرآن مجید اگر دل کی حیثیت رکھتا ہے تو حدیث نبوی کی حیثیت شہ رگ کی سی ہے۔ قرآن مجید کی آیات کا شان نزول' ان کی تفسیر' احکام القرآن کی تشریح و توضیح' اجمال کی تفصیل' عموم کی تخصیص سب حدیث نبوی کی مرہون منت ہے۔ حدیث نبوی کی تشریحات و تفصیلات کو چھوڑ کر قرآن مجید کو سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے۔

دیکھیے! قرآن مجید میں نماز کا حکم تو بار بار آیا ہے مگر رکعتوں کی تعداد' رکوع' سجود' قومہ' جلسہ اور قعدہ کی تشریحات و تفصیلات سے قرآن مجید خاموش ہے۔ زکوٰۃ کا حکم تو قرآن مجید میں موجود ہے مگر اس کے نصاب کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ حج کی تاکید تو آپ کو قرآن مجید میں ملے گی مگر اس کے مناسک کی مکمل تفصیل کہیں نظر نہیں آئے گی۔ احکامات قرآنی کی یہ تفصیلات اور جزئیات وہ شخصیت بیان کر سکتی ہے جن پر قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔

گرامی قدر سامعین! اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریح و توضیح سے بے نیاز ہو کر محض زبان دانی کے بل بوتے پر قرآن مجید کو سمجھا جا سکتا تو اللہ تعالیٰ کو

رسول بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ حضرت جبریل علیہ السلام کے : ربیع کعبہ کی چھت پر قرآن مجید رکھوا دیا جاتا اور لوگوں کو حکم دے دیا جاتا کہ اس پر عمل کرو۔ محض ڈاکیے کی طرح ابلاغ کا کام تو حضرت جبریلؑ بھی کر سکتے تھے۔

جس طرح محض زبان دانی کے بل بوتے پر کوئی شخص از خود طب کی کتاب پڑھ کر اپنا علاج نہیں کر سکتا' اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی اہل فن سے یہ کتاب سمجھے' اسی طرح طب روحانی کی یہ کتاب طبیب روحانی کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔

گرامی قدر سامعین! قرآن مجید میں بیان کردہ بیش تر واقعات مجمل ہیں۔ جب تک حدیث سے مدد نہ لی جائے ان کو سمجھنا ناممکن ہے۔

☆ دیکھیے! قرآن مجید کی آیت ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب) کہ جب زید نے اس عورت سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اب حدیث کی مدد لیے بغیر اس واقعہ کو سمجھنے کی کوشش کیجئے! کیا کوئی بڑے سے بڑا عربی دان بھی اس واقعہ کی تفصیل سمجھ سکتا ہے؟ اس کا مفہوم متعین کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسے قرآن فہمی کے لیے لازماً حدیث کی طرف رخ کرنا ہوگا۔

☆ اسی طرح قرآن مجید کی ایک آیت ہے عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى الخ (عبس) کہ آپ ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔

گرامی قدر سامعین! ازروئے امانت و دیانت خود فیصلہ فرمائیں! کیا حدیث نبوی کے بغیر ان آیات کو سمجھا جا سکتا ہے؟ عربی لغت میں مہارت تامہ رکھنے والا بھی اس واقعہ کی تفصیلات اور اس کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے؟ ہرگز

نہیں۔ جب تک ہم حدیث نبوی کے مرہون منت نہیں ہوں گے قرآن مجید کی یہ آیات سمجھنا ہمارے لیے ناممکن ہے۔

☆ اسی طرح قرآن مجید کی آیت ہے وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ الخ (التوبہ) کہ ان تینوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی۔

اب حدیث کی مدد لیے بغیر بتائیے یہ تین شخص کون تھے؟ ان کا قصور کیا تھا؟ زمین ان پر کیوں تنگ ہوگئی تھی؟

ظاہر بات ہے ہم بغیر حدیث کے قرآن مجید کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔

ہماری بات تو الگ رہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر و حضر کے ساتھی تھے جو آپ کی نبوت اور نزول قرآن کے عینی گواہ تھے۔ جبریل امین کو جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جو عربی النسل تھے۔ عربی زبان پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔ انشاء پردازی اور شعر گوئی میں جن کی مثل لانا ناممکن ہے۔ وہ بھی بعض اوقات قرآن مجید کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور انہیں بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریح و تفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی۔

☆ قرآن مجید کی آیت ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام) کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے جب یہ آیت سنی تو خوف زدہ ہو گئے کہ ایمان لانے کے بعد ہر آدمی سے کوئی نہ کوئی غلطی اور زیادتی تو ہو ہی جاتی ہے۔ پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ

والسلام سے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہاں ظلم کا وہ معنی نہیں ہے جو تم سمجھے ہو۔ یہاں تو ظلم کو ایمان کے بالمقابل بیان کیا گیا ہے۔ یہاں سے بڑا ظلم یعنی شرک مراد ہے۔ اَلَمْ تَسْمَعُوْا مَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی کہ اے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

گرامی قدر سامعین! دیکھیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ بھی آپ کی تشریح وتفسیر کے بغیر قرآن مجید کا حقیقی مفہوم نہ سمجھ سکے۔ جب حدیث نبوی کے بغیر انہیں قرآن فہمی حاصل نہ ہوئی تو ہماری کیا حیثیت ہے؟

☆ رمضان المبارک کے روزوں کے متعلق قرآن مجید کی آیت ہے وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ الخ (البقرہ) اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ نے جب یہ آیت سنی تو رات کے وقت اپنے سرہانے کے نیچے دو دھاگے رکھ لیے ایک سفید دوسرا سیاہ۔ اور رات کو بار بار دیکھتے رہے کہ کس وقت سفید دھاگہ کالے دھاگے سے الگ نظر آتا ہے اور جب تک الگ نظر نہ آیا کھاتے پیتے رہے۔

صبح کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سارا ماجرا عرض کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ وِسَادَکَ اِذًا لَعَرِیْضٌ کہ پھر تو تیرا سرہانہ بڑا لمبا چوڑا ہے

کہ جس کے نیچے رات دن سما گئے۔ پھر فرمایا اے عدی! اِنَّمَا ذَالِکَ بَیَاضُ النَّھَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّیْلِ اس سے مراد صبح کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے۔

یہاں بھی دیکھیے! ایک صحابی رسولؐ اس وقت تک قرآن مجید کی آیت کا مفہوم نہ سمجھ سکا جب تک حدیثِ نبوی کی رُو سے تشریح و توضیح نہ کی گئی۔

▪ گرامی قدر سامعین! اب یہ بات روز روشن سے زیادہ واضح ہو گئی کہ بدون حدیث کے قرآن سمجھنا محال ہے۔ علاوہ ازیں علماء کرام نے اپنی کتب میں صحابہ کرامؓ کے سینکڑوں سوالات بیان کیے ہیں جو انہوں نے دین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے اور پھر آپؐ نے ان کے تسلی بخش جوابات ارشاد فرمائے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے فرامین مقدسہ کے بغیر دین سمجھ آ سکتا تو صحابہ کرامؓ آپؐ سے یہ سوالات کیوں کرتے؟ صحابہ کا رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث نبوی کے بغیر قرآن کا سمجھنا ناممکن ہے۔

نبیؐ کی حیثیت:

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت محض مبلغ کی نہیں ہے کہ آپؐ نے پیغام پہنچا دیا اور بس! بلکہ آپ معلم کتاب، مزکی نفوس اور مطاع بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کا حکم بھی دیا ہے۔ زیر نظر آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی بھی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ پس اگر تم منہ پھیرو گے تو جان لو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔ یعنی اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی نہیں کرو گے تو اس میں ان کا کوئی نقصان نہیں

ہے ان کے ذمہ تو صرف یہ ہے کہ خدا کا پیغام تمہیں کھول کر پہنچا دیں۔ باقی رہا تمہارا اس پر عمل کرنا نہ کرنا اس کی جوابدہی تمہیں ہی کرنی پڑے گی۔

گرامی قدر سامعین! آپ کی امت کے دو طبقے ہیں

۱) اُمّتِ دعوت۔ جنہوں نے آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور ایمان نہیں لائے۔

۲) اُمّتِ اجابت۔ جو ایمان لائے اور آپ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کر لیا۔

امت دعوت کے لیے تو آپ صرف مبلغ کی شان رکھتے ہیں اور امت اجابت کے لیے آپ مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ معلم کتاب، معلم حکمت، مزکی نفوس، معلم اخلاق فاضلہ اور اسوہ حسنہ بھی ہیں۔ آپ کا مطاع ہونا قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ جگہ جگہ فرمایا گیا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا (نور) کہ اگر تم آپ کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت یافتہ بن جاؤ گے۔ ایک مقام پر فرمایا مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (نساء) کہ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ غور فرمائیں! آیت ہذا میں بلا کسی قید و شرط کے اطاعت رسول کو اطاعت خدا کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حقیقی فرمان بردار وہی ہے جو اس کے رسول کی فرماں برداری کرتا ہے۔

عِصْمتِ نَبَوی:

گرامی قدر سامعین! جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگوں کا مقتدا اور مطاع قرار دے دیا۔ اور ہدایت و نجات کو آپ کی اطاعت میں بند کر دیا تو پھر ہر قسم کے گناہ سے آپ کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھا کر آپ کو معصوم بنا دیا۔

ظاہر ہے کوئی حکومت کسی ایسے آدمی کو اپنا سفیر مقرر نہیں کرتی جس کے متعلق اس کی پالیسی نہ سمجھنے اور احکامات سے انحراف کا ادنیٰ سا شبہ بھی موجود ہو۔

پھر انبیاء کرام کو تو علام الغیوب نے چنا ہے۔ اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے رسولوں کو چنتا ہے۔ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت پر حرف آتا ہے تو گویا خدا تعالیٰ کا انتخابی فیصلہ غلط ٹھہرتا ہے اور اس کے علم کامل پر حرف آتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! نبوت و رسالت کوئی ایسا معمولی کام نہیں کہ کسی راہ چلتے کو پکڑ کر اس منصب پر فائز کر دیا جائے۔ بلکہ انبیاء کرامؑ کی تخلیق ہی اس مقدس منصب کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی ولادت سے ہی ان کی حفاظت و صیانت کا ایسا انتظام فرماتا ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب اور گناہ سے پاک رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پورا واقعہ ذہن میں رکھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اصۡطَنَعۡتُکَ لِنَفۡسِیۡ کہ میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس منصب جلیل کے لیے انبیاء کرامؑ کی خصوصی تربیت اور نگرانی فرماتا ہے۔ وہ پیدائش سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں رسالت و نبوت کے منصب جلیل کے لیے نامزد کر دیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی ان کے والدین کو ان کی نبوت کا مژدہ سنا دیا۔

یہ بات خوب سمجھ لیں کہ انبیاء کرامؑ بعثت سے قبل اور بعد بھی ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اہل مکہ سے بطور تحدّی فرمایا تھا ھَلۡ وَجَدۡتُمُوۡنِیۡ صَادِقًا اَوۡ کَاذِبًا کہ میری چالیس سالہ زندگی کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے اگر میری زندگی کے کسی گوشہ پر انگلی اٹھا سکتے ہو تو اٹھاؤ! بتاؤ مجھے سچا پایا یا جھوٹا پایا؟

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ پھر اہل مکہ نے بیک زبان ہو کر اعتراف کیا تھا جَرَّبْنَاکَ مِرَارًا فَمَا رَأَيْنَا فِيْکَ اِلَّا صِدْقًا کہ ہم نے ایک بار نہیں سینکڑوں بار آپ کا تجربہ کیا ہے' آپ کی صداقت اور راستبازی مسلم ہے۔ آپ کی زندگی میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ قرآن مجید نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اسرا) کہ میں اس سے قبل تمہارے اندر عمر کا ایک بڑا حصہ گزار چکا ہوں کیا تم سوچتے نہیں ہو؟

گرامی قدر سامعین! آپ کی عصمت کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خصوصی اعلانات فرمائے ہیں۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم) کہ بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ اِنَّکَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِيْمٍ (حج) کہ بے شک آپ صحیح راہ پر قائم ہیں۔ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یس) کہ قسم ہے حکمت بھرے قرآن کی بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر قائم ہیں۔

ایک مقام پر تو بڑے بلیغ انداز میں فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی (النجم) کہ قسم ہے ستارے کی جب غائب ہونے لگے کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں' اور نہ وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ قرآن تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

یعنی جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقرر رفتار سے ایک متعین راستے پر چلتے ہیں کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے اسی طرح نبوت کا یہ آفتاب بھی اللہ کے مقرر کردہ راستہ پر برابر چلا جا رہا ہے۔ یعنی جس طرح ان ظاہری ستاروں کے نظام میں تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں' اسی

طرح باطنی ستاروں (انبیاء کرامؑ) اور آفتاب (محمد مصطفیٰ ﷺ) کی گفتار و کردار میں بھی کسی اختلال کی گنجائش نہیں ہے۔

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کیوں نہ معصوم ہوں جبکہ ہر لحظہ' ہر آن اللہ کا فضل آپ کے شامل حال ہے۔ کفار اور منافقین نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جادہ حق سے ہٹانے کے لیے کتنے مکر وفریب اور جتن کیے! کتنی زبردست چالیں چلیں! کتنے تیکھے اور مضبوط منصوبے بنائے! وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (ابراہیم) کہ ان کے منصوبے اتنے غضب کے تھے کہ پہاڑ بھی ٹل جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی کچھ اس طرح خصوصی حفاظت فرمائی کہ ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور آپ جادہ حق سے سرمو بھی نہ ہٹے۔

ارشاد ربانی ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ (نساء) کہ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت آپ کو بہکانے کا قصد کر ہی چکی تھی۔ اور یہ اپنے سوا کسی کو نہیں بہکا سکتے اور نہ آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ پھر اسی آیت کے آخر میں فرمایا وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا کہ آپ پر تو خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا (اسراء) کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف انتہائی معمولی سا جھک جاتے۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عصمت و بے گناہی کا تکفل کرتے ہوئے آپ کو ثابت قدم رکھا اور اتنا خفیف سا جھکاؤ بھی نہ ہونے دیا۔

گرامی قدر سامعین! مثال کے طور پر یوں سمجھیں کہ جس طرح ایک بچہ اپنے شفیق مربی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر راستہ طے کرتا ہے اور وہ مہربان مربی قدم قدم پر اس کا خیال رکھتا ہے۔ جونہی کوئی نقصان دہ چیز سامنے آتی ہے وہ اسے سنبھال لیتا ہے اور گرنے' پھسلنے اور ڈگمگانے سے بچالیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نبی اس کے دست قدرت میں رہ کر چلتا ہے۔ اور وہ اسے خصوصی فضل و رحمت سے اس طرح سنبھالے رکھتا ہے کہ گرنے' پھسلنے اور راستہ سے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

گرامی قدر سامعین! جب اللہ تعالیٰ کے نبی سیدھے راستے پر قائم ہیں تو ان کی ہر گفتار' ان کا ہر کردار ہمارے لیے حجت ہے۔

حفاظتِ حدیث:

حدیث چونکہ قرآن مجید کی تشریح و تفسیر ہے اور اس کے بغیر قرآن مجید کا سمجھنا محال ہے' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ایسے عوامل پیدا فرما دیے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ایک بول آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔ کسی موقعہ پر اگر خوشی کی وجہ سے آپ کا رخ انور جگمگا اٹھا ہے یا غصہ کے وقت چہرہ سرخ ہو گیا ہے' رگیں پھول گئی ہیں تو یہ مناظر بھی آج تک حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

گرامی قدر سامعین! کسی روایت کا بلفظہٖ محفوظ رہنا دو باتوں پر موقوف ہے۔ (۱) قوتِ حافظہ۔ (۲) محبت اور عظمت۔

عربوں کا حافظہ چاردانگ عالم میں مشہور ہے' اور مسلمات تاریخ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا جس کی مثال لانا ناممکن ہے۔ ان کے حافظہ کی حکایات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ شعر و شاعری

کے علاوہ انہیں انسانوں بلکہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد تھے لکھنے کی بجائے زبانی یاد رکھنا ان کی فطری عادت تھی۔ علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ کا آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے عظمت و محبت کا جو تعلق تھا اس کی مثال لانا بھی ناممکن ہے۔ اور جب دل میں کسی کی محبت یا عظمت جاگزیں ہوتی ہے تو اس کی بات دل میں نقش کالحجر ہو جاتی ہے اور آدمی اس کی بات کبھی نہیں بھول سکتا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کو آپ سے عظمت و محبت کا جو تعلق تھا اس کی یہ حالت تھی کہ عُروہ بن مسعود ثقفی حالتِ کفر میں کفار کا نمائندہ بن کر جب حُدیبیہ کے مقام پر آپؐ سے گفتگو کرنے آیا تو نکھیوں سے صحابہ کرامؓ کے حالات کا بھی مشاہدہ کرتا رہا۔ پھر اپنی قوم میں واپس جا کر صحابہ کرامؓ کی محبت و وارفتگی کو یوں بیان کرتا ہے۔ اَیْ قَوْمِ وَاللہِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَی الْمُلُوْکِ وَ وَفَدْتُ عَلٰی قَیْصَرَ وَ کِسْرٰی وَالنَّجَاشِیْ اے میری قوم! اللہ کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں نمائندہ بن کر حاضر ہوا ہوں۔ میں نے قیصر، کسری اور نجاشی کے دربار میں بھی حاضری دی ہے وَاللہِ اِنْ رَاَیْتُ مَلِکًا قَطُّ یُعَظِّمُہٗ اَصْحَابُہٗ مَایُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کا اتنا احترام کبھی نہیں دیکھا جتنا احترام اصحاب محمدؐ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں۔ وَاللہِ اِنْ یَّتَنَخَّمُ نُخَامَۃً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ اگر آپ تھوکتے بھی ہیں تو اس کو بھی وہ لوگ اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں۔ وَاِذَا تَوَضَّاَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وُضُوْئِہٖ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا باہم لڑ پڑیں گے وَلَا یَسْقُطُ مِنْ شَعْرِہٖ شَیْئٌ اِلَّا اَخَذُوْہُ اگر آپ کے وجود مقدس سے کوئی بال گرتا ہے تو اسے بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔

آپ کی مجلس میں وہ لوگ اس طرح باادب ہو کر بیٹھتے ہیں کَاَنَّمَا عَلٰی

رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ وَاِذَا تَکَلَّمُوْا خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ وَ مَا یُحِدُّوْنَ النَّظَرَ اِلَیْهِ تَعْظِیْمًا لَهٗ اور جب وہ لوگ بات کرتے ہیں تو آپؐ کے سامنے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور آپؐ کی تعظیم کے پیش نظر کوئی آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ پاتا۔ (بخاری)

توجہ فرمائیں! جو لوگ وضو کے پانی اور گرتے ہوئے بالوں کو بھی عقیدت و محبت سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں وہ بھلا آپؐ کے فرامین مقدس کی حفاظت کیوں نہ کریں گے؟

فطری قوتِ حافظہ اور محبت وعظمت کے تعلق کے علاوہ ان کے سامنے حفظ حدیث سے متعلق آپ کے ترغیبی ارشادات بھی موجود تھے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا (ترمذی) کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور اسے خوب یاد کیا اور دوسروں تک اسی طرح پہنچایا جیسے سنا تھا۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے چالیس حدیثیں یاد کرنے والے کو جنت کی خوش خبری عطاء فرمائی۔

ایک موقعہ پر تو آپؐ نے کھلا ارشاد فرمایا اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ خبردار حاضرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ غائبین تک میری باتیں پہنچائیں۔

ان ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ نے آپ کے اقوال و افعال کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کو حفظ حدیث کا اتنا شوق تھا کہ اپنی قوتِ حافظہ کے لیے آپؐ سے دعائیں کراتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اسی طرح ایک موقعہ پر آپؐ سے دعاء کی درخواست کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ابوہریرہ چادر بچھاؤ۔ فرماتے ہیں میں نے چادر بچھائی تو آپؐ نے میری

چادر پر کچھ پڑھا اور دونوں ہاتھوں سے کچھ ڈالنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ چادر سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لو۔ میں نے چادر کو سینے سے لگا لیا۔ وَاللہِ مَانَسِیْتُ شَیْئًا بَعْدُہٗ اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے آپؐ سے جو کچھ سنا وہ دل پر نقش ہو گیا اور میں کبھی حدیث کا ایک لفظ بھی نہیں بھولا (بخاری)۔

گرامی قدر سامعین! حفظِ حدیث کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے کتابت حدیث کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ اگرچہ آپؐ نے ابتداءً ایک حکمت کے تحت کتابتِ حدیث کی ممانعت فرما دی تھی لیکن بعد میں آپؐ نے اجازت بھی مرحمت فرما دی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں جتنی باتیں آپؐ سے سنتا تھا انہیں یاد رکھنے کے لیے قلم بند کر لیتا تھا۔ لوگوں نے مجھے منع کیا کہ آپؐ بشر ہیں، غصہ کی حالت میں بھی کچھ فرما جاتے ہوں گے۔ لہٰذا ہر بات نہ لکھا کرو۔ میں نے اس کا ذکر آپؐ سے کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تم بے شک میری ہر بات لکھ لیا کرو۔ پھر اپنے دہان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَاخَرَجَ مِنْ ھٰذَا اِلَّاالْحَقُّ (ابوداود) کہ اللہ کی قسم اس منہ سے کبھی غلط بات نہیں نکلتی۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام "صادقہ" رکھا ہوا تھا (داری)۔

ایک دفعہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں گزارش کی یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنَّا نَسْمَعُ مِنْکَ اَشْیَاءً فَنَکْتُبُھَا اے اللہ کے رسول ہم آپ سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں تو لکھ لیتے ہیں آپؐ نے ارشاد فرمایا اُکْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ (طبرانی) بے شک لکھتے رہو کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا تو ایک شخص حضرت ابوشاہ یمنیؓ نے درخواست کی یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیا جائے تو آپؐ

نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ فُلَانٍ (بخاری) کہ یہ خطبہ لکھ کر اس کے حوالے کردو۔

☆ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ؐ نے سلاطین دنیا کے نام جو دعوتی خطوط ارسال فرمائے تو یہ سب لکھوا کر ہی بھیجے تھے۔ خطوط لکھوا کر اور ان پر اپنی مہر لگا کر آپ ؐ نے تو وہ بھجوا دیے۔ مگر صحابہ کرامؓ نے ان خطوط کی عبارات کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ اور پھر آگے روایت کر دیا۔ خطوط کی وہ عبارات کتب حدیث میں موجود ہیں۔

آج کے اس دور میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لکھوائے ہوئے پانچ دعوت نامے اپنی اصل شکل میں دستیاب ہو چکے ہیں اور ان کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ میں نے ذاتی طور پر ان خطوط کی عبارات کو حدیث کی کتب میں درج شدہ عبارات سے ملایا تو ایک لفظ کا بھی فرق نہیں پایا۔ میرے خیال میں صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ روایات کی حقانیت کی یہ زبردست دلیل ہے۔

اس طرح عہد صحابہؓ میں احادیث کا ایک تحریری سرمایہ جمع ہو گیا۔ اسی طرح عہد تابعین میں مزید تحریری کام ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابن شہاب زہریؒ کو احادیث مبارکہ جمع کرنے کا حکم دیا تو وہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر جاتے جوان' بوڑھا' مرد و عورت جو مل جاتا اس سے آنحضرت ﷺ کے اقوال و حالات پوچھتے اور قلم بند کر لیتے تھے۔ اس طرح انہوں نے احادیث کے کئی دفتر تیار کر لیے (تذکرۃ الحفاظ)

پھر تبع تابعین کے دور میں حضرت معمرؒ۔ حضرت عبدالرزاقؒ۔ حضرت ہشام بن یوسفؒ۔ حضرت ابونعیمؒ۔ حضرت شعیبؒ۔ حضرت ابوعوانہؒ۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہم نے اپنے اساتذہ سے سن کر احادیث کے ذاتی مجموعے

تیار کیے۔ (تذکرہ)

پھر حضرت امام ابو یوسفؒ۔ حضرت امام محمدؒ۔ حضرت سفیانؒ۔ حضرت امام مالکؒ نے حدیث شریف کی کتب باقاعدہ تصنیف فرمائیں۔ اس کے بعد صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری مستند اول کتابوں کے مصنفین کا دور آتا ہے۔ اس دور کا تحریری سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں نقلِ متواتر سے منقول ہو کر اہلِ اسلام کے پاس موجود ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

حُجِّيَّتِ حَدِيث:

قرآن مجید میں اگر غور کیا جائے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین مقدسہ اور افعال مبارکہ کی حجیت روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔

تَعلِيمِ كِتاب و حِكمَت:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ) وہی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں پاک صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس جیسی بہت سی آیات میں آپ کی چار شانیں اور ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) تلاوت آیات۔ (۲) تزکیہ نفوس۔ (۳) تعلیم کتاب۔ (۴) تعلیم حکمت۔

تعلیم کتاب کے الفاظ پر غور فرمائیں! تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب کا کیا معنیٰ؟ مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے معانی و مفاہیم کو سمجھانا۔ تعلیم کے لیے

فقط کتاب کافی نہیں بلکہ عملی نمونہ بھی ضروری ہے۔ جو آپؐ کی شکل میں موجود ہے۔
علاوہ ازیں تعلیم حکمت کے لفظ پر غور فرمائیں۔ کتاب اللہ کی تعلیم کے بعد حکمت کی
تعلیم کا کیا معنی؟ یہ ظاہر ہے کہ حکمت کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو لازماً
اس سے مراد یا حدیث نبوی ہے یا سنت نبویؐ۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اَلْحِكْمَةُ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (کتاب الرسالہ)
کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت کا نام ہے۔ تو قرآن مجید کی اس آیت کی رو
سے آپؐ کی حدیث اور سنت کی حجیت ثابت ہوگئی۔

اُسْوَۂ حَسَنَہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (احزاب) بے شک تمہارے لیے رسول
اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لیے جو خدا تعالیٰ اور روز
آخرت سے ڈرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

آیت ہذا سے بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ جس کے دل
میں خوف خدا، خوف آخرت اور یاد خدا رچی بسی ہوئی ہے اس کے لیے پیغمبر علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ اسے چاہیے کہ ہر معاملہ، ہر حرکت و
سکون اور نشست و برخاست میں آپ کے نقش قدم پر چلے۔

اللہ تعالیٰ کا ہمیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا
حکم دینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپؐ کے اقوال و افعال ہمارے لیے حجت
ہیں اور آپؐ کے نقش قدم پر چلنے میں ہی ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں ہمیں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت بھی فرض ہے۔ بلکہ ایک مقام پر تو فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ (نساء) کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حقیقی مطیع وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اطاعت رسول کی شکل یہی ہے کہ آپ کی حدیث کی پیروی کی جائے۔ جب حدیث نبوی کی پیروی کا حکم اللہ تعالیٰ دے رہا ہے تو اس کی حجیت میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟

حاکمیتِ رسولؐ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء) پس قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم اور منصف نہ بنائیں۔ اور جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اس کو دل و جان سے تسلیم کر لیں۔

اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ تمام اختلافات مذہبی ہوں یا سیاسی' دینی ہوں یا دنیاوی' مالی ہوں یا جانی' ان سب میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیصلہ لینا اور اسے بے چون و چرا دل و جان سے قبول کرنا ایمان کی اولین شرط ہے۔

ایک مقام پر فرمایا فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء) کہ اگر کسی معاملہ میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو۔

علماء کرامؒ نے بیان فرمایا ہے کہ "رُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ" سے مراد قرآن مجید کی طرف مراجعت کرنا اور "رُدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ" سے مراد آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور مقدس احادیث کی طرف مراجعت کرنا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب) کہ کسی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کے لیے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی بات کا حکم دیں کہ ان کو اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے۔

بات بالکل واضح ہے کہ ایک مؤمن کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ماننا ضروری ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ماننا بھی ضروری ہے۔ جب آپ کا حکم اور فیصلہ ماننے کا وجوب قرآن مجید سے ثابت ہو رہا ہے تو پھر اس کی حجیت میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟

مُخَالفتِ رَسُولؐ:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول کی ترغیب دی ہے اسی طرح مخالفت رسول پر تہدید بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب) کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ یقیناً صریح گمراہی کا شکار ہو گیا۔

ایک مقام پر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ

الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا (نساء) اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کرنے والا کھلی گمراہی کا شکار ہو کر بالآخر جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کی حجیت کا اس سے بڑا کونسا ثبوت ہوسکتا ہے؟

وَحیِ خَفِی:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دو قسم کی وحی آتی تھی ایک کا نام وحی جلی ہے دوسری کا نام وحی خفی ہے۔

وحی جلی تو قرآن مجید کی شکل میں ہمارے سامنے ہے اس کو وحی متلو بھی کہا جاتا ہے۔ وحی خفی وہ ہے کہ اسی قران کریم کی تشریح و توضیح کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی راہنمائی فرمائی۔ اس کو وحی غیر متلو بھی کہا جاتا ہے۔ نیز حکمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ (ابوداؤد) آگاہ رہو مجھے قرآن مجید بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ کچھ اور بھی دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ وحی خفی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰهُ (سورۃ النساء) کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں جو کچھ سمجھا

دے آپ کو اللہ تعالیٰ۔

گرامی قدر سامعین! کتاب اللہ کے علاوہ یہ "بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ" (اللہ تعالیٰ کی راہنمائی) کیا چیز ہے؟

کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی اور یہ راہنمائی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی یعنی دو چیزیں آئیں۔ اسی دوسری چیز کو نور بصیرت' وحی خفی' حدیث وسنت' حکمت وغیرہ جس نام سے یاد کر لیں آپ کی مرضی ہے۔ اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دوسری چیز بھی آئی ہے۔ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ حدیث آپ سن چکے ہیں۔

آیئے قرآن مجید ہی سے وحی خفی' وحی غیر متلو کا ثبوت آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از ہجرت سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور تحویل قبلہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (بقرہ) کہ جس قبلے پر تم پہلے تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون ہمارے پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ان آیات کے نزول سے قبل بیت المقدس کو قبلہ بنانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ حالانکہ سارے قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ احکامات نازل ہوتے تھے۔ اسی کو وحی خفی یا وحی غیر متلو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صحابہ کرامؓ کی معیت میں غزوہ بنی نضیر کے لیے تشریف لے گئے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ وہ قلعہ سے باہر نکلیں اور کھلی جنگ میں حصہ لیں۔ صحابہ کرامؓ نے ان کے درخت اور باغات کاٹنا شروع کر دیے تا کہ وہ اپنا مالی نقصان ہوتا دیکھ کر باہر نکلیں۔

دشمن نے یہ اعتراض کیا کہ مسلمان خود تو فساد سے روکتے ہیں کیا یہ درخت کاٹنا فساد نہیں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر صحابہ کرامؓ کے عمل کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب کچھ ہمارے حکم سے ہوا ہے۔ جو درخت کاٹے گئے وہ بھی ہمارے حکم سے کاٹے گئے اور جو باقی چھوڑے گئے وہ بھی ہمارے حکم سے چھوڑے گئے ہیں۔ مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (حشر) مومنو! کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ حالانکہ سارے قران مجید میں اس قسم کا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات نازل ہوتے تھے اسی کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر اپنی ایک بی بی سے کوئی راز کی بات کہہ دی اور اسے تاکید کر دی کہ یہ راز کی بات کسی اور کو نہ بتانا وہ بی بی ضعف بشری کی وجہ سے آپ کی دوسری اہلیہ کو وہ بات بتا بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سارا قصہ آپ کو بتا دیا کہ وہ تو بات آگے بتا چکی ہیں۔ آپؐ نے اس بی بی سے شکوہ کیا کہ یہ تم نے کیا کر دیا؟ لیکن اپنے اخلاق عالیہ کی بنیاد پر آپؐ نے شکوہ کرتے ہوئے کچھ بات بیان فرما دی اور کچھ بیان نہ کی تا کہ وہ زیادہ شرمسار نہ ہوں۔

بی بی صاحبہ نے سوال کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھے علیم وخبیر (اللہ تعالیٰ) نے خبر دی ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (تحریم) اور جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ایک بی بی سے کوئی راز کی بات کہہ دی پھر جب اس نے اس کو افشاء کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس حال سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات کچھ جتائی اور کچھ نہ جتائی۔ تو جب آپ نے اس کو بات جتائی تو وہ پوچھنے لگی آپ کو یہ کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس نے بتایا جو علیم وخبیر ہے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! اَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ اور نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بی بی کے راز افشاء کرنے کے بارے میں بتلا دیا تھا۔ حالانکہ سارے قرآن مجید میں اس قسم کی کوئی ایک آیت موجود نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا تھا۔ اسی کو وحی خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆ سفر حدیبیہ سے واپسی کے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو بعض لوگوں نے مال غنیمت کی توقع اور طمع کی بنیاد پر آپ کے ساتھ جانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا کَذٰلِکُمْ قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ (فتح) وہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حکم کو بدل ڈالیں۔ آپ فرما دیجئے تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی یہ فرما دیا ہے۔

گرامی قدر سامعین! "قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ" کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا تھا کہ غزوہ خیبر میں اہل حدیبیہ کے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔ حالانکہ یہ حکم خداوندی سارے قرآن مجید میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپؐ پر وحی آتی تھی اور اُسی کا نام وحی خفی ہے۔ فافہم وتدبر

ایک زبردست دلیل:

گرامی قدر سامعین! جو لوگ حدیث کی حجیت کا انکار کرتے ہیں وہ کم از کم قرآن مجید کو تو اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ ان سے سوال کیجئے کہ یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ ہمیں کس نے بتایا؟ ظاہر بات ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی بتایا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے۔ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک پر اعتماد نہ ہو تو قران کی قرآنیت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ قران کا کتاب اللہ ہونا' کلام اللہ ہونا' آپ ہی کے فرمان (حدیث سے) ثابت ہے۔ اگر حدیث شریف کو حجت اور دلیل نہ مانا جائے اور آپؐ کی زبان مبارک پر اعتماد نہ کیا جائے تو پھر پورا دین ہی ختم ہو جاتا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

مُنکرینِ حَدیث کا اِعتراض:

منکرین حدیث بعض دفعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بعض احادیث موضوع اور من گھڑت بھی ہیں۔ صحیح اور غیر صحیح حدیثوں کا اب اس قدر اختلاط ہو چکا ہے کہ ان کو جدا کرنا دشوار ہے۔ لہٰذا تمام احادیث ناقابل استناد ہیں۔ جواباً

عرض ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ نے بالہام خداوندی اور بتائیدایزدی صحیح وغیر صحیح کی شناخت کے لیے قواعد بنائے ہیں اور اس فن کو منتہائے کمال تک پہنچایا ہے۔علم اسماء الرجال اور علم جرح و تعدیل مدون کیا۔ جس کی وجہ سے آج ہم مصنفین کتب سے لے کر حضورﷺ تک ایک ایک حدیث کی سند اور اس کے تمام راویوں کے حالات جان سکتے ہیں۔ ایک ایک راوی کے بارے میں یہ بات محفوظ ہے کہ اس کے اساتذہ کون تھے اور اس کے شاگرد کون کون سے ہیں؟ اور پھر ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے حالات' ان کی عدالت و دیانت' تقویٰ وطہارت' قوت حافظہ اور ضبط وغیرہ سب چیزیں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔

''علم اسماء الرجال'' یہی وہ عظیم الشان فن ہے جس کے بارے میں مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر لکھتا ہے ''کوئی قوم دنیا میں نہ ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو' جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے'' (مقدمہ اصابہ)

مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس ایسی کسوٹی موجود ہے' جس کی بنیاد پر ہم کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکتے ہیں۔

اِمَام بُخَارِیؒ کا وَاقعہ:

محدثین کرامؒ نے نقل حدیث میں اس حد تک احتیاط کی ہے کہ کتب تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک دفعہ امام بخاری رحمہ اللہ دور دراز کا سفر کر کے ایک محدث سے ایک حدیث نقل کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کے ہاں پہنچے تو وہ اپنے سرکش گھوڑے کو پکڑنے کے لیے اپنی جھولی پھیلائے کھڑے تھے۔ جونہی انہوں نے گھوڑے کو پکڑ لیا تو جھولی جھاڑ دی جو کہ خالی تھی۔ امام بخاریؒ اس بات کو دیکھ کر واپس پلٹ پڑے۔ اس شخص نے دوڑ کر

پوچھا کہ حضرت آپ اتنی دور سے آئے اور پھر واپس بھی جا رہے ہیں؟ آپؒ نے جواباً فرمایا کہ میں آپ سے ایک حدیث سننے کے لیے آیا تھا مگر یہ منظر دیکھ کر دل نہیں مانتا کہ آپ سے حدیث نقل کروں' کیونکہ جو شخص ایک جانور کو فریب دے سکتا ہے ممکن ہے حدیث میں بھی جھوٹ بول دے۔ بس مجھے آپ پر اعتماد نہیں رہا۔ پھر آپؒ اس سے حدیث لیے بغیر واپس تشریف لے آئے۔

امام ترمذیؒ کا واقعہ:

امام ترمذی رحمہ اللہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ شاگردوں کے ہمراہ سفر پر جا رہے تھے اونٹ پر سوار تھے کہ آپؒ نے ایک جگہ اپنا سر غیر معمولی حد تک نیچے جھکا لیا۔ شاگردوں نے حیران ہو کر سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ درخت کی خطرناک شاخ سے میں نے سر بچایا ہے۔ شاگرد بولے کہ حضرت! یہاں تو کوئی درخت وغیرہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ دور دور تک درخت کا نام ونشان نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا میں نے جوانی میں ایک دفعہ اس راستے کا سفر کیا تھا یہاں ایک بڑا درخت تھا جس کی ایک شاخ خطرناک حد تک نیچے جھکی ہوئی تھی' میں نے اس کے خطرے سے سر نیچے کیا ہے۔ شاگردوں نے جب بار بار انکار کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ تمہارا خیال ہے کہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔ جاؤ آس پاس کے دیہاتوں سے بڑے بوڑھوں سے پتہ کرو اگر واقعی یہاں درخت نہ تھا تو پھر میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے اور میں حدیث شریف روایت کرنے کے قابل نہیں رہا۔

شاگردوں نے جا کر دیہات کے بڑے بوڑھوں سے پتہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ واقعی کئی سال پہلے یہاں اس قسم کا ایک درخت موجود تھا اور اسے آج سے بارہ سال پہلے کاٹ دیا گیا تھا یہ واقعہ سن کر امام صاحب کے شاگرد ورطہ حیرت میں ڈوب گئے اور امام صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ ابھی

میرا حافظہ کمزور نہیں ہوا اور میرے اندر روایت حدیث کی صلاحیت موجود ہے۔

گرامی قدر سامعین! ان دو واقعات سے اندازہ لگالیں کہ محدثین عظام نے روایت حدیث کے سلسلہ میں کس حد تک احتیاط سے کام لیا ہے۔

ایک اور اعتراض:

منکرین حدیث بعض دفعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث کی اتنی بڑی تعداد کہاں سے آ گئی؟ کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس سات لاکھ احادیث محفوظ تھیں۔ اما ابوزرعہؒ کے پاس بھی ساتھ لاکھ احادیث تھیں۔ امام بخاریؒ کو دو لاکھ غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں۔ امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث سے مسلم شریف مرتب کی۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۳ سال میں اتنی احادیث بیان فرمائی ہوں؟ آخر آپ سوتے بھی تھے' عبادت اور ذکر الٰہی بھی کرتے تھے' کسی وقت خاموش بھی رہتے تھے۔

جواباً عرض ہے کہ اس اعتراض کا منشاء ماسوائے جہالت کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ابتداء میں حدیث کا لفظ صرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال پر بولا جاتا تھا۔ پھر اس میں وسعت ہوئی اور آپ کے افعال و تقریرات کو بھی حدیث کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ رفتہ رفتہ اس اطلاق میں اور وسعت پیدا ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے افعال و اقوال و تقاریر بلکہ تابعین و تبع تابعین کے اقوال و افعال پر بھی حدیث کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ جس کی وجہ سے قدرتاً حدیث کا دائرہ ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک جا پہنچا۔

دوسری بات یہ ہے کہ محدثین کرام کی اصطلاح میں اگر ایک حدیث دس سندوں سے اور دس طریقوں سے حاصل ہو تو اسے بجائے ایک حدیث شمار کرنے کے دس احادیث شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کو حضرات

محدثین سات سو طریقوں سے روایت کرتے ہیں۔ واقعہ کے لحاظ سے گویہ ایک حدیث ہے مگر اصطلاح محدثین کے تحت اس کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے۔ بنا بریں ہمیں حدیثوں کی تعداد سے شبہ ہو جاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ محدثین عظام اپنی اصطلاح میں غیر صحیح اور موضوع روایات پر بھی حدیث کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی چھان بین کر کے صحیح احادیث کو سامنے لاتے ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے اور واقعی یہ ایک معقول تعداد ہے۔

ایک اور اعتراض:

بعض منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث شریفہ قرآن کریم کے خلاف اور معارض ہیں' اور وہ اس سلسلہ میں اتنی دیدہ دلیری پر اتر آئے ہیں کہ احادیث صحیحہ کو برملا جھوٹا کہہ کر ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

جواباً عرض ہے کہ یہ اعتراض معترض کی کج فہمی اور کم عقلی پر مبنی ہے۔ حدیث شریف تو قرآن مجید کی تشریح وتوضیح کرتی ہے نہ کہ معارضہ اور مقابلہ۔

بنا بریں کوئی بھی صحیح حدیث نص قرآنی کے مخالف اور معارض نہیں ہے۔ جہاں جہاں کسی کم علم اور کج فہم کے لیے اشتباہ ممکن تھا شارحین حدیث رحمہم اللہ نے آج سے صدیوں پہلے ان کے وافی اور شافی جوابات دے کر حقیقت واضح فرما دی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اس کی اپنی عقل وفہم کا قصور وفتور ہے۔ اور خبث باطن کا ظہور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چیست گناہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

٦:- اَخلاقی تلوار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (آل عمران) وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

گرامی قدر سامعین! دین اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام آئے دن مختلف قسم کے پروپگنڈے کر کے لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر اسلام کے نظریہ جہاد کو مسخ کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے۔ جو لوگوں کو ذرا دھمکا کر تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اسلام امن وسلامتی اور صلح و آشتی کا دین ہے جس کے پھیلنے کا حقیقی راز آہنی تلوار کی بجائے اخلاقی تلوار میں مضمر ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے رحمت و شفقت اور اخلاق حسنہ سے اس طرح نوازا تھا کہ لوگ دھڑا دھڑ آپ کے پیش کردہ نظریے کے قائل ہوتے گئے اور آپ کی اخلاقی تلوار سے گھائل ہوتے گئے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اخلاقی تلوار ایک ایسی تلوار ہے جو لوگوں کو مارتی نہیں بلکہ زندگی بخشتی ہے۔ جس سے لوگ ترسیدہ نہیں ہوتے بلکہ گرویدہ ہوتے

ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران) کہ اے پیغمبر! آپ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بالکل واضح فرما دیا کہ لوگوں کے گرویدہ ہونے کا سبب نرم مزاجی اور حسن خلق ہی ہے۔ درشتی اور سخت مزاجی سے تو لوگ نفرت کر کے دور بھاگتے ہیں۔

اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا بھائی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ پھر واپس جا کر اپنے بھائی سے یوں گویا ہوا رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ (مسلم) کہ میں نے اس نبی کو دیکھا ہے کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔

اسی طرح نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جو تقریر فرمائی اس میں بھی انہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ ہم لوگ اخلاقی پستی کا شکار تھے اور اس نبی نے آ کر ہمیں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے بحالت کفر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دی۔ حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاق عالیہ کی گواہی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم) کہ بے شک آپ اخلاق کے بڑے درجے پر ہیں۔

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک کام تزکیہ نفس بھی تھا یعنی آپ نہ صرف خود اخلاق عالیہ سے متصف تھے بلکہ آپ نے دوسرے لوگوں کے نفوس کو بھی جلا بخشی اور انہیں ہر قسم کی اخلاقی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک

کر دیا۔

چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا خِیَارُکُمْ اَحْسَنُکُمْ خُلُقًا کہ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

ایک موقعہ پر فرمایا اِنَّ اَکْمَلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ اَخْلَاقًا کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

ایک موقعہ پر فرمایا اَحَبُّ عِبَادَاللہِ اِلَی اللہِ اَحْسَنُھُمْ اَخْلَاقًا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

ایک موقعہ پر تو آپ نے یہاں تک ارشاد فرمایا اِنَّ الرَّجُلَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجَۃَ قَائِمِ اللَّیْلِ وَ صَائِمِ النَّھَارِ کہ ایک انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا مَامِنْ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ کہ قیامت کے دن ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں ہوگی۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات درست ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض مواقع پر کفار سے جہاد و قتال بھی کیا۔ اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ جیسے کسی کے جسم پر خطرناک قسم کا پھوڑا نکل آئے تو اس کا فاسد مادہ نکالنے کے لیے نشتر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یا اگر خطرہ مزید بڑھ جائے تو اس عضو کو ہی سرے سے کاٹ دیا جاتا ہے تا کہ باقی اعضاء اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔

گرامی قدر سامعین! جن لوگوں نے یہ پروپگنڈہ کر رکھا ہے کہ اسلام

تلوار کے زور سے پھیلا ہے ان سے ہمارا ایک ہی سوال ہے کہ ان تلوار چلانے والوں پر کس نے تلوار چلائی؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک فطرتی دین ہے جو اپنے دلائل و براہین کی وجہ سے پھیلا ہے۔

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شریعت اسلامیہ میں مسلمان وہی شخص کہلاتا ہے جو برضا و رغبت حقانیت اسلام کی تصدیق کرے۔ اور جو شخص کسی لالچ یا خوف کی بنیاد پر اسلام قبول کرے وہ منافق تو کہلا سکتا ہے مسلمان نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہی ایمان و اسلام معتبر ہے جو دل کی گہرائی سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے قبول کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَلَوْشَاءَ رَبُّکَ لَآمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس) کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام روئے زمین والے لوگ ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں کہ وہ سب مومن ہو جائیں؟

علاوہ ازیں اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت نبوت کا اعلان فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اس وقت آپ کے پاس نہ تو کوئی طاقت تھی نہ حکومت نہ سلطنت تھی۔ اور نہ ہی ہاتھ میں کوئی تلوار تھی جس سے لوگوں کو ڈراتے پھرتے ہوں۔ غیر تو غیر رہے آپ کا اپنا کنبہ اور قبیلہ بھی آپ کا مخالف تھا۔ بھلا ایسے حالات میں جبر و اکراہ کس طرح ممکن ہے؟

پھر دیکھیے! اس زمانے میں کتنے قبائل حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعوت پر ان کا نصف قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ہجرت سے قبل تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے کفار کی ایذاؤں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ نجاشی شاہ حبشہ حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر سن کر مشرف با سلام ہو گیا۔ پھر ہجرت سے قبل

مقام منیٰ میں مدینہ منورہ کے ستر (۷۰) آدمیوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے وعظ سے مدینہ منورہ کی ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔ ذرا سوچیے! کیا یہ سارے لوگ تلوار کے زور سے اسلام لائے؟

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین جنہوں نے چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجایا۔ یہ جانثاران اسلام بھی جہاد وقتال کا حکم نازل ہونے سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کیا یہ بھی تلوار کے زور سے اسلام لائے؟

ذرا سوچیے! نجران اور شام کے نصاریٰ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ بطور وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کریں۔ جبر تو درکنار آپؐ نے تو ان کو بلانے کے لیے کوئی قاصد بھی نہ بھیجا تھا۔

گرامی قدر سامعین! اگر اسلام جبر و اکراہ سے پھیلتا تو وہ لوگ کبھی اسلام پر عاشق اور فریفتہ نہ ہوتے۔ کیونکہ جبر و اکراہ کا اثر ظاہر بدن پر ہوتا ہے دل پر نہیں ہوتا۔

صحابہ کرامؓ نے کفار مکہ کے ہاتھوں مسلسل تیرہ سال تک طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کیے۔ ماں باپ خویش و اقارب سب کو اسلام کی خاطر چھوڑ دیا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے اسلام کو برضاء و رغبت قبول کیا تھا۔ اسلام کی حلاوت و شیرینی ان کے دل و دماغ میں اس حد تک رچ بس گئی تھی کہ دنیا کے تلخ سے تلخ مصائب ان کے لیے شیریں ولذیذ بن گئے تھے۔

ذرا سوچیے! آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بقول معترضین جبر و اکراہ سے اسلام کو قبول کیا تھا وہ ساری عمر کیوں اس مذہب کے پابند رہے؟ موقعہ پا کر اپنے سابقہ مذہب کی طرف کیوں نہ لوٹ گئے؟

گرامی قدر سامعین! میں آپ کی خدمت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے چند درخشاں واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ اسلام آہنی تلوار کی بجائے اخلاق تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

۱) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کے جلو میں مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی آکر آپ کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے پیشاب کی حاجت ہوئی تو مسجد کے اندر ہی پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ صحابہ کرامؓ نے شور مچایا اوراسے مارنے سے بچے دوڑے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ کو فوراً منع فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو اسے اب پیشاب کرنے دو۔ لَاتُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ پھر فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَ لَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تکلیف دینے والے۔

جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہاں پانی انڈیل دو۔ پھر آپؐ نے اسے اپنے پاس بلایا وہ ڈرتا اور کانپتا ہوا آیا کہ پتہ نہیں میرے ساتھ اب کیا بنے گا۔ آپؐ نے اسے بڑے پیار سے سمجھایا اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا اِنَّمَا بُنِيَتْ لِذِكْرِ اللهِ کہ یہ مسجدیں مقدس مقام ہوتی ہیں ان میں ایسے کام نہیں کیے جاتے۔ یہاں تو اللہ کو یاد کیا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔

پھر آپؐ نے اس کی آمد کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس بہت سال مال ہے اور آپ بڑے کھلے دل سے عطاء کرتے ہیں۔ میں تو کچھ لینے کی غرض سے آیا تھا۔ آپؐ نے اسے کپڑوں کا جوڑا بھی دیا اور سواری کے لیے گھوڑا بھی دیا اور ساتھ بکریوں کا ایک ریوڑ بھی دیا۔ اسے کھانا کھلایا اور باعزت رخصت کیا۔ آپ کے اخلاق عالیہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے اور فوراً مشرف باسلام ہو گیا۔
پھر اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ لوگوں کو اپنی بے وقوفی اور جاہلانہ ادا بھی بتاتا تھا اور آپ کا خلق عظیم اور جود وسخا بھی بتاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اللہ کی قسم اتنی بڑی گستاخی پر وَاللهِ مَاَ جَزَرَنِیْ وَلَا فَضَحَنِیْ وَلَا لَطَمَنِیْ کہ آپ ؐ نے نہ تو مجھے جھڑکا نہ بے عزتی کی اور نہ ہی مارا۔ بلکہ پیار سے مجھے سمجھایا وَاللهِ مَا رَأَیْتُ اَحْسَنَ مُعَلِّمًا مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اللہ کی قسم میں نے آپ ؐ سے زیادہ کوئی شفیق اور مہربان استاد نہیں دیکھا۔ آمِنُوْا بِالنَّبِیِّ الَّذِیْ لَایُرْجِعُ السَّیِّئَةَ بِالسَّیِّئَةِ لوگو! اس نبی پر ایمان لاؤ جو برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتا ہے۔ اس کی دعوت وتبلیغ کا اتنا اثر ہوا کہ اگلی دفعہ جب یہ دیہاتی مدینہ منورہ آیا تو تین سو آدمیوں کو ساتھ لایا جنہوں نے آپ ؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلام قبول کر لیا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں اسلام تلوار سے پھیلا ہے یا اخلاق سے؟

(۲) ربیع الثانی ۹ ھ میں قبیلہ بنی طے کے کچھ آدمی اور مویشی گرفتار ہو کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی؛ جب کہ اس کا بھائی عدی بن حاتم ملک شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان قیدیوں کا معائنہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لڑکی برہنہ سر کھڑی ہے۔ آپ ؐ نے فوراً اپنی چادر مبارک اتاری اور ایک صحابیؓ کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جا کر اس کے سر پر دے دو۔ صحابہ کرامؓ بڑے حیران ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی مبارک چادر ہے اور وہ عورت تو کافرہ اور مشرکہ ہے۔ آپ ؐ نے جواباً ارشاد فرمایا بیٹی آخر بیٹی ہے چاہے کافر کی ہی

کیوں نہ ہو۔

بعدازاں وہ لڑکی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کرنے لگی کہ میں مشہور سخی سردار حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ بہت رحم دل اور سخی تھا وہ تو فوت ہو گیا ہے اور جو میرا خبر گیر تھا وہ فرار ہو گیا ہے۔ آپ میرے اوپر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ آپؐ نے پوچھا تیرا خبر گیر کون تھا؟ وہ کہنے لگی میرا بھائی عدی بن حاتم تھا۔ پھر آپ نے اس بچی کی درخواست پر اسے نہ صرف آزاد فرما دیا بلکہ اسے زادراہ سواری اور کچھ جوڑے بھی دیے۔ اور اسے بخیریت گھر پہنچانے کے لیے صحابہ کرامؓ کو ساتھ بھیجا۔

سفانہ جب گھر پہنچی تو اس کا بھائی بڑا حیران ہوا کہ تو اکیلی کیسے آ گئی؟ اس نے سارا حال بتایا کہ مجھے تو اس طرح آزادی ملی ہے اور اس طرح مجھے پہنچانے کے لیے دو آدمی میرے ساتھ آئے ہیں۔ اب بھائی مزید حیران اور پریشان ہو کر کہنے لگا کہ تو نے غیروں کے ساتھ سفر کیا ہے۔ راستے میں دن بھی گزرے اور راتیں بھی گزریں۔ اغیار کے ہاتھوں سے کیا تیری عزت و ناموس تو بچ گئی؟

سفانہ نے جواب دیا کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تیری حویلی اور چار دیواری کے اندر میری عزت اتنی محفوظ نہیں تھی جتنی محمد ﷺ کے صحابہ کے ہاتھوں میں محفوظ رہی۔ بعدازاں سفانہ کے مشورہ پر اس کا بھائی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو گیا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے یا اخلاق و کردار کی بنیاد پر؟

۳) فتح مکہ کے موقعہ پر اگرچہ آپ نے عفو عام کا اعلان فرمایا تاہم چند خاص مجرمین ایسے بھی تھے جن کے متعلق حکم ہوا کہ وہ جہاں کہیں بھی مل جائیں قتل کر دیے جائیں۔ ان میں سے ایک وحشی بن حرب بھی تھا جس نے جنگ اُحد میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب چچا سیدنا حضرت حمزہؓ کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا۔ صرف شہید کرنے پر اکتفاء نہ کیا تھا بلکہ آپؐ کے چہرے کو بھی بگاڑ دیا تھا۔ ناک۔ کان۔ ہونٹ۔ آنکھیں وغیرہ سب کاٹ دیے اور چہرے پر اتنی ضربیں لگائیں کہ شناخت ناممکن ہوگئی بلکہ پیٹ چاک کر کے اعضائے رئیسہ نکال کر ان کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

لڑائی کے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا کی لاش دیکھی تو بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے کافروں پر غلبہ دیا تو میں حضرت حمزہؓ کے بدلے ستر کافروں کو قتل کروں گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنی بڑی اذیت دینے والا یہ وحشی فتح مکہ کے موقعہ پر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نے پیغام بھیجا کہ اسلام کی حقانیت میرے اوپر واضح ہو چکی ہے میں اسلام لانا چاہتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ وحشی کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

آپؐ نے اپنے اخلاق عالیہ کی بنیاد پر ارشاد فرمایا دَعُوْہُ فَلِاِسْلَامُ رَجُلٍ وَّاحِدٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ قَتْلِ اَلْفِ کَافِرٍ کہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ بعدازاں یہی وحشی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو گیا۔ آپ کو حضرت حمزہ کی شہادت کا اتنا صدمہ تھا کہ آپؐ نے اسے فرمایا کہ اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو کیونکہ تجھے دیکھ کر چچا حمزہ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! خود فیصلہ کریں کیا اسلام آہنی تلوار کے ذریعے پھیلا ہے یا اخلاقی تلوار کے ذریعے؟

(۴) ایک دفعہ یمامہ کا سردا[illegible]ن اثال حنفی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلا۔ [illegible] تھا کہ وہ اپنے اس ناپاک ارادے میں کامیاب ہو جائے کہ اس کے چچا نے آپ کو اس ناپاک ارادہ سے مطلع کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بچالیا۔ بعدازاں اس نے آپ کے متعدد صحابہ کرامؓ پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا اور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپؐ نے بھی اس کا خون مباح قرار دے دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد یہی ثمامہ عمرے کے لیے مکہ جا رہا تھا کہ مدینہ منورہ کے قریب صحابہ کرامؓ کی ایک گشتی ٹیم نے اسے پکڑ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ کے حکم سے اسے مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ اَحْسِنُوْا اَسَارَهٗ کہ اس قیدی کے ساتھ ہر ممکن اچھا سلوک کرو۔ پھر آپؐ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا اَجْمِعُوْا مَاکَانَ عِنْدَکُمْ مِنْ طَعَامٍ وَابْعَثُوْا بِهٖ اِلٰی ثُمَامَةَ کہ جو کچھ بھی کھانے پینے کا سامان تمہارے پاس موجود ہے جمع کر کے ثمامہ کے پاس بھیجو اور اسے کھلاؤ۔ آپؐ نے مزید حکم دیا کہ اس قیدی کو روزانہ اسی طرح کھانا دیا جائے۔ اور صبح و شام میری اونٹنی کا دودھ دوہ کر اسے پلایا جائے۔

ایک دو دن کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لائے اور سوال فرمایا مَاعِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ اے ثمامہ تیرا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا بالکل خیریت ہے فَاِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ تَعْفُ تَعْفُ عَنْ شَاکِرٍ کہ اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو میں کوئی بے وارث نہیں ہوں۔ ایک بدلہ والے کو قتل کریں

گے۔ اور اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار اور قدر دان پر احسان کریں گے۔ آپ اس کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

اس طرح دو تین دن تک آپ اس سے سوال فرماتے رہے اور وہ یہی جواب دیتا رہا آخر ایک دن آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا اُطْلُقُوْا ثُمَامَةَ کہ اس کی رسیاں کھول دو اور اسے آزاد کر دو۔

ثمامہ آزاد ہونے کے بعد مسجد نبوی سے نکلا اور مدینہ منورہ سے باہر جا کر سواری سے اتر کر غسل کیا' کپڑے بدلے او ر واپس آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر آپؐ سے کہنے لگا اللہ کی قسم اس سے پہلے میرے لیے کوئی چہرہ بھی آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض اور قابل نفرت نہ تھا اور آج آپ کا چہرہ مجھے سب چہروں سے محبوب ہے۔ پھر اس نے آپؐ سے عمرہ کی اجازت لی اور عمرہ کرنے چلا گیا۔

قریش مکہ نے اسے طعنہ دیا کہ تو بے دین ہو چکا ہے اور اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کی قوم اور حکومت سے خائف ہو گئے۔

بعد ازاں اسی ثمامہ نے ناکہ بندی کر کے مکہ مکرمہ میں غلہ کی آمد روک دی اور اہل مکہ قحط کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ مشرکین مکہ نے اس سے رحم کی اپیل کی۔ اس نے جواب دیا کہ جب تک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے حکم نہیں دیں گے میں تمہارے تک ایک دانہ بھی نہیں پہنچنے دوں گا۔

بعد ازاں قریش مکہ نے آپؐ کی خدمت میں وفد بھیجا کہ آپ مہربانی فرمائیں' ہماری سفارش فرمائیں۔ کیونکہ آپ کی قوم بھوکی مر رہی ہے' بچے بلک رہے ہیں۔ ہمارے اوپر ترس کریں۔ پھر آپؐ نے رحم کرتے ہوئے ثمامہ کو لکھا کہ ان کا غلہ نہ روک' یہ پریشان ہیں۔ تب اس نے غلہ جانے کی اجازت دی۔

گرامی قدر سامعین! اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ اسلام کی اشاعت کا سبب کیا ہے؟

۵) فتح مکہ کے موقعہ پر مجرمین خاص میں سے صفوان بن امیہ بھی تھا۔ یہ اپنے قتل کے خوف سے یمن کی طرف بھاگ گیا اور کشتی میں سوار ہونے کے لیے ساحل سمندر پر پہنچ گیا۔ عمیر بن وہب کے ساتھ چونکہ اُس کی پرانی دوستی تھی اس لیے انہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی سفارش کی کہ مہربانی فرما کر اسے امن دیں۔ آپؐ نے ان کی سفارش پر اسے امن دے دیا۔

عمیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو یمن کے ارادے سے بھاگ گیا ہے۔ آپ مجھے کوئی ایسی نشانی دیں جس سے اسے یقین ہو جائے' تو آپؐ نے اپنا وہ عمامہ جو آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر سر پر باندھا ہوا تھا بطور نشانی اسے مرحمت فرمایا۔ عمیرؓ یہ عمامہ لے کر ساحل سمندر کی طرف گیا کیا دیکھتا ہے کہ صفوان کشتی میں سوار ہو چکا ہے۔ اس نے دور سے ہی آواز لگائی کہ واپس آ جا میں تیری لیے امان لایا ہوں۔ مگر صفوان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ عمیرؓ نے اسے ہر طرح تسلی دی اور کہا آپ سب سے زیادہ حلیم۔ بردبار اور خیر خواہی کرنے والے ہیں اور سب سے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔

اب صفوان کشتی سے اترا اور سیدھا مکہ مکرمہ آیا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں پہنچ کر سواری سے اترے بغیر ہی پوچھا کہ عمیر میرے پاس امان نامہ لیکر آیا ہے فَإِنْ رَضِيْتَ اَقَمْتَ وَإِلَّا خَرَجْتُ اگر آپ راضی ہیں تو میں یہاں قیام کروں۔ اگر آپ نے معاف نہیں کیا تو میں اسی سواری کے ذریعہ واپس چلا جاؤں؟

آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ عمیر نے جو کچھ کہا ہے سچ کیا ہے۔ اَنْزِلْ يَا

اَبَاهُ اُمَیَّۃَ پھر صفوان مکہ مکرمہ میں بغیر اسلام قبول کئے مطمئن ہو کر رہنے لگا۔ بلکہ آپؐ کے ساتھ غزوہ حنین میں بھی شرکت کی۔ غزوہ حنین کا مال غنیمت دیکھ کر صفوان دنگ رہ گیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا یُعْجِبُکَ ھٰذَا؟ تجھے یہ مال پسند ہے؟ کہنے لگا کیوں نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ھُوَلَکَ یہ سب تو ہی لے لے۔ اسی وقت صفوان آپ کے اخلاق عالیہ سے اسقدر متاثر ہوا کہ بے ساختہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! ایسے اچھے اخلاق یقیناً نبی کے ہی ہو سکتے ہیں اور پھر فوراً کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں کیا اسلام لوگوں کو ڈرا دھمکا کر زبردستی منوایا گیا ہے؟

(۲) ، زید بن سعنہ ایک یہودی تھا ایک مرتبہ کہنے لگا کہ نبیوں کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی باقی نہیں رہی جس کو میں نے دیکھ نہ لیا ہو سوائے دو علامتوں کے۔ (ا) ایک یہ کہ آپ کا حلم آپؐ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ (ب) دوسری یہ کہ آپ کے ساتھ کوئی جتنی بھی بد اخلاقی کرے آپ کے تحمل میں زیادتی ہی ہوگی۔

کہتا ہے کہ میں ان دونوں علامتوں کے امتحان کا موقعہ تلاش کرتا رہا۔ حتی کہ ایک دن آپ کے ہاں ایک بدوی سائل آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کرتے ہوئے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے کچھ سوال کیا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اب تو کچھ موجود ہی نہیں رہا۔

زید بن سعنہ کہتا ہے کہ میں نے فوراً یہ منظر دیکھ کر پیش کش کر دی کہ اگر آپ مجھے وقت معین پر اتنی کھجوریں دے دیں تو میں پیشگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ میں نے اسی (۸۰) مثقال سونا دے دیا (ایک مثقال ساڑھے چار

ماشے کا ہوتا ہے) آپ نے وہ سونا بدوی کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرو۔

زید کہتا ہے کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کسی جنازے سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ کی چادر اور کرتے کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ آپ میرا قرضہ ادا کیوں نہیں کرتے؟ خدا کی قسم میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ تم سب نادھند ہو۔

حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے دیکھا اور کہا اے دشمن خدا! یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم فرماتے ہوئے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تیرا حق تو یہ تھا کہ مجھے حق ادا کرنے میں خوبی برتنے کا کہتا اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتا۔ اس کو لے جاؤ اور اس کا حق ادا کر دو اور یاد رکھو اس کو بیس صاع زیادہ بھی دینا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ مجھے ایک باغ میں لے گئے اور پوری کھجوریں تول کر مجھے دے دیں اور بیس (۲۰) صاع مزید بھی دیے۔ زید کہتا ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ اور یہ بیس صاع اس لیے زیادہ دیے گئے ہیں کہ میں نے تجھے جھڑکا تھا اور تیری بے عزتی کی تھی۔ یہ بات سن کر زید بن سعنہ حیران رہ گیا اور آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر فوراً مشرف با سلام ہو گیا۔ حتیٰ کہ اپنا آدھا مال اشاعت اسلام کے لیے صدقہ کر دیا۔ (خصائل نبوی)

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! یہود کا ایک بہت بڑا عالم محض آپؐ کے اخلاق سے متاثر ہو کر بغیر کسی جبر واکراہ کے مسلمان ہو رہا ہے۔ اور پھر اس ایک عالم کے اسلام لانے کا دوسرے یہود پر کتنا اثر پڑا ہوگا؟

۷) رمضان المبارک ۸ھ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام دس ہزار قدوسیوں کی جماعت لے کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام مرالظہر ان پر اترے تو ابوسفیان جو لشکر اسلام کا جائزہ لینے کے لیے آئے تھے۔ گرفتار ہوئے اور بالآخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر اسلام قبول کر لیا۔

آپؐ نے ابوسفیان کی عزت افزائی کے لیے اہل مکہ کے لیے اعلان کر دیا مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِی سُفْیَانَ فَھُوَ آمِنٌ کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے امن ہے۔

مقام مرالظہر ان سے روانہ ہوتے وقت ابوسفیان نے جب پہاڑ پر کھڑے ہو کر لشکر اسلام کی شان وشوکت دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ مختلف قبائل اور مختلف جھنڈے دیکھ کر حضرت عباسؓ سے کہنے لگا کہ تمہارے بھتیجے کی بادشاہی کے کیا کہنے! حضرت عباسؓ نے جواب دیا یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ جن کے ہاتھ میں انصار کا علم تھا نے جب ابوسفیان کو دیکھا تو جوش میں آ کر نعرہ لگایا اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ کہ آج بدلے کا دن ہے۔ ابوسفیان یہ نعرہ سن کر گھبرا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ سعد نے یوں کہا ہے۔ آپؐ نے جواباً فرمایا سعد نے غلط کہا ہے اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ یُعِزُّ اللّٰہُ فِیْہِ قُرَیْشاً یُعَظِّمُ اللّٰہُ فِیْہِ الْکَعْبَۃَ کہ آج رأفت ورحمت کا دن ہے آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت بخشے گا' آج کعبہ کی عظمت کی بحالی کا دن ہے۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت آپؐ نے کعبۃ اللہ کا پورا پورا احترام مدنظر

رہا۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور تواضع سے آپ کی گردن اس حد تک جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی کو چھو رہی تھی اور آپ کی زبان مبارک پر سورۃ فتح کی آیات تھیں۔

آپ مسجد حرام میں تشریف لائے صحن کعبہ میں جو تین سو ساٹھ بت نصب تھے ان کو گرایا بعد ازاں آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ بعد ازاں عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی چابی لی اور بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا۔ بیت اللہ میں داخل ہو کر اسے بتوں سے پاک کیا۔ پھر کعبۃ اللہ کے تمام گوشوں میں پھر کر اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں۔ فارغ ہو کر باب کعبہ پر تشریف لائے جبکہ کلید کعبہ آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آپ نے دیکھا کہ مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے اور مجرمین منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔

اس وقت آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اولا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور توحید بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ مَاتَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ اے گروہ قریش! میری نسبت کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

اس وقت وہ سب چہرے آپ کے سامنے تھے جنہوں نے پچھلے بیس سالوں سے ظلم و ستم کی انتہاء کر رکھی تھی۔ مکہ مکرمہ میں مظالم کے پہاڑ گرانے والے پھبتیاں کسنے والے۔ گالیاں دینے والے۔ بچوں کو طلاقیں دلوانے والے۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں قید رکھنے والے قتل و قید کے منصوبے بنانے والے۔ وطن چھوڑنے پر مجبور کرنے والے۔ پھر بدر و اُحد و خندق میں مقابلہ پر آنے والے سب آپ کے سامنے تھے۔ جب آپ نے یہ سوال کیا تو قریش کی نظروں میں پچھلے بیس سالوں کا اپنا کیا ہوا ظلم و ستم گھومنے لگا اور وہ سوچنے لگے کہ

آج ہمیں اگر قیدی بنالیا جائے یا ہمیں غلام اور ہماری عورتوں کو باندیاں بنا کر تقسیم کر دیا جائے یا بیچ دیا جائے تو اسے کوئی غلط نہیں کہے گا۔ حتیٰ کہ اگر ہمیں ملک بدر کر دیا جائے یا ہم سب کا خون بہا دیا جائے تو جو کچھ ہم نے کیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ ہیچ ہے۔

آپ ؐ نے سوال فرمایا بتاؤ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ مجمع میں سے کسی نے کہا اَخٌ کَرِیْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ کہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ ہمارے ساتھ اچھا ہی سلوک فرمائیں۔ کسی نے کہا اِفْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَھْلُہٗ کہ ہمارے ساتھ وہ سلوک فرمائیں جو آپ کے شایان شان ہو اور وہ سلوک نہ فرمائیں جس کے ہم سزاوار ہیں۔

ایک کونے سے آواز آئی تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ کہ اللہ کی قسم آج اللہ نے ہمارے اوپر آپ کو فضیلت دے دی ہے ہم اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! یہ وہی جملے ہیں جو برادران یوسف ؑ نے حضرت یوسف ؑ کے سامنے معذرت کرتے ہوئے کہے تھے۔ جب قریش مکہ نے اس طرح کے کلمات کہے تو رحمۃ للعالمین نے جواباً ارشاد فرمایا فَاِنِّیْ اَقُوْلُ لَکُمْ کَمَا قَالَ اَخِیْ یُوْسُفُ لِاِخْوَتِہٖ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی ملامت اور عتاب نہیں ہے۔ جاؤ میری طرف سے تم سب آزاد ہو۔

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ کا ان پر

اس قدر اثر ہوا کہ فوراً اسلام ان کے دلوں میں اتر گیا۔ اور وہ دھڑا دھڑ مشرف باسلام ہونے لگے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورہ نصر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا چنانچہ اس موقعہ پر تقریباً دو ہزار آدمی مشرف باسلام ہوئے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟ اگر آپ تحقیق کریں تو تاریخ اسلامی میں آپ کو ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ اسلام جبر و اکراہ سے نہیں رأفت و رحمت، اخلاقی بلندی اور کردار کی پاکیزگی سے پھیلا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

۷:- دعوتِ یوسفی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یٰا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اَسْمَاءً سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَ آبَائُکُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ذَالِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورۂ یوسف)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جہاں اور خوبیوں سے نوازا وہاں ایک اہم خوبی یہ ہے کہ خود بھی پیغمبر ہیں پھر ان کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں۔ آپؑ کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں اور آپ کے پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ان کی اس خوبی کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلْکَرِیْمُ بْنُ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ. نسبی شرافت و کرامت اور باطنی خوبیوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری حسن و جمال سے بھی نوازا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو آپ حیران رہ گئے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے حضرت

یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا قَدْ اُعْطِیَ شَطْرَ الْحُسْنِ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب دنیا کو حسن و جمال تقسیم کیا تو آدھا حسن و جمال تو سارے عالم کو دیا اور آدھا تنہا حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود مقدس کو عطاء فرمایا۔ یہی وہ واحد پیغمبر ہیں جن کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مقام پر بالترتیب اور بالتفصیل قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت ہے اس نے جہاں حضرت یوسف کو اتنی خوبیوں سے نوازا وہاں انہیں بعض کڑی آزمائشوں میں سے بھی گزارا۔

بچپن میں بے پناہ محبت پدری حاصل تھی تو بھائیوں کے حسد کا شکار ہو گئے۔ وہ انتہائی مکاری سے انہیں جنگل میں لے گئے اور ایک اندھیرے کنویں میں ڈال دیا۔ چند دنوں کے بعد ایک قافلہ گزرا' انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکالا تو بھائی پھر وارث بن گئے اور انہیں اپنا غلام ظاہر کر کے ان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ قافلہ والوں نے جا کر مصر کے بازار میں مہنگے داموں فروخت کر دیا اور عزیز مصر نے خرید لیا۔ وہ ایک دانہ اور زیرک انسان تھا' چہرے مہرے اور عادات سے پہچان گیا کہ یہ غلام کوئی معمولی غلام نہیں ہے۔ گھر جا کر بیوی سے کہا اَکْرِمِیْ مَثْوٰاهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا کہ اسے عزت و احترام سے رکھنا عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک باعزت اور بہترین ٹھکانہ دے دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو ان کا حسن مزید نکھر کر سامنے آ گیا۔ ایک جوانی' پھر بے داغ جوانی' پھر حسن و جمال پھر نبوت و حکمت کا نور۔ عزیز مصر کی بیوی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی اور آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ مختلف

حیلوں بہانوں سے آپ پر ڈورے ڈالنے لگی۔

حتیٰ کہ ایک دن تو اس نے موقعہ پا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خصوصی کمرے میں بلا کر دروازے وغیرہ بند کر لیے اور آپ کو برائی کی دعوت دینے لگی کہ جلدی کرو میں تمہارے لیے تیار ہوں۔ قرآن کہتا ہے وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ تو جس عورت کے گھر وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی یوسف! جلدی آؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک ہی جواب دیا قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ کہ میں تو اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ اللہ مجھے تیرے مکروفریب سے بچائے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کمرہ میں زلیخا نے اپنا ایک خوبصورت بت رکھا ہوا تھا۔ جس کی وقتاً فوقتاً عبادت کیا کرتی تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی کی دعوت دینے لگی تو دل میں خیال آیا کہ یہ بت کیا کہے گا؟ چنانچہ اس نے اپنے مزعومہ خدا کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا تا کہ وہ ہمیں دیکھ نہ سکے۔

شیخ سعدیؒ نے اسی واقعہ کو بوستان میں یوں بیان کیا ہے۔

بُتے داشت بانوئے مصر از رخام	برو معتکف بامدادان و شام
دراں لحظہ رُویش بپوشید وسر	مبادا کہ زشت آیدش درنظر
غم آلودہ یوسف بکنجے بنشست	بسر بر زنفس ستمگارہ دست
زلیخا دو دستش ببوسید و پا	کہ اے ست پیمان و سرکش درآ
رواں گشتش از دیدہ برچہرہ جُو	کہ برگرد و ناپاکی از من مجو
تو در روئے سنگے شُدی شرمسار	مرا شرم نباید ز پروردگار

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس بات کو دلیل بنا کر ارشاد فرمایا کہ تو تو ایک پتھر کے سامنے شرمسار ہو گئی جو نہ دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔ کیا مجھے اپنے پروردگار سے شرم نہیں آتی؟ جو لطیف و خبیر ہے اور دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس امتحان میں کامیابی عطاء فرمائی اور ان کو برائی سے بچا لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ کہ اسی طرح ہم نے برائی اور بے حیائی کو ان سے دور کیا بے شک وہ برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام وہاں سے بھاگ کر باہر نکلے زلیخا ان کے پیچھے بھاگ کر پکڑنے کی کوشش میں تھی کہ ان کا کرتہ بھی پھٹ گیا۔ جب دونوں اس کشمکش میں باہر نکلے تو سامنے عزیز مصر کھڑا تھا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اب زلیخا اپنی اس ساری کاروائی کی ذمہ داری حضرت یوسف علیہ السلام پر ڈالتے ہوئے اپنے خاوند سے یوں گویا ہوئی مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یا تو اسے قید کر دیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی لمبی چوڑی بات کرنے کی بجائے صرف اتنا ہی کہا هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ کہ اسی نے مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ کی برأت کا انتظام یوں فرمایا کہ ایک کمسن بچے نے بول کر کہا کہ یوسفؑ کا کرتہ دیکھو۔ بات کھل

جائے گی اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ کہ اگر
کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی اور وہ جھوٹا۔ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ
فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ جھوٹی اور وہ سچا۔
چنانچہ کرتہ دیکھا گیا تو وہ تو پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ اب زلیخا کا خاوند
معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس نے اپنی بیوی کو قصوروار گردانتے ہوئے ڈانٹا اور
حضرت یوسف علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے بدنامی کے خوف سے بات کو
وہیں دبا دیا اور ختم کر دیا۔
شدہ شدہ یہ بات شہر میں پھیل گئی امراء اور وزراء کی بیگمات نے جب یہ
بات سنی تو حیران رہ گئیں۔ یوسف علیہ السلام کے حسن کے تذکرے تو پہلے بھی سن
چکی تھیں اور دل ہی دل میں آپ پر فریفتہ بھی ہو چکی تھیں۔ اب انہوں نے
حضرت یوسفؑ کو ہتھیانے کے لیے زلیخا کو ملامت کرنا شروع کر دی کہ دیکھو اس
کی کتنی گھٹیا سوچ ہے ایک پردیسی غلام کو دل دے بیٹھی۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا
لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ ہمارے خیال
میں تو اس کی زبردست غلطی ہے۔
زلیخا جب یہ طعنے سنتے سنتے تنگ آ گئی تو اس نے سوچا کہ میں انہیں
بتاؤں تو سہی اپنا محبوب دکھاؤں تو سہی' بھلا یہ کس طرح کہتی ہیں کہ میری چائس اور
انتخاب غلط ہے؟ چنانچہ اس نے انہیں اپنے ہاں ایک ٹی پارٹی پر بلایا۔ فَلَمَّا
سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ
وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا دعوت کا پیغام بھیج کر ہر ایک کیلئے علیحدہ نشست کا انتظام کیا
اور پھل تراشنے کے لیے ہر ایک کو چھری دی۔ چنانچہ جب وہ پھل کاٹ رہی تھیں تو
زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو بلایا "یوسف ذرا ادھر آنا"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا وہاں ظاہر ہونا تھا کہ ان کا جمال دیکھ کر وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے۔ فَلَمَّا رَأَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ الخ پھر اپنے ریمارکس دیتے ہوئے یوں گویا ہوئیں حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ سبحان اللہ یہ حسن! خدا کی قسم یہ کوئی انسان اور بشر معلوم نہیں ہوتا یہ تو کوئی نورانی فرشتہ ہے۔

اب زلیخا بولی! فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ تم نے اپنے ہاتھ کیوں کاٹ لیے؟ تم کوئی ہوش و حواس کھو بیٹھیں؟ تم نے تو آج دیکھا ہے۔ اس کے حسن کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ حوصلہ تو میرا ہے جو روزانہ دیکھتی ہوں۔

یوسف علیہ السلام نے جب ان حسب عورتوں کا یہ میلان اور فریفتگی دیکھی تو پھر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ کہ اے اللہ اگر تو مجھے ان کے مکر و فریب سے نہ بچائے تو میں نہیں بچ سکتا۔ اے اللہ اس کی بجائے تو مجھے قید ہی منظور ہے۔

جیل کیوں گئے؟

چنانچہ عزیز مصر اور دیگر اعیان مملکت نے اپنی بدنامی کے خوف سے اور پبلک کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو کچھ عرصہ کے لیے جیل بھیج دیا۔

گرامی قدر سامعین! جیل تو اور لوگ بھی جاتے ہیں مگر کسی نہ کسی جرم کا ارتکاب کر کے یا جرم کے الزام میں جاتے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتلاء و آزمائش دیکھیے! گناہ نہ کرنے کی پاداش میں جیل جا رہے ہیں۔

چنانچہ دست قدرت نے یہاں بھی یاوری فرمائی! آپ کی پاکیزہ سیرت و صورت، اخلاق و عادات دیکھ کر جیل والے بھی ایک گونہ معتقد ہو گئے اور آپ کو

عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

دو قیدیوں کا خواب:

خدا کی قدرت کہ انہیں دنوں دو اور قیدی بھی جیل میں آئے' ان میں سے ایک بادشاہ مصر کے مطبخ کا انچارج آفیسر تھا' دوسرا شراب بنانے اور پلانے کا انچارج آفیسر تھا۔ ان دونوں پر بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کا الزام تھا۔

کچھ عرصہ بعد ان دونوں ملازمین نے خواب دیکھے۔ قرآن مجید نے اُن کا تذکرہ یوں فرمایا ہے قَالَ اَحَدُ هُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ایک نے یہ دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں' دوسرے نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیوں سے بھرا ٹوکرا ہے جن کو پرندے اچک اچک کر کھا رہے ہیں۔

چنانچہ ان دونوں نے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لیے یوسف علیہ السلام کی شخصیت کو بالکل موزوں پایا۔ دونوں بڑے ادب و احترام سے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ کہ آپ ہمیں خواب کی تعبیر دیں' کیونکہ ہماری نظر میں آپ محسن ہیں۔ یعنی آپ کا چہرہ مہرہ اخلاق و عادات بتا رہے ہیں کہ آپ نیک فطرت و پاکیزہ سیرت' متقی اور پرہیزگار انسان ہیں۔

دعوتِ توحید:

حضرت یوسف علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ میں کیوں نہ انہیں تعبیر بتانے سے پہلے اللہ کی توحید بتا دوں؟

گرامی قدر سامعین! حضرت یوسف علیہ السلام کے انداز دعوت سے

ہمیں دعوت دینے کے کچھ راہنما اصول ملتے ہیں جن کا آپ کے سامنے تذکرہ کرنا میں انتہائی ضروری سمجھتا ہوں۔

فکرِ دعوت:

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت سے ایک راہنما اصول تو یہ ملتا ہے کہ ایک داعی کو ہمہ وقت دعوت کی فکر ہونی چاہیے۔

دیکھیے! وہ قیدی تو محض اپنی غرض کے لیے آئے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے سوچا کہ ان کے دل کے اندر میرے بارے میں کچھ عقیدت سی پیدا ہوئی ہے، کچھ میلان سے پیدا ہوا ہے، میں کیوں نہ اس عقیدت و میلان سے فائدہ اٹھا کر انہیں اللہ کی توحید سنا دوں؟ ممکن ہے یہ اس عقیدت مندی میں اسلام قبول کر لیں۔

تو ایک داعی کو ہمہ وقت یہ فکر ہونی چاہیے کہ کسی طرح لوگ راہ راست پر آ جائیں۔ ذرا سی گنجائش دیکھے تو فوراً کسی نہ کسی انداز میں، کسی نہ کسی حیلہ سے حق کی بات ان تک پہنچا دے۔

مَاحولِ دُعوت:

دعوت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ماحول پیدا کیا جائے تا کہ سننے والا کامل توجہ اور اطمینان سے بات سنے۔ اس کا دل و دماغ کسی تشویش اور فکر کا شکار نہ ہو۔ چونکہ وہ دونوں قیدی اس فکر میں تھے کہ ہمیں جلد از جلد تعبیر دی جائے تا کہ ہم کھانے کے وقت تک اپنی بیرکوں میں پہنچ جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے ان کی اس تشویش اور فکر کو دور کیا تا کہ وہ کامل توجہ، دلجمعی اور ذوق و شوق کے ساتھ میری بات کو سنیں۔ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا

نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا کہ اطمینان رکھو میں تمہارے خواب کی تعبیر دوں گا اور دیر بھی نہیں لگاؤں گا۔ وہ پہر کا کھانا آنے سے پہلے پہلے تعبیر بتا دوں گا۔

تو اس طرح ان دونوں نوجوانوں میں بات سننے کا جذبہ اور قبول حق کی استعداد پیدا ہوگی۔

یقین دہانی:

دعوت کے لیے ضروری ہے کہ سننے والے کے دل میں یہ یقین ہو کہ جو کچھ مجھے بتایا جا رہا ہے۔ محض ظن و تخمین سے نہیں بتایا جا رہا۔ دعوت دینے والا جاہل نہیں ہے بلکہ اس بات کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے علم کا سورس بھی مضبوط ہے۔ جو کچھ بتائے گا وہ سچائی اور حقیقت پر مبنی ہوگا۔

اس مقصد کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک اور جملہ بولا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي کہ میں جو کچھ بیان کروں گا وہ میرا ذاتی علم نہیں بلکہ میرے رب کا دیا ہوا علم ہے۔ اس میں کسی قسم کے تردد اور شک کی گنجائش نہیں ہے۔ تو اس طرح ان کے دل میں بات سننے کا شوق اور زیادہ بڑھ گیا۔ کہ ہم ٹھیک جگہ پر آئے ہیں۔

اپنا تعارف:

دعوت کے باب میں شخصیت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو کلام دیکھ کر اثر لیتے ہیں کہ کلام برحق ہے لہٰذا انہیں متاثر ہونا چاہیے۔ اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو شخصیت کی وجہ سے اثر لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ

بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ کہ میں اس ملت اور قوم کو چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتی اور آخرت پر یقین نہیں رکھتی۔ میں تو اللہ تعالیٰ کو بھی مانتا ہوں۔ اس کے جملہ احکام کو بھی مانتا ہوں۔ حساب و کتاب کو بھی مانتا ہوں کہ کل قیامت کو ہمیں خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے ہر ہر قول و فعل کا جواب دینا ہے۔

یعنی میں اس قوم میں سے نہیں ہوں جو بے فکر ہے' جس کے سامنے نہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور نہ ہی اس کے سامنے حاضری اور پیشی کی فکر ہے۔

مُثبت اور مَنفی تعارُف:

گرامی قدر سامعین! حضرت یوسف علیہ السلام نے محض ایک انداز میں اپنا تعارف نہیں کرایا۔ بلکہ مثبت انداز میں بھی تعارف کرایا اور منفی انداز میں بھی۔

منفی انداز میں تو آپ سن چکے ہیں کہ میں کس قوم اور ملت میں سے نہیں ہوں؟ پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب تم منکرین میں سے نہیں ہو تو پھر تمہارا تعلق کس جماعت اور پارٹی کے ساتھ ہے؟

اب آپ نے مثبت انداز اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ کہ میں اپنے آباؤ اجداد کا پیروکار اور ان کی بات ماننے والا ہوں۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام۔ اور میرے آباؤ اجداد کوئی معمولی لوگ نہیں تھے بلکہ منصب نبوت پر فائز تھے۔ میں اسی دین پر ہوں جسے وہ لے کر آئے تھے۔

گرامی قدر سامعین ذرا غور فرمائیں! حضرت یوسف علیہ السلام نے یہاں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں (ا) مَبداء یعنی ابتداء۔ اور وہ اللہ کی ذات ہے کہ ہماری ابتداء یہاں سے ہوتی ہے (ب) مَعاد یعنی آخرت۔ کیوں کہ ہمیں لوٹ کر

وہاں جانا ہے (ج) شریعت یعنی اس آنے جانے کے درمیان زندگی کس طرح گزاری جائے؟ اور وہ ہے شریعت یعنی انبیاء کرام کا راستہ اور طریقہ۔

اور یہی تین چیزیں دین کی بنیاد ہیں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو نہیں مانتا تو دین کی بنیاد ہی قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے مگر آخرت کو نہیں مانتا تو بے فکری کی زندگی ہوگی۔ مرضی آئی عمل کر لیا' مرضی آئی نہ کیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو بھی مانتا ہے آخرت کو بھی مانتا ہے۔ مگر شریعت کا قائل نہیں ہے تو عمل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے سامنے راستہ ہے ہی نہیں۔

ان تینوں چیزوں کو دوسرے الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے۔ توحید' رسالت' قیامت۔ اور یہی وہ تین بنیادی چیزیں ہیں جنہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں بیان کیا۔ فَافْهَمْ وَ تَدَبَّرْ

کوہِ صَفاء کا وَعظ:

گرامی قدر سامعین! دعوت کے باب میں شخصیت کا کتنا اثر ہے؟ اس کا اندازہ آپ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوہ صفاء والے وعظ سے کر سکتے ہیں۔

دیکھیں! آپؐ نے دعوت سے پہلے کس طرح اپنی شخصیت کو منوایا؟ سب اہل مکہ کو جمع کر کے ان سے سوال فرمایا هَلْ وَ جَدْ تُمُوْنِیْ صَادِقًا اَوْ كَاذِبًا کہ میں نے تمہارے اندر اپنی زندگی کی چالیس بہاریں گزاری ہیں۔ بتاؤ تم نے مجھے کیسا پایا؟ سچا پایا یا جھوٹا؟ پھر سب اہل مکہ نے بیک زبان جواب دیا۔ جَرَّبْنَاكَ مِرَارًا فَمَا رَأَيْنَا فِيْكَ اِلَّا صِدْقًا کہ ہم نے ایک بار نہیں سینکڑوں بار آپ کو آزمایا۔ ہم نے آپ کو ہر قول و فعل میں سچا ہی پایا۔ پھر آپؐ نے اپنی شخصیت کو منواتے ہوئے ان سے مزید ایک سوال کیا۔ کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کی دوسری جانب سے ایک لشکر جرّار تم پر حملہ کے لیے آ رہا ہے تو کیا تم مان لو گے؟

انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور انہیں کوئی لشکر وغیرہ نظر نہ آیا۔ پھر آپ ؐ نے وضاحت فرمائی کہ حقیقت میں لشکر وغیرہ کوئی نہیں۔ میں صرف اپنے اعتماد اور شخصیت کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں۔

اب انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ فرما دیں کہ لشکر آ رہا ہے تو ہم اپنی آنکھوں کو تو جھٹلا دیں گے مگر آپ کی زبان کو ہرگز نہیں جھٹلا سکتے۔ کیوں کہ آپ صادق بھی ہیں اور امین بھی ہیں۔

غور فرمائیں! پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی شخصیت منوائی بعد ازاں ان کے سامنے اپنی دعوت پیش فرمائی۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی دعوت دینے سے پہلے اپنی شخصیت کا تعارف کرانا ضروری سمجھا۔

شکرِ نعمت:

دعوت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے بے پایاں انعامات و احسانات کا ذکر کر کے انسان کے دل میں جذبہ شکر پیدا کیا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسی انداز کو اپناتے ہوئے ارشاد فرمایا مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ کہ ہمارے لیے زیبا نہیں کہ ہم اپنے اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک ٹھہرائیں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ شکر اور شرک کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی شکر یہی ہے کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کی دعوت کا ذکر فرماتے ہوئے یہی نکتہ بیان فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ

وَ مَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ کہ ہم نے حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت و دانائی عطاء فرمائی کہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو محض اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ پھر حضرت لقمان علیہ السلام نے اسی خداداد حکمت و بصیرت کو بنیاد بنا کر اپنے بیٹے کو شکر کی تعلیم دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان) کہ اے بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا' بے شک شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسی جذبہ شکر کو اجاگر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا مَا کَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ۔

اَللّٰہ کا فَضل:

مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی فضل و احسان یہی ہے کہ وہ ہمیں شرک سے بچائے رکھے۔

یاد رکھیں! اولاد کا ہونا' نوکری یا تجارت کا ہونا' دولت کا مل جانا' عزت و شہرت کا حاصل ہو جانا وغیرہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک قسم کا فضل و احسان ہے اس کی مہربانی ہے۔ مگر اس کا حقیقی فضل و احسان یہ ہے کہ آدمی کا ایمان، عقیدہ درست ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی نکتہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ کہ یہ شرک سے بچ جانا اور توحید پر قائم ہو جانا ہمارے اوپر اور دوسرے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ لیکن اکثر لوگ پھر بھی شکر نہیں کرتے۔

''شکر نہیں کرتے'' یعنی شرک کا ارتکاب کر کے ناشکری کرتے ہیں اور ناشکری ہمیں کسی انداز میں بھی زیب نہیں دیتی۔ مَا کَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ

مِنْ شَيْءٍ.

دَعوتِ فِکر:

دعوت کی ایک بنیادی بات یہ بھی ہے کہ مخاطب کو سوچنے اور غور وفکر کرنے پر مجبور کیا جائے اور اس کی سوچنے سمجھنے کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے۔ جب خود غور وفکر کر کے مانے گا تو ماننے کا مزہ ہی کچھ اور ہوگا۔ حقیقت اس کے دل و دماغ میں اس طرح راسخ ہو جائے گی کہ پھر انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو دعوت فکر دیتے ہوئے سوالیہ انداز اپنایا۔ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اے میرے جیل خانہ کے ساتھیو! سوچو تو سہی بھلا جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک ہی اللہ اکیلا زبردست بہتر ہے؟ متفرق حاجات کے لیے متفرق دروازوں پر جانا بہتر ہے یا ایک ہی دروازہ پر؟

گرامی قدر سامعین! انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے متفرق جگہوں پر جانے کی بجائے ایک ہی جامع جگہ پر جانا بہتر سمجھتا ہے۔ مختلف دکانوں پر چکر لگانے کی بجائے اگر سارے سودے ایک ہی دکان سے مل جائیں تو اسے ہر کوئی بہتر جانتا ہے۔ در در کے دھکے کھانا بہتر ہے یا ایک ہی در پہ حاضری دینا بہتر ہے؟

ایک غلام کے کئی آقا ہوں یہ بہتر ہے یا ایک ہی آقا بہتر ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ کہ اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے جس میں کئی آقا شریک ہیں جو مختلف

المزاج اور بدخو ہیں۔ اور ایک دوسرا غلام ہے جو صرف ایک ہی آقا کا غلام ہے۔
اللہ تعالیٰ سوال فرماتے ہیں هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا؟ کیا دونوں کی حالت برابر ہے؟
مطلب یہ ہے کہ دونوں کی حالت کسی طرح بھی برابر نہیں ہو سکتی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر) الحمد للہ بات بالکل واضح ہوگئی لیکن اکثر لوگ پھر بھی نہیں جانتے۔

غور فرمائیں! حضرت یوسف علیہ السلام نے کس خوبصورتی کے ساتھ اس انداز کو اپنایا۔ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

اظهار حقيقت:

حضرت یوسف علیہ السلام نے رفتہ رفتہ جب ان کے قلب و دماغ کو تیار کر لیا تو اب ان کے معبودان باطلہ پر ضرب کاری لگاتے ہوئے بڑے خوبصورت انداز میں اظہار حقیقت فرما دیا۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان کے لیے کوئی سند اور ثبوت نازل نہیں فرمایا۔

گرامی قدر سامعین! مشرکین کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے مختلف معبودوں کو عموماً مختلف خدائی صفات اور القاب دے دیتے ہیں۔ کسی کے اندر کوئی صفت مان لی تو کسی کے اندر کوئی۔ کسی کا کوئی نام رکھ لیا تو کسی کا کوئی۔ اس طرح مختلف حاجات کے لیے مختلف معبودوں کے دروازوں پر حاضری دے کر اور ان کو پکار کر خود بھی دھوکا کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان خدائی صفات کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

گرامی قدر سامعین! پانی کی بوتل پر اگر شربت روح افزا کا لیبل لگا دیا

جائے تو وہ شربت تو نہیں بن جاتا؟ خالی دکان پر اگر کسی ایجنسی کا بورڈ لگا دیا جائے تو وہ ایجنسی تو نہیں بن جاتی؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہی حقیقت بیان فرمائی مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ کہ بغیر کسی سند اور ثبوت کے محض نام رکھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

ہمارا معاشرہ:

گرامی قدر سامعین! اپنے معاشرے پر غور فرمائیں! ہم نے کتنے ہی ایسے خدائی نام پیروں فقیروں کے رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً ''غوث'' اس کا معنیٰ ہوتا ہے فریاد رس۔ اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کو غوث اعظم کا لقب دیا ہوا ہے۔ حالانکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہر مشکل میں اپنا غوث اعظم اللہ تعالیٰ ہی کو مانا ہے۔ قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ الخ۔

''داتا'' اس کا معنیٰ ہے دینے والا۔ عطاء کرنے والا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ معطی اور داتا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ہم نے یہ نام ایک بزرگ کو دے رکھا ہے۔ ''غریب نواز'' اس کا مطلب ہے غریبوں کو نوازنے والا' بے کسوں کی خبر گیری کرنے والا۔ یہ بھی خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جو ہم نے ایک بزرگ کو الاٹ کر رکھی ہے۔

''مشکل کشا'' یعنی مشکلات دور کرنے والا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ کہ اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو ماسوائے اللہ کے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم نے یہ صفت اللہ تعالیٰ کی نیک بندوں کے لیے مان رکھی ہے۔

''گنج بخش'' اس کا مطلب ہے خزانے دینے والا۔ اور یہ ایک حقیقت

ہے کہ سارے خزانوں کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ کہ ہر چیز کے خزانے صرف اور صرف میرے پاس ہیں۔ اور ہم نے گنج بخش کسی اور کو بنا رکھا ہے۔

''دستگیر'' اس کا مطلب ہے ہاتھ پکڑنے والا۔ نجات دینے والا۔ مدد کرنے والا۔ اور ہم نے یہ نام ایک بزرگ کو دے رکھا ہے۔ اسی طرح کسی کو ہم نے لجپال بنایا ہوا ہے' کسی کو کرنیاں والے' کسی کو کھوئی قسمتیں کھری کرنے والا' حالانکہ یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! یہ نام کہاں سے آ گئے؟ کیا ہم نے از خود تجویز کر رکھے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کیلئے کوئی ثبوت اور دلیل بیان فرمائی ہے؟ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ۔

مَنفی اور مُثبت انداز:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دعوت کے اندر جہاں منفی انداز اختیار کر کے بات سمجھائی ہے وہاں مثبت انداز اختیار کر کے بھی مسئلہ سمجھایا ہے۔

غور فرمائیں! منفی انداز پہلے بیان فرمایا اور مثبت انداز بعد میں۔ پہلے غیر اللہ سے ان صفات کی نفی فرمائی مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً الخ اب مثبت انداز میں ساری صفات اور سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کہ سارا حکم' سارا اختیار' سارا تصرف اور کنٹرول صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ذرے ذرے پہ اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی مختار کل اور متصرف فی الامور ہے۔ وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ (القصص) اور تمہارا پروردگار ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

اور جسے چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے۔ ان کو اس کا اختیار نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (سباء) کہ غیر اللہ زمین و آسمان میں ایک ذرے پر بھی قبضہ و اختیار نہیں رکھتے۔

بلکہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا۔ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ (یونس) کہ آپ فرما دیں کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید فرمایا اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ یعنی جب ذرے ذرے پر حکم اسی کا چلتا ہے تو اس نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ میری عبادات میں کسی کو شریک نہ کرو۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ مالی عبادت۔ بدنی عبادت۔ زبانی عبادت۔ نماز میں دوزانو بیٹھ کر جو دعا ہم پڑھتے ہیں اس میں تینوں عبادات کا ذکر ہے۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ کہ اے اللہ میری تمام قولی عبادتیں، بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں صرف اور صرف تیرے لیے ہیں۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے اس جملے کا مطلب سمجھیں اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ کہ اس نے حکم دیا ہے کہ میرے سوا نہ کسی کی مالی عبادت کی جائے نہ بدنی اور نہ زبانی۔ عبادت کی ان تینوں اقسام کی اگر تشریح کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس جملے کے اندر کتنی وسعت ہے؟

دین کیا ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جملہ بول کر آگے ارشاد فرمایا ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ کہ یہی سیدھا اور مضبوط دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین اس چیز کا نام ہے کہ خالص اللہ کی عبادت کی جائے۔ اس کی عبادات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ یعنی اللہ کی توحید کا ماننا اصل دین ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ مشرکین نے سوال کیا کہ آپ اپنے دین کی وضاحت کریں آپ کا دین کونسا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے اعلان کرایا قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اعلان فرمادیں کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہے تو سن لو میرا دین یہ ہے کہ میں ان ہستیوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو۔ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جس کے قبضے میں تمہاری روح اور جان ہے۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ وَاَنْ اَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (یونس) اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے یکسو ہو کر دین حنیف کی پیروی کروں اور مشرکین سے علیحدہ رہوں۔

گرامی قدر سامعین! حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعوت سے ایک بات ہمیں بڑی وضاحت سے سمجھ آ گئی کہ دین کیا ہے؟ دین اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کو ماننے کا نام ہے۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دین ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ شریعت ہے۔ ساری شریعت دین کے آس پاس گھومتی ہے۔ مختلف ادوار میں شریعت بدلتی رہی مگر دین نہیں بدلا۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت کے طریقے بدلتے

رہے مگر معبود نہیں بدلا۔ راستے بدلتے رہے منزل نہیں بدلی۔ طرز زندگی بدلتا رہا مقصد زندگی نہیں بدلا۔

اساسِ دعوت:

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعوت سے ہمیں ایک بات یہ بھی سمجھ آئی کہ دعوت کی اساس اور بنیاد اللہ کی توحید ہے۔ دیکھ لیں آپ کی پوری دعوت توحید کے گرد گھوم رہی ہے۔ تو دعوت کا کام اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی توحید بیان نہ کی جائے۔

توحید کا بیان، عبادت کا بیان، خالص خدا تعالیٰ کی سورو پکار کا بیان یہ دعوت کی روح اور جان ہے۔ اگر اس روح اور جان سے ہٹ کر ہم دعوت کا کام کریں گے تو وہ دعوت ناقص بلکہ مردہ ہوگی۔

تعبیرِ خواب:

اب آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی اصل غرض و غایت کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں خواب کی تعبیر بتائی۔ کہ تم میں سے ایک شخص کو پھانسی دی جائے گی۔ اور دوسرا اپنی نوکری پر بحال ہو جائے گا۔ تعبیر بتاتے ہوئے بھی آپ نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ پھانسی پانے والے کو متعین نہیں کیا۔ اس طرح نہیں فرمایا کہ تجھے پھانسی ہوگی اور تو بری ہو جائے گا۔ بلکہ اس طرح فرمایا کہ ایک بری ہوگا اور ایک مصلوب ہوگا تا کہ پھانسی پانے والے کی دل شکنی نہ ہو۔

تبلیغ کی ذمہ داری:

حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف دعوت ہی نہیں دی بلکہ بری ہو جانے والے کو علیحدہ بلا کر اس پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی کہ اس مسئلے کو آگے پہنچانا

بھی ہے۔ اس کی تبلیغ دوسروں کو بھی کرنی ہے۔ خاص طور پر بادشاہ مصر تک میری دعوت اور میرا پیغام پہنچانا ہے اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ کہ اپنے آقا کے پاس جاکر میرا تذکرہ کرنا۔ یعنی اس کو بھی یہ مسئلہ بتانا اور اسے بھی اللہ کی توحید سنانا۔

تو ایک داعی کی فقط یہ ذمہ داری نہیں کہ بات پہنچا دے بلکہ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جس کو سنائے اس کو مبلغ بھی بنائے۔ تاکہ چراغ سے چراغ جلتا رہے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپؐ نے اسی بات کو یوں ارشاد فرمایا تھا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ خبردار سن لو! جو موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ دوسروں تک بات پہنچائیں۔

آپؐ کے اسی فرمان اور ترغیب کا اثر ہے کہ آج تک علماء امت اور مبلغین یہ کام کرتے چلے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں دعوت دینے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

۸:- ادعیہ موسیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ھٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ وَاَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّ نَذْکُرَکَ کَثِیْرًا (سورۃ طٰہٰ)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ان حالات میں ہوئی کہ جب مصر کا مطلق العنان بادشاہ (فرعون) اپنے اقتدار کی ہوس میں پاگل ہو کر بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچے بے دریغ قتل کروا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرما کر اپنی قدرت کاملہ سے ایسے حالات پیدا فرما دیے کہ ان کی پرورش و کفالت کا اہتمام فرعون کی بیوی (آسیہ) نے اپنے ذمہ لے لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ بنی اسرائیل پر ہونیوالے مظالم ان سے دیکھے نہ جاتے تھے' ایک دن ایک ظالم قبطی کو اس کے ظلم کی سزا دینے کے لیے ایک مکہ رسید کیا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پتہ چلا کہ حکومت اس قتل کے بدلے میرے قتل کے درپے ہے تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے وہاں سے نکل کھڑے

ہوئے۔ اور کئی دنوں کا کٹھن سفر کر کے مدین پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے ایک بزرگ اور قابل قدر ہستی کے گھر میں رہائش و ملازمت مل گئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شیخ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ بعدازاں آپ نے شیخ سے اجازت لے کر اپنی بیوی کے ہمراہ وطن واپس آنے کا قصد فرمایا تو شیخ نے بکریوں کا ایک ریوڑ بھی دیا اور ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔ بعض علماء کرام کی رائے ہے کہ شیخ مدین سے مراد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔

وَادیٔ مُقَدَّس:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر کرتے کرتے ایک رات کوہ سینا کے پاس سے گزر رہے تھے تو سخت اندھیرے میں راستہ بھول گئے' اس پریشانی کے علاوہ دوسری پریشانی یہ بنی کہ موسم انتہائی ٹھنڈا تھا۔ شدید سردی آگ کی جستجو پر مجبور کر رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چقماق استعمال کیا مگر سخت خنکی اور نمی کی وجہ سے اس نے کام نہ کیا۔ تیسری پریشانی یہ بنی کہ آپ کی بیوی بیمار ہو گئی اور اسے دردِ زہ شروع ہو گیا۔ آپ نے سامنے کی وادی میں نگاہ دوڑائی تو ایک شعلہ چمکتا ہوا نظر آیا۔ بیوی سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے آؤں۔ سردی سے بچاؤ کا انتظام بھی ہو جائے گا اور اگر وہاں کوئی آدمی مل گیا تو راستے کا کھوج بھی لگ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى (طٰہٰ) کہ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے' میں وہاں جاتا ہوں شاید اس میں

سے تمہارے لیے انگاری لاؤں یا وہاں الاؤ پر کسی راہبر کو پا سکوں۔

جب اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ عجیب آگ ہے۔ درخت پر روشنی نظر آتی ہے مگر نہ تو درخت جلتا ہے اور نہ ہی آگ بجھتی ہے۔ ذرا آگے بڑھے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جوں جوں آگے بڑھتے ہیں آگ دور ہوتی جاتی ہے۔ پھر ذرا خوف سا پیدا ہوا تو پیچھے ہٹے اور یہ دیکھ کر مزید حیران رہ گئے کہ اب وہ آگ قریب آ گئی ہے۔ حیرانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ آواز آئی یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں آپ اپنے جوتے اتار دیں کہ یہ طویٰ کی مقدس وادی ہے۔ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی میں نے تجھے اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے پس میری وحی کو کان لگا کر سنیں۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جو چند منٹ پہلے ایک چرواہے کی حیثیت میں کھڑے تھے اب نبوت کے منصب جلیل پر فائز ہو چکے ہیں۔ چند منٹ پہلے راہ بھول کر کسی راہبر کی تلاش میں تھے اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسروں کا ہادی اور راہبر بنا دیا۔ نبوت کا تاج ان کے سر پر سجا دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ کل تک اونٹوں اور بکریوں کی گلہ بانی کر رہے تھے آج انسانیت کی قیادت ان کے سپرد کر دی گئی۔

مدین جیسے دور افتادہ گاؤں میں زندگی بسر کرنے والا آج مصر جیسے متمدن اور مہذب ملک کی راہنمائی کے لیے نامزد کر دیا گیا۔ فرعون کے خوف سے ڈر کر بھاگ جانے والے کو آج اسی فرعون کی سرکشی اور غرور توڑنے پر مامور کیا جا رہا ہے۔ کجا خانہ بدوش چرواہا اور کجا خداوند قدوس کی سفارت۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

خدا کے فضل کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں اور پیمبری مل جائے

پانچ اشیاء:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا انني انا الله کہ اے موسیٰ میں کائنات کا رب ہوں۔ میں اللہ ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ اشیاء عطاء فرمائیں۔

۱) **عقیدہ توحید:** لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ کہ میرے سوا الٰہ اور معبود کوئی نہیں۔ مالک ومختار کوئی نہیں۔ عالم الغیب' حاضر و ناظر' حاجت روا اور مشکل کشا کوئی نہیں۔ لہذا عبادت میری ہی کیجئے۔ سب زبانی' بدنی اور مالی عبادات کا مستحق میں اور صرف میں ہوں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ ساری کائنات کا مرکز ومحور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ سارے دین' ساری کتب اور ساری وحی کا خلاصہ یہی کلمہ ہے۔ سب انبیاء کرامؑ اسی کلمہ کی خاطر مبعوث فرمائے گئے اور ان کی مرکزی اور بنیادی دعوت یہی کلمہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء) کہ اے پیغمبر! آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے' سب کی طرف یہی وحی فرمائی کہ میرے سوا الٰہ اور معبود کوئی نہیں لہذا میری ہی عبادت کرو۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی اللہ تعالیٰ کا بنیادی اور اولین پیغام یہی بھیجا گیا۔

۲) **نماز:** اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا حکم نماز کا دیا۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ کہ میری یاد کے لیے نماز قائم رکھیں۔

اگر چہ "فَاعْبُدْنِی" (میری عبادت کریں) کے حکم میں نماز بھی داخل ہے مگر اس کو اللہ تعالیٰ نے جداگانہ حیثیت دے کر اس لیے بیان فرمایا ہے کہ ایمان کے بعد دوسری اہم چیز نماز ہے۔ نماز گویا ایمان کی اس اندرونی کیفیت کا ایک خارجی اور نظر آنے والا وجود ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کو ایمان سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ یہاں ایمان سے مراد نماز ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہو رہی ہے کہ آپؐ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (مسلم) کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا ہی فاصلہ ہے۔ یعنی نماز ترک کر دینے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ کے جملہ سے یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ نماز اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ذکر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز ہی کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے نماز ہی کے ذریعہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کا بے انتہاء قرب نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے نماز کو مؤمنین کے لیے معراج قرار دیا گیا ہے۔

۳) **آخرت:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو تیسری چیز دی گئی وہ عقیدہ آخرت ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اور میں اس کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کی محنت اور کوشش کا بدلہ ملے۔

گرامی قدر سامعین! تمام عقائد میں عقیدہ قیامت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ اسلام کے تین بنیادی اور اساسی عقائد میں سے ایک ہے۔ پیغمبر

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیرہ سالہ کی دور میں جن تین عقیدوں پر زور دیا وہ یہ ہیں۔
(ا) توحید۔ (ب) رسالت۔ (ج) قیامت۔

عقیدہ آخرت کا انسانی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر ایک آدمی اس حقیقت کو دل و جان سے تسلیم کرلے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے اور وہاں مجھے اس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کی پوری جزا وسزا ملے گی۔ تو اس تصور سے اس زندگی میں ایک انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ اور وہ حتی الوسع اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرے گا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے عقیدہ وعمل میں خرابی اور کمزوری کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا عقیدہ آخرت کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسپر پختگی نصیب فرمائے۔ (آمین)

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت پر ایمان دو ایسے عقیدے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر انہیں اکٹھا بیان کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ) ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبہ) اس طرز بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ میں ایک خاص مناسبت ہے۔ علماء کرام ان دونوں عقیدوں کو مَبدأ اور مَعاد (یعنی ابتداء وانتہاء) سے تعبیر فرماتے ہیں۔

غور فرمائیں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن تین باتوں کا حکم دیا ہے ایک مبدأ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لانا اور ایک معاد ہے یعنی آخرت اور اس کی تفصیلات پر ایمان لانا۔ اور ان دونوں کے درمیان انسانی زندگی کے لیے لائحہ عمل نماز کو قرار دیا ہے۔

یاد رکھیں! عقیدہ رسالت او ردیگر تمام عقائد ایمان باللہ میں مضمر ہیں کیونکہ جب ایک آدمی اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں ایمان لائے گا تو اس کا حکم ماننے

ہوئے دیگر تمام عقائد کو بھی ماننے پر مجبور ہوگا۔ فافہم وتدبر۔

4) عَصَاء:

ان تین چیزوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے بھی عطاء فرمائے۔ ان میں سے ایک معجزہ عصاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال فرمایا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟

غور فرمائیں! یہ ایک دوستانہ انداز کا خطاب ہے۔ شاید اس انداز خطاب کا مقصد یہ ہے کہ حیرت انگیز مناظر دیکھنے اور کلام الٰہی کے سننے سے ان پر جو ہیبت طاری ہوئی ہے اس کا خاتمہ ہو جائے۔ نیز چونکہ اسی لاٹھی کو اللہ تعالیٰ نے سانپ بنا کر دکھانا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ کیا کہ اچھی طرح دیکھ لو تحقیق کرلو کہ تمہارے ہاتھ میں لاٹھی ہی ہے یا کوئی اور چیز ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً عرض کیا هِيَ عَصَايَ کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں یہی جملہ کافی تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو طول دیتے ہوئے زائد از سوال بھی کچھ باتیں بیان فرمانا شروع کر دیں اَتَوَكَّؤُ عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ کہ میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے درختوں کے پتے بھی جھاڑتا ہوں۔

علماء کرام نے ان زائد جملوں کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عشق ومحبت کا تقاضا ہے کہ جب محبوب مہربان ہو تو بات لمبی کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ قرب اور ہمکلامی سے لطف اندوز ہوا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی شاید اسی وجہ سے سلسلہ کلام کو ذرا دراز فرمایا۔ اور پھر معاً خیال آیا کہ ادب و احترام کا تقاضا ہے کہ مختصر اور جامع بات کی

جائے۔ اس لیے آگے ادب کی رعایت کرتے ہوئے سلسلہ کلام کو مختصر کرتے ہوئے عرض کیا وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی کہ میں اس سے اور بھی بہت سے کام لیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی کہ اے موسیٰ! اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو! فَاَلْقٰهَا موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی فَاِذَا هِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی تو وہ اژدھا بن کر دوڑنے لگا۔

گرامی قدر سامعین! قرآن مجید میں اس سانپ کے بارے میں ایک جگہ تو یہ آیا ہے کَاَنَّهَا جَآنٌّ "جان" عربی زبان میں چھوٹے اور پتلے سانپ کو کہتے ہیں اور ایک مقام پر اسی سانپ کے بارے میں فرمایا گیا ہے فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ اور "ثعبان" کا معنی ہے بڑا اژدھا اور موٹا سانپ۔ اللہ تعالیٰ یہ الفاظ استعمال کر کے اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جسامت اور وجود کے لحاظ سے تو وہ ایک بہت بڑا سانپ تھا مگر تیز رفتاری کے اعتبار سے وہ ایک چھوٹے سانپ کی طرح تھا۔ آپ کی سوٹی دو شاخہ تھی تو اس کی وہی دو شاخیں سانپ کا کھلا ہوا منہ بن گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حیرت زا واقعہ دیکھا تو تقاضائے بشریت گھبرا گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے ہی تھے کہ آواز آئی خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی کہ اس کو پکڑلو اور خوف نہ کھاؤ ہم اس کو اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس تسلی دینے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طمانیت اور سکون قلب حاصل ہو گیا آپ نے بے خوف ہو کر اس کے منہ پر ہاتھ ڈالا تو فوراً وہ پھر دو شاخہ لاٹھی بن گئی۔

۵) یدِبَیضَاء :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پانچویں چیز ید بیضاء والا معجزہ عطاء کیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہوا وَ اضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ اٰیَۃً اُخْرٰی کہ اپنے ہاتھ کو اپنی بغل کے ساتھ ملائیے کہ وہ روشن ہو کر بغیر کسی عیب و مرض کے نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ ہاتھ بغیر کسی بیماری اور تکلیف کے آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ تمہاری نبوت و رسالت کے یہ دو بڑے نشان ہیں۔ یہ تمہارے پیغام کی صداقت کے لیے زبردست موثر ثابت ہوں گے۔ میں تمہارے سر پر نبوت کا تاج سجا کر ہمکلامی اور معجزات عطاء فرما کر تم سے ایک عظیم کام لینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی کہ اب جاؤ فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت دکھاؤ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے۔

پانچ دعائیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عظیم ذمہ داری اور فرض منصبی کو بطریق احسن ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانچ دعائیں مانگیں۔

۱) شرح صدر: آپ کی پہلی دعاء یہ ہے رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ کہ اے اللہ میرے سینہ کو کھول دے۔ اس میں ایسی وسعت عطاء فرما دے کہ وہ علوم نبوت کا متحمل ہو سکے۔ اس میں ایسا حوصلہ عطاء فرما دے کہ نبوت کی ذمہ داری کو بطریق احسن ادا کر سکوں۔ ایسا صبر و عزیمت عطاء فرما کہ مخالفین کے ردعمل کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں۔

گرامی قدر سامعین! شرح صدر ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں حوصلہ، ہمت، جرأت وبسالت، صبر واستقامت وغیرہ سب مفہوم سا سکتے ہیں۔

۲) **تیسیر امر:** آپ کی دوسری دعاء ہے وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ کہ اے اللہ! میرا کام میرے لیے آسان کر دے۔ پہلی دعا کا تعلق اپنی ذات کے ساتھ ہے جبکہ دوسری دعاء کا تعلق اپنے کام کے ساتھ ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی کام کا مشکل ہو جانا یا آسان ہو جانا ہماری تدبیر کے تابع نہیں ہے۔ یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ چاہے تو کسی مشکل سے مشکل کام کو آسان فرما دے اور چاہے تو کسی آسان سے آسان کام کو مشکل بنا دے۔ اس لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اہم کاموں کی ابتداء میں اس قسم کے دعائیہ کلمات کی تعلیم دی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ سے اس کام کے آسان ہو جانے کی درخواست کی گئی ہے۔

آپ کی ایک دعا ہے اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِنَا فِيْ تَيْسِيْرِ كُلِّ عَسِيْرٍ فَاِنَّ تَيْسِيْرَ كُلِّ عَسِيْرٍ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ کہ اے اللہ ہم پر مہربانی فرماتے ہوئے ہر مشکل کام کو آسان فرما دے کیونکہ ہر مشکل کام کا آسان کر دینا تیرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

۳) **حل عقدہ:** وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ کہ میری زبان کی بندش کھول دے تاکہ لوگ میرا کلام سمجھنے لگیں۔ زبان کی بندش کیا تھی؟ اس کے بارے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں۔ مشہور عام بات یہ ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر اس کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ فرعون کو شدید غصہ آیا اور اس نے آپ کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت آسیہ آڑے آئیں اور عرض کرنے لگیں کہ یہ تو ابھی بچہ ہے۔ آپ اس

کی بات کا برا کیوں مناتے ہیں؟ آپ تجربہ کرلیں اس کوتو ابھی تک بھلے برے کی تمیز نہیں ہے۔ چنانچہ ایک طشت میں جواہرات اور دوسرے میں انگارے رکھ کر آپ کے سامنے رکھے گئے۔ خدا کی قدرت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواہرات کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ جبریل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے انگاروں پر ڈال دیا۔ چنانچہ آپ نے ایک انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ جس سے زبان مبارک متاثر ہوگئی۔ اور فرعون کو یقین ہوگیا کہ بچے کا یہ طمانچے والا عمل کسی شرارت پر مبنی نہیں تھا بلکہ بے خبری کی وجہ سے تھا۔ آگ کے اثر کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک میں لکنت سی پیدا ہوگئی تھی جس کو آپ نے عقدہ (گرہ) سے تعبیر کرتے ہوئے رب العزت سے دعاء مانگی وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۔

(۴) طلب وزیر: آپ نے چوتھی دعاء یہ مانگی وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ کہ میرے خاندان میں سے مجھے ایک وزیر بھی عطاء فرما دے۔ وزیر کا مطلب ہے بوجھ اٹھانے والا۔ وزیر کو وزیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امور سلطنت میں بادشاہ کا کام بٹاتا ہے۔ وزیر اگر اچھے ہوں تو یہ بادشاہ اور حکومت کی خوش نصیبی ہوتی ہے اور اگر وزیر برے ہوں تو سلطنت تباہ ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی نبوت کا کام بٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے وزیر مانگا اور وزیر بھی ''مِّنْ اَهْلِيْ'' اپنے خاندان میں سے مانگا۔ کیونکہ خاندانی آدمی کے اخلاق و عادات معلوم ہوتے ہیں اور اس سے ملیک یگانگت' الفت اور مناسبت ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو عمومی بات فرمائی اور پھر اس عموم کو مخصوص اور متعین کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔ هٰرُوْنَ اَخِيْ وزیر بھی ہارون ہو

اور ہارون بھی وہ جو میرا بھائی ہے۔ اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ اس کے ذریعہ میری کمر کو مضبوط فرما۔ یعنی مہمات رسالت میں وہ میرا معین و مددگار ثابت ہو۔

۵) اعطاء نبوت: آپ کی پانچویں دعاء یہ تھی اَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ کہ ہارون علیہ السلام کو میرے کام میں شریک فرما۔ یعنی ان کو بھی نبوت و رسالت سے سرفراز فرما۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی دعاء اگر کسی نے کسی کے لیے مانگی ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعاء ہے جو انہوں نے اپنے بھائی کے منصب نبوت پر فائز ہونے کے لیے مانگی تھی۔ چونکہ اس وقت سلسلہ نبوت جاری تھا اس لیے ان کا یہ دعاء مانگنا درست تھا۔ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعاء اپنے لیے یا کسی کے لیے مانگنا حرام ہے۔ پھر اس دعائی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا کہ اس طرح ہم کثرت سے تیری تسبیح و ذکر کریں گے۔ یعنی جب دونوں اللہ والے ہوں گے تو ذکر و تسبیح کا ماحول بن جائے گا۔ (ذکر و تسبیح میں ماحول کے سازگار ہونے کو بہت بڑا دخل ہے) اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔

قُبولیّتِ اَدعیہ:

اللہ تعالیٰ کی اپنی شان ہے کہ وہ جب چاہے جس کی چاہے دعاء قبول کرلے۔ نہ چاہے تو قبول نہ کرے، کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ فعال لمایرید ہے۔

اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر نیک لوگوں کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرنے کا پابند نہیں ہے۔ بس قبول کرے

تو اس کی مہربانی اور اس کا احسان ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر اپنی امت کے لیے بڑی طویل دعاء مانگی اور پھر صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا سَأَلْتُ رَبِّيْ ثَلَاثًا فَاَعْطَانِيْ ثِنْتَيْنِ وَ مَنَعَنِيْ وَاحِدَةً کہ میں نے اپنے پروردگار سے تین باتوں کا سوال کیا تھا۔ دو باتیں اللہ تعالیٰ نے منظور فرمالیں اور ایک منظور نہیں کی۔ سَأَلْتُ رَبِّيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِالسَّنَةِ فَاَعْطَانِيْهَا میں نے سوال کیا تھا کہ میری امت کو یکبارگی قحط سے ہلاک نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعاء منظور فرمالی۔ وَسَأَلْتُهُ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِالْغَرَقِ میں نے سوال کیا تھا کہ میری امت کو یکبارگی سیلاب سے غرق نہ کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو بھی قبول فرمالیا وَسَأَلْتُهُ اَنْ لَّا يَجْعَلَ بَاْسَهُمْ بَيْنَهُمْ اور میں نے سوال کیا تھا کہ میری امت آپس میں لڑائی نہ کرے فَمَنَعَنِيْهَا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے روک دیا۔ (مشکوٰۃ)

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کی شان رحمت دیکھیے کہ اس نے اس موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کی پانچوں دعاؤں کو قبول فرمالیا۔ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى فرمایا کہ اے موسیٰ آپ کی مانگی ہوئی سب چیزیں آپ کو دے دی گئیں۔

پانچ احسانات:

پانچوں دعائیں قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے پانچ احسانات کا تذکرہ فرمایا کہ میرے پیغمبر! آج تو آپ مانگنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ہاتھ پھیلانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ میں نے تو آپ پر بن مانگے بھی کتنی مہربانیاں [illegible] ئی ہیں! وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى آپ پر ہم نے ایک بار اور بھی احسان کیا تھا۔

پہلا احسان:

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي کہ جب ہم نے تیری ماں کو حکم بھیجا تھا جو تمہیں بتایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھو اور پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا اور میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھا لے گا۔ اور اے موسیٰ! میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تا کہ تم پر مہربانی کی جائے اور تا کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جبکہ فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لیے ان کی والدہ اور خاندان والے ان کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح اس بچے کو لوگوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں۔ بہر حال کچھ عرصہ تک تو ان کو چھپا کر رکھا گیا' مگر فرعون کا سراغ رسانی کا نظام اتنا حساس تھا کہ زیادہ دیر تک بچے کو چھپانا ممکن نہ رہا۔ اس وقت ان کی والدہ کی جو حالت تھی وہ ناقابل بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ان کے دل میں القاء کیا کہ ایک صندوق بنا کر بچے کو اس میں رکھ کر دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دیں۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ علاوہ ازیں اپنی بڑی بیٹی کو کہا کہ وہ دریا کے کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے۔ خدا کی قدرت کہ وہ صندوق تیرتے تیرتے شاہی محل کے کنارے آ لگا اور فرعون کے گھرانے میں سے ایک عورت نے اسے اٹھا لیا۔ پھر انہوں نے جب صندوق کھولا تو دیکھا کہ ایک حسین

بچہ اپنا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ فرعون کی بیوی کے دل میں تو اس بچہ کی محبت گھر کر گئی۔ اس نے اس بچہ سے بہت محبت اور پیار کیا۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا بچہ ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی بچہ ہو جو ہماری حکومت کا تختہ الٹنے کا سبب بنے۔

اب فرعون اور اس کی فوج بچہ کے قتل کے درپے ہوئی تو فرعون کی بیوی آڑے آ گئی اور کہنے لگی کہ اس پیارے بچے کو قتل نہ کرو۔ کیا عجب کہ یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور یہ ہمارے لیے نفع مند ثابت ہو۔ اس طرح وقتی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سر پر سے خطرہ ٹل گیا۔ اور فرعون کے گھر والوں نے ان کی پرورش کا پروگرام بنالیا۔

دوسرا احسان:

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَنْ یَّکْفُلُہٗ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُھَا وَلَا تَحْزَنَ۔ جب تمہاری بہن فرعون کے گھر گئی اور کہنے لگی کہ میں تمہیں ایک ایسی عورت نہ بتاؤں جو اس کی پرورش کرے تو اس طرح سے ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائے۔

گرامی قدر سامعین! یہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوسرا احسان ہے۔ فرعون کے گھر میں اب یہ سوال اٹھا کہ اس بچہ کی دودھ پلائی مقرر کی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بچے کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کسی عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار ہی نہیں۔ وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ الخ۔ شاہی دایاں تھک کر بیٹھ گئیں، مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے پستان سے منہ تک نہیں لگایا۔

موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ سارا معاملہ دیکھا تو کہنے لگی هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں؟ کہ تمہارے لیے اس بچے کی پرورش کریں اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا یہ کہنا تھا کہ فرعون کی کنیزوں نے اس کو اسی شبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا عزیز خاص ہے جو اتنے وثوق سے کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اس کے خیر خواہ ہیں۔ اس نے بڑی مشکل سے ان کو ٹالا کہ میری مراد تو یہ تھی کہ وہ لوگ شاہی دربار سے منفعت کی امید میں اس کی خیر خواہی کریں گے۔

چنانچہ فرعون کی بیوی نے اس کو وہ دایہ لانے کا حکم دیا' وہ جلد از جلد گھر گئی اور والدہ کو لے آئی۔ والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو سینے سے لگایا تو وہ دودھ پینے لگے۔ اس طرح پورے دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ فرعون کی بیوی نے گزارش کی کہ آپ یہاں رہ کر میرے اس بچے کو دودھ پلائیں میں تمہیں ہر قسم کا خرچ مہیا کروں گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کہنے لگیں کہ میں تو اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔ ہاں اگر آپ راضی ہوں تو بچہ میرے سپرد کر دیں میں اس کو اپنے گھر رکھ کر دودھ پلاؤں گی۔

اہلیہ فرعون کو مجبوراً یہ بات ماننی پڑی اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کو اپنے گھر لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ کہ اس طرح ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔

تیسرا احسان:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا اور اے موسیٰ تو

نے ایک آدمی کو مار دیا تھا تو ہم نے تجھے اس غم سے بچایا اور ہم نے تجھے بہت سی آزمائشوں سے گزارا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہانہ اعزاز و اکرام میں پرورش پاتے پاتے بالآخر جوان ہو گئے۔ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں چنانچہ بنی اسرائیل پر مظالم ہوتے دیکھ کر ان کا دل کڑھتا تھا۔ ایک دن ایک قبطی نے ایک اسرائیلی پر ظلم و تشدد کیا تو اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فریاد کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری کو ہر چند اس ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر آپ نے تادیباً اسے ایک مکّہ رسید کیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ اسی وقت مر گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چونکہ یہ نیت نہیں تھی اس لیے اس پر بہت زیادہ افسوس کیا۔ اور اللہ سے معافی کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو معاف کر دیا۔ ادھر شہر میں مصری کے قتل کی خبر شائع ہو گئی مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا۔ حکومت نے سراغ رسانی کے محکمہ کو متحرک کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ دوسرے دن وہی اسرائیلی ایک اور مصری سے جھگڑ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر آج بھی اس نے دادرسی کی درخواست کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناگواری محسوس کی۔ اور اس اسرائیلی کو جھڑکا کہ کل بھی تیرا جھگڑا تھا آج بھی تیرا ہی جھگڑا ہے۔ اسرائیلی سمجھا کہ شاید آج مجھے مکہ ماریں گے اس نے آواز بلند کہہ دیا اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ کہ جس طرح تم نے کل ایک قبطی کو ہلاک کر دیا تھا اس طرح آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟

اب تو راز فاش ہو گیا کہ مصری کے قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ فرعون نے اپنی فوج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کر کے قتل کرنے پر مامور کر دی۔ دربار میں ایک شخص موسیٰ علیہ السلام سے ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے فوراً

آپ کو اطلاع کر دی۔ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ کہ اے موسیٰ! دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سن کر فوراً شہر سے نکل گئے اور مدین کی طرف رخ پھر گیا۔ اگر چہ راستہ سے ناواقف تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے چلتے رہے۔ اور شہر مدین کے قریب پہنچ گئے۔

مُختلف آزمائشیں:

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جملہ ارشاد فرمایا ہے وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا کہ ہم نے آپ کو بہت سی آزمائشوں میں سے گزارا۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ پانچ دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایسے حالات آئے کہ گویا وہ موت کے منہ سے بچ نکلے۔

۱) ایک موقعہ تو وہ تھا کہ جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں آئے تو والدہ پر رنج و غم طاری ہو گیا کہ اب یہ بچہ قتل کر دیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ ان کے قتل کا منصوبہ تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو الہام کر کے ایک ترکیب بتائی۔

۲) دوسرا موقعہ وہ تھا کہ جب آپ کا صندوق فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تو فوراً سپاہی قتل کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کے دل میں ان کی محبت ڈال کر ان کو بچا لیا۔

۳) تیسرا موقعہ وہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ہمدردی کا اظہار کیا تو اس کو شبہ میں پکڑ لیا گیا کہ یہ عورت اس بچے کی کوئی قریبی رشتہ دار ہے

قریب تھا کہ راز فاش ہو جائے' مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی بہن کو مضبوط رکھا۔ اور بات ٹل گئی۔

۴) چوتھا موقعہ وہ تھا کہ بچپن میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا تو اہل دربار نے فرعون کو مشتعل کیا کہ ایک بچے سے یہ غیر معمولی واقعہ رونما ہونا دلالت کرتا ہے کہ کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو جو تیری حکومت کے خاتمہ کا سبب بنے گا۔ فرعون نے اس وقت پھر اس بچے کو قتل کرنے کے آرڈر جاری کر دیے۔ مگر اہلیہ فرعون نے اس کا رخ پھر دیا کہ یہ تو بچے کی غیر شعوری حرکت ہے۔ اس کا کیا اعتبار!

۵) پانچواں وہ موقعہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی مارا گیا اور پھر یہ راز فاش ہو گیا۔ فرعون نے اس وقت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے آرڈر جاری کر دیے۔ مگر ایک خیر خواہ نے بروقت اطلاع دے دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

چوتھا احسان:

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى اور اے موسیٰ پھر تم کئی سال تک مدین میں ٹھہرے رہے۔ پھر ایک خاص وقت پر جو میرے ہاں مقدر تھا تم یہاں آئے۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا چوتھا احسان ہے کہ جب آپ اپنے قتل کا منصوبہ سن کر شہر سے نکل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا رخ مدین کی طرف پھیر دیا۔ آپ کا یہ سفر بڑی عسرت اور تنگی میں طے ہوا۔ درختوں کے پتے کھا کر آپ گزارا کرتے رہے۔ آپ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے' مگر آپ اللہ کے توکل پر چلتے رہے۔ بالآخر جب آپ مدین کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک

کنویں پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگ جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دولڑکیاں ذرا فاصلے پر اپنے جانوروں کو روک کر کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہاں بھی وہی ظلم و جبر کا دور دورہ ہے۔ آپ نے آگے بڑھ کر ان لڑکیوں سے وجہ دریافت کی کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟ انہوں نے اپنی کمزوری اور مجبوری بتائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوش آ گیا۔ آپ نے آگے بڑھ کر مجمع کو پیچھے ہٹایا اور بڑا ڈول تنہا کھینچ کر ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ اور پھر خود آ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ آپ نے اس وقت بڑے درد اور دلسوزی کے ساتھ اپنے اللہ کو پکارا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کہ اے میرے پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو میرے اوپر اپنی نعمت نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان لڑکیوں نے آپ کا تذکرہ اپنے والد گرامی (حضرت شعیب علیہ السلام) سے جا کر کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کو بلا بھیجا اور آپ کی ساری آپ بیتی سنی تو فرمایا لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں، تم ظالموں سے بچ گئے ہو۔

بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کو رہائش بھی دے دی اور کام بھی دے دیا۔ اس طرح کئی سال تک آپ مدین میں ٹھہرے رہے۔ بعد ازاں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی بھی آپ کے نکاح میں دے دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا آپ پر بے پایاں احسان ہوا کہ بے خوف و خطر زندگی کا ایک حصہ گزارا۔ اور ہر قسم کی سہولیات آپ کو میسر رہیں۔

بعد ازاں آپ نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اپنے وطن کا قصد فرمایا اور وادی مقدس میں آگ دیکھنے کا واقعہ پیش آیا۔

پانچواں احسان:

وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِی اور اے موسیٰ میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا یعنی آپ کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا پانچواں احسان ہے کہ وادی مقدس میں انہیں اپنی تجلیات دکھائیں اور شرف ہمکلامی عطا کرتے ہوئے نبوت کا تاج ان کے سر پر سجایا۔ آپ جب وادی مقدس میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں۔ پس آپ اپنے جوتے اتار دیں کیونکہ یہ ایک مقدس وادی ہے۔ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اور اے موسیٰ میں نے تجھے چن لیا ہے۔ تجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا ہے پس جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنیں۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر ان پر احسان عظیم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ دعاؤں کے مقابلے میں اپنے پانچ احسانات بیان کر کے ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ آج تو آپ دعا مانگ رہے ہیں رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ کہ اے رب میرا سینہ کھول دے مجھے ہمت و صبر عطا فرما۔ وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب آپ کی پیدائش کے بعد ہم نے آپ کی والدہ کا دل مضبوط کیا اور اسے صبر و ہمت عطاء فرمائی کہ اس نے تجھے صندوق میں بند کر کے اللہ کے توکل پر دریا میں ڈال دیا۔

آج تو آپ دعا مانگ رہے ہیں وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ کہ اے اللہ میرا کام میرے لیے آسان فرما دے۔ وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب میں نے فرعون کے گھر میں آپ کو شانِ محبوبیت عطاء فرما کر آپ کو آپ کی والدہ کے پاس پہنچنا آسان کر

دیا تھا اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

آج تو آپ دعا مانگ رہے ہیں کہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ کہ مجھے کوئی وزیر، سنگی ساتھی عطاء فرما دے۔ وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب آپ مدین کے کنویں پر بے یارو مددگار بیٹھے تھے۔ آپ کا کوئی جاننے والا وہاں نہ تھا۔ تو میں نے کس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں آپ کے قیام و طعام کا بندوبست کر دیا اور پھر کس طرح وہاں آپ کی شادی کا انتظام کروا کر ان سب گھر والوں کو آپ کا اپنا بنا دیا۔ اور آپ کو زندگی بھر کا رفیق (بیوی) عطاء فرما دیا۔

آج تو آپ دعا مانگ رہے ہیں اَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطاء فرما۔ وہ وقت بھی یاد کرو جب آپ کوہ طور کے قریب راستہ بھولے کھڑے تھے میں نے آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھ کر آپ کو لوگوں کا راہبر اور راہنما بنا دیا۔

اِذْھَبْ اَنْتَ وَاَخُوْکَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی الخ پس اب تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا۔ ڈرنا نہیں ہے اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا ہوں۔

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بعد پھر دونوں بھائی فرعون کو دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے اور اسے اللہ کی توحید کا پیغام سنایا اور اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

۹:- قرآنی تقاریر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (سورۃ انبیاء) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا عقیدہ تمام عقائد کی روح اور جان ہے۔ توحید کا مضمون اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ جب بھی کسی نے اس مسئلہ پر تقریر کی اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ کر لیا۔ اور پھر امت محمدیہ کی تذکیر کے لیے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ اگر آپ قرآن مجید کے اندر غور کریں تو مختلف انبیاء کرام کی تقاریر و بیانات آپ کو چمکتے ہوئے نظر آئیں گے۔

انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کو یقیناً مختلف موضوعات پر وعظ فرمایا ہو گا۔ انہیں اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی ہوگی' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تقریر کا وہ حصہ جو توحید پر مشتمل تھا اسے دوام بخشتے ہوئے قرآن بنا کر پیش کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو اولین خطاب کیا اللہ تعالیٰ نے اسے یوں بیان فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (مومنون) کہ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم

کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے فرمایا اے میری قوم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

☆ اس طرح حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (ہود) کہ ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

☆ حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا قَالَ یٰا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (ہود) کہ ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

☆ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (ہود) کہ ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! ہر نبی کی توحید والی تقریر کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح قرآن میں جگہ دے دی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ ہر نبی کی بنیادی تقریر، اولین بیان یہی توحید والا مسئلہ تھا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء) کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھی بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔ علاوہ ازیں بعض انبیاء کرامؑ کی تقاریر کو اللہ تعالیٰ نے ذرا مفصل انداز میں بیان فرمایا۔

حضرت ابراھیمؑ کی تقریر:

جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر فرمایا ہے۔ آپ نے ایک موقعہ پر اپنی قوم کے سامنے مسئلہ توحید پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس انداز میں فرمایا فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰی كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (انعام) یعنی جب رات چھا گئی تو آسمان پر ایک ستارہ نظر پڑا فرمایا کیا یہ میرا پروردگار ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا اس پر زوال آ گیا تو فرمایا کہ مجھے غروب ہو جانے والے پسند نہیں۔ اسی طرح آپ نے چاند اور سورج کی طرف قوم کی توجہ مبذول فرمائی اور جب وہ بھی غروب ہو گئے تو قوم کو مسئلہ سمجھایا کہ جو غروب ہو جائے' جس پر زوال وافول آ جائے وہ رب نہیں ہو سکتا۔ میں تو ان سب سے جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو بیزار ہوں۔ میں تو اس ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

پھر جب آپ نے اپنے باپ کے سامنے مسئلہ توحید بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرما دیا۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِیْ عَنْكَ شَيْئًا (مریم) کہ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی آپ کے کچھ کام آ سکتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے والد نے اس ضمن میں آپ سے کیا سلوک کیا! انتہائی غضب ناک ہوا' دھمکیاں دیں حتیٰ کہ گھر سے نکال دیا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کا گھر چھوڑنا گوارہ کر لیا' رب کا در نہ چھوڑا۔

ایک موقعہ پر آپ نے وقت کے بادشاہ نمرود کو اللہ کی ربوبیت و توحید کی دعوت دی تو قرآن نے اسے بھی بیان فرمایا ہے اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ الخ آپ نے ارشاد فرمایا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ اپنی بد دماغی اور کور باطنی کی وجہ سے اس دلیل کی تہہ تک نہ پہنچ سکا اور کہنے لگا کہ یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ آپ نے انداز بدلتے ہوئے ارشاد فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ کہ میرا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ پھر وہ کافر مبہوت ولاجواب ہو کر رہ گیا۔

حضرت یعقوبؑ کی وصیت:

آپ نے بوقت وفات اپنے بیٹوں سے یہی سوال فرمایا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ کہ میرے بعد عبادت کس کی کرو گے؟ بیٹوں نے اللہ واحد کی عبادت کرنے کا وعدہ فرمایا تو آپ مطمئن ہو گئے۔ مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ وصیت و نصیحت اسقدر پسند آئی کہ آخر پیغمبر علیہ السلام پر اُسے قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔

حضرت یوسفؑ کی تقریر:

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ کے اندر جیل والوں سے ہزاروں باتیں کی ہونگی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ گفتگو جو مسئلہ توحید پر مشتمل تھی قرآن بنا کر آخری پیغمبر پر نازل فرما دی۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف) کہ اے جیل کے ساتھیو! کیا

علیحدہ علیحدہ رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ تعالیٰ بہتر ہے جو غالب ہے۔
(حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعوت اسی کتاب میں مستقل عنوان کے تحت مفصل بیان کی گئی ہے)

حضرت موسیٰ کی تقریر:

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے فرعون کے دربار میں جا کر علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت کا بیان فرمایا' تو فرعون نے سوال کیا فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو شکل وصورت بخشی اور پھر راہ دکھائی۔

گرامی قدر سامعین! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں۔ اگر آپ غور فرمائیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آپ کی دعوت کا بھی بنیادی نکتہ اللہ کی توحید کا مسئلہ ہی تھا۔

حضرت عیسیٰ کی تقریر:

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (مائدہ) کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی' اور جان لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

گرامی قدر سامعین! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے توحید پر مشتمل یہ گفتگو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے قرآن کریم میں ثبت کر دی کہ اس میں اللہ کی

توحید اور شرک کی تردید کا بیان ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مہد والی تقریر نقل فرمائی ہے اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (مریم) کہ بے شک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک بیان نقل فرمایا ہے جو آپ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی صفائی کے طور پر دیں گے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ مَاقُلْتُ لَھُمْ اِلَّامَآاَمَرْ تَنِیْ بِہٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ وَ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ (مائدہ) کہ اے اللہ! میں نے تو ان سے وہی کچھ کہا ہے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا وہ یہ کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان کی خبر رکھتا رہا پھر جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

اُصحاب کہف کی تقریر:

گرامی قدر سامعین! انبیاء کرام تو انبیاء کرام ہیں۔ ان کی عظمت شان کے کیا کہنے! اللہ تعالیٰ کی توحید کے موضوع پر اگر کسی وقت کسی غیر نبی نے بھی کچھ جملے کہے ہیں تو وہ جملے بھی اللہ تعالیٰ کو اتنے پسند آئے کہ ان کو آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔

- ایک موقعہ پر کچھ موحد نوجوانوں نے وقت کے بادشاہ کے دربار میں اللہ

تعالی کی توحید کا اظہار واقرار کیا تو اللہ تعالی نے ان کے وہ جملے بھی قرآن میں نقل فرما دیے۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنَاهُمْ هُدًى وَ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کہ وہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی اور ان کے دلوں کو مضبوط تر کر دیا تھا اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا جب وہ بادشاہ کے دربار میں کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر نہیں پکاریں گے۔ اگر ایسا کیا تو اس وقت ہم بہت زیادتی کرنیوالے ہوں گے۔ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ یہ ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ بھلا یہ ان کی معبودیت پر کوئی کھلی دلیل پیش کیوں نہیں کرتے؟

گرامی قدر سامعین! اصحاب کہف نے یقیناً بادشاہ کے دربار میں اور باتیں بھی کی ہوں گی، مگر ان کے وہ جملے جو توحید پر مشتمل تھے اللہ تعالی کو اتنے پسند آئے کہ ان کو قرآن میں جگہ دے دی۔

حضرت لقمانؑ کی تقریر:

حضرت لقمان ایک زیرک اور دانا انسان تھے۔ انہوں نے ایک موقعہ پر اپنے بیٹے کو کچھ نصیحتیں فرمائیں اور وہ نصیحتیں کافی تعداد میں تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کم از کم سو نصیحتیں تھیں۔ جو عام کتابوں میں درج ہیں اور "صد پند لقمان" کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر ان کی وہ نصیحت جو اللہ تعالی کی عظمت اور اس کی توحید پر مشتمل تھی اللہ تعالی کو اتنی پسند آئی کہ اس نے اسے قرآن میں اولیت دے کر اس کی اہمیت بیان کر دی۔ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ

بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ (لقمان) اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

حبیب نجار کی تقریر:

سورۃ یاسین میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب قریہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ انطاکیہ کی بستی میں اللہ تعالیٰ نے دین کا پیغام پہنچانے کے لیے تین رسول بھیجے۔ اہل قریہ نے ان رسولوں کی تکذیب کی انہیں منحوس گردانا حتیٰ کی انہیں قتل کی دھمکیاں دیں۔

اس صورت حال کی خبر پا کر بستی کے پرلے کنارے سے ایک آدمی جس کا نام حبیب تھا اور پیشے کے لحاظ سے بڑھئی تھا ان رسولوں کی مدد کے لیے آیا اس نے اپنی قوم کو رسولوں کی اتباع کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کے سلسلہ میں چند جملے بولے اللہ تعالیٰ کو وہ جملے اتنے پسند آئے کہ انہیں قران بنا کر آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرما دیا وَمَالِیَ لَا اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ہستی کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اس کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِہَۃً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا یُنۡقِذُوۡنِ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ (یس) کیا میں اس کے علاوہ اوروں کو الٰہ بنالوں؟ اگر اللہ تعالیٰ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ پس میری بات کان کھول کر سن لو میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں۔

بعد ازاں اُن ظالموں نے اس مردِ مومن کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخلہ دے دیا۔

جنات کی تقریر:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیکورٹی سخت فرما دی اور کسی جن یا شیطان کی جرأت نہ تھی کہ فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں کے قریب تک جا سکے۔ جنات اس صورت حال سے سخت پریشان تھے چنانچہ ان کا ایک بہت بڑا عالمی اجتماع منعقد ہوا جس کی صدارت ابلیس نے کی۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مختلف اطراف واکناف میں جنات کے وفد بھیجے جائیں جو اس بات کی تحقیق کریں کہ دنیا میں کون سا عظیم واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں۔ چنانچہ نصیبین کے نو (۹) جنوں کی ایک جماعت جس کی ڈیوٹی حجاز کے علاقہ میں لگی تھی' بطن نخلہ کے علاقہ میں گشت کر رہی تھی کہ انہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ صحابہ کرامؓ کی معیت میں اس وادی میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے سے قرآن مجید کی آواز سنی۔

ان جنات نے بڑے غور اور ادب و احترام سے قرآن بھی سنا اور اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ فوراً ایمان بھی لے آئے اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کے سامنے ایک رپورٹ پیش کی اور شرک سے علی الاعلان بیزاری کا اظہار کر دیا۔

چونکہ ان کی رپورٹ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر اور شرک کی تردید کا عنوان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی رپورٹ کو قرآن میں جگہ دے دی۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ کہ بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے' سو ہم اس پر ایمان لے آئے وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (جن)

اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت وشان بہت بڑی ہے وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔

ھُد ھُد کی تقریر:

توحید کا مضمون اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اگر کسی موقعہ پر کسی پرندے نے بھی اس موضوع پر چند جملے بولے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی قرآن کی آیات بنا کر پیش کر دیا۔

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں ہُد ہُد پرندے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو ہد ہد کو غائب پایا۔ آپ کو اس کی غیر حاضری پر شدید غصہ آیا۔ کچھ دیر کے بعد ہد ہد آیا تو اسنے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں رزق کی تلاش میں اڑتا اڑتا کسی اور ملک میں چلا گیا جہاں ایک عورت ان پر حکمرانی کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اللہ کی بجائے سورج کی پرستش کرتے ہیں اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر چند جملے بولے۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے وہ جملے اتنے پسند آئے کہ اس نے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر انہیں قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ کہ میں نے دیکھا کہ وہ عورت اور اس کی قوم اللہ تعالیٰ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال آراستہ کر کے دکھائے ہیں اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے پس وہ راستے پر نہیں آئے۔ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وہ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو

آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (نمل) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! توحید کا مضمون اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند ہے؟ کہ جب بھی کسی نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اتنی قدر کی کہ اسے اپنی آخری کتاب میں جگہ دے کر دوام بخش دیا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

☆☆☆☆☆

۱۰:- اِنفاق فِی سَبِیلِ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُھَا وَ اللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورۃ المنافقون)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں وہ ہے "انفاق فی سبیل اللہ"

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی شریعت ایک ایسی کامل اور متوازن شریعت ہے کہ دنیا جس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ اسلام میں اگر ناجائز طریقہ سے دولت کمانے پر پابندی عائد کی گئی ہے تو جائز طریقہ سے دولت کمانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اگر ذاتی وشخصی ملکیت کا جواز رکھا گیا ہے تو ارتکاز دولت کی ممانعت بھی موجود ہے۔ اگر ایک حاجت مند کو دربدر بھیک مانگنے سے منع کر کے قناعت پسندی کا درس دیا گیا ہے تو ایک دولت مند کو اہل حاجت پر خرچ کرنے کا وجوبی حکم بھی موجود ہے۔

گرامی قدر سامعین! یقیناً دنیا کا کوئی کام بھی کرنے کے لیے مال و دولت کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دے کر

ایک ایسا خود کفیل نظام قائم فرما دیا ہے جس سے شجر اسلام کی اپنی جڑیں سیراب ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا دفاعی نظام بھی مضبوط ہو رہا ہے۔ اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد بھی ہو رہی ہے۔ معاشرے میں اصلاحی اور رفاہی کام ہونے کے ساتھ ساتھ ایثار و ہمدردی اور باہمی اخوت و محبت کے جذبات بھی پیدا ہو رہے ہیں اور طمع و بخل اور بغض و عداوت جیسی مہلک امراض کا استیصال بھی ہو رہا ہے۔ فقراء کی حاجات بھی پوری ہو رہی ہیں اور امراء کے درجات بھی بلند ہو رہے ہیں۔

بُخل کی مذمّت:

قرآن و حدیث میں جا بجا دولت مندی کی سب سے بڑی بیماری بخل کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى (اللیل) اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے ہم سختی میں پہنچائیں گے اور جب وہ دوزخ کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا بخل اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

ایک مقام پر فرمایا وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِىُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد) اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اور تم محتاج ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر) اور جو اپنے جی کے لالچ سے بچایا گیا وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

شیطان کی چال:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس چال سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ کہ شیطان تمہیں محتاجی اور فقر سے ڈراتا ہے اور تمہیں بری بات یعنی بخل کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں فرمایا وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ فَضْلاً اور اللہ تعالیٰ تمہیں خرچ کرنے پر تم سے مغفرت کا وعدہ کرتا ہے اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ (البقرہ)

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خِبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ (ترمذی) کہ جنت میں نہ تو دھوکہ باز آدمی داخل ہوگا اور نہ بخیل داخل ہوگا' اور نہ صدقہ کر کے احسان جتانے والا داخل ہوگا۔

ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ کہ سخی آدمی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے' جنت کے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ اور بخیل آدمی اللہ تعالیٰ سے بھی دور ہے' جنت سے بھی دور ہے' لوگوں سے بھی دور ہے اور جہنم کے قریب ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ (مشکوٰۃ) بے شک جاہل سخی بخیل عابد کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔

قابلِ رشک آدمی:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی انتہائی قابل رشک ہیں۔ رَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ مَالاً فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے

مال دیا اور پھر وہ اپنا مال حق کے راستے میں خرچ کر کے ختم کر رہا ہے۔ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (بخاری) دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت عطاء فرمایا اور وہ اس پر عمل کر رہا ہے اور دوسروں کو بھی تعلیم دے رہا ہے۔

ایک حدیث میں اس بات کی وضاحت موجود ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا مَانَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ (ترمذی) کہ کسی بندہ کا مال صدقہ دینے کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کبھی مفلس و نادار نہیں ہوگا' اس کے مال میں برکت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے اسے عطاء فرمائے گا۔

گرامی قدر سامعین! اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے بظاہر مال کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ مال تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لیے جمع ہو جاتا ہے۔ ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں کچھ گوشت موجود تھا آپ نے حضرت عائشہؓ کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے فرمایا' کچھ دیر بعد آپ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ عرض کرنے لگیں کہ مَابَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا سب گوشت تقسیم کر دیا گیا ہے۔ صرف یہ ایک شانہ باقی بچ گیا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا عائشہ! باقی تو وہی ہے (یعنی بقاء تو اسی کو ہے) جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ ہوگیا بَقِيَ كُلُّهَا اِلَّا كَتِفُهَا۔ (مشکوٰۃ) یعنی جو خود کھا لیا ہے وہ تو فانی ہے۔ باقی رہنے والا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے خزانے میں جمع ہوگیا۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا بندہ کہتا ہے "مَالِيْ مَالِيْ" میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ

صرف تین چیزیں ہیں۔

ا) مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى جو اس نے کھا کر ختم کر دیا

ب) اَوْلَبِسَ فَاَبْلٰى دوسرا وہ جو اس نے پہن کا پرانا کر دیا۔

ج) اَوْاَعْطٰى فَاَقْتَنٰى تیسرا وہ جو اس نے راہ خدا میں دے کر ذخیرہ کر لیا۔

وَمَا سِوٰى ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ (مسلم) اور اس کے سوا جو کچھ ہے اسے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ وہ سب مالِ اغیار ہے اور یہ محض چوکیدار ہے۔

فرشتوں کی دعاء:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے آسمان سے اتر کر دعا کرتے ہیں ایک کہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو مزید عطاء فرما۔ دوسرا کہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (مشکوٰۃ) کہ اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کا مال برباد فرما۔

چونکہ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی اللہ نے لگائی ہے اس لیے ان کی دعاء یقیناً قبول ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم کی مختلف تعبیرات:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف تعبیرات اختیار فرما کر انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ارشاد فرمائی ہے۔

☆ کسی مقام پر تو یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارا ہے ہی نہیں یہ مال درحقیقت اللہ کا مال ہے۔ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران) لہٰذا اللہ کا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو۔

☆ کسی مقام پر فرمایا کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر و ایسا نہ ہو کہ بوقت موت پچھتاوا ہو۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. یعنی جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے مرنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو ایسا نہ ہو کہ بوقت موت پچھتاتے ہوئے کہنے لگو کہ اے اللہ! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (منافقون) اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر گز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

☆ کسی مقام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو قرضہ دے دو اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (تغابن) اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ تمہیں اس کا دو چند عطاء کرے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ قدر شناس اور بردبار ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ) کوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ عطاء فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ہی رزق کو تنگ کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا کہ جو آدمی ایک نیکی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کا دس گنا اجر عطاء فرمائیگا۔

حضرت عثمانؓ کا واقعہ:

بعض روایات میں ہے کہ ایک دفعہ دور صدیقی میں سخت قحط پڑ گیا کھانے کی کوئی چیز قیمتاً بھی نہیں مل سکتی تھی۔ لوگ انتہائی پریشان اور خستہ حال تھے کہ انہیں دنوں ملک شام سے حضرت عثمان غنیؓ کا مال تجارت آنے کی خبر مشہور ہو گئی۔

مدینہ منورہ کے بیوپاری اور تاجر بڑے خوش ہوئے کہ اب حضرت عثمانؓ سے مال خرید کر مہنگے داموں فروخت کر کے خوب نفع کمائیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ مال کی خریداری کے لیے آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپؓ نے پوچھا بتاؤ تم مجھے کتنا نفع دینے کے لیے تیار ہو؟ وہ کہنے لگے ہم آپ کو دوگنا قیمت دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا قَدْ زَادُوْنِیْ مجھے تو اس سے زیادہ ملتا ہے۔ تاجروں نے باہم مشورہ کیا اور کہنے لگے تین گنا رقم لے لیں۔ آپؓ نے پھر فرمایا قَدْزَادُوْنِیْ مجھے تو اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ تاجر سمجھے کہ حالات واقعی انتہائی ناگفتہ بہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم سے پہلے آ کر کوئی اس سے زیادہ کی پیش کش کر گیا ہو۔

چنانچہ انہوں نے کہا ہم چار گنا دیتے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کا پھر وہی جواب۔ وہ کہنے لگے پانچ گنا۔ آپؓ نے پھر فرمایا قَدْزَادُوْنِیْ. اب تاجر حیران ہو کر سوال کرنے لگے کہ ہمارے سوا تو مدینہ منورہ میں اور کوئی بڑا تاجر ہے نہیں۔ آخر وہ کون ہے جو آپ کو اتنا منافع دیتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا مجھے تو ایک کے بدلے دس گنا ملتا ہے أَعِنْدَكُمْ زِيَادَةٌ کیا تم اس سے زیادہ دینے کے لیے تیار ہو؟ وہ کہنے لگے بتائیں تو سہی وہ ہے کون؟ آپؓ نے فرمایا وہ میرا اللہ ہے جس کا اعلان ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. پھر فرمایا اے تجارِ مدینہ! تم بھی گواہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ بھی گواہ ہے۔ میں نے یہ سارا مال فقراء مدینہ کے لیے

صدقہ کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے وہ سارا مال فقراء میں تقسیم کر دیا۔ حتیٰ کہ خالی بوریاں اور باردانہ بھی صدقہ کر دیا۔

بعد ازاں سب اونٹوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بھی تقسیم فرما دیا اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک دانہ بھی نہ رکھا (الرقہ)۔

حضرت علیؓ کا واقعہ:

ایک دفعہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سائل آیا۔ آپ کے گھر میں اس وقت کسی شدید ضرورت کے پیش نظر چھ درہم رکھے تھے۔ آپ نے اپنی ضرورت کی پرواہ نہ کی اور حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ جاؤ اپنی ماں (حضرت فاطمہؓ) سے کہو کہ ان میں سے ایک درہم دے دیں تاکہ اس سائل کو دیا جا سکے۔ حضرت حسینؓ گئے اور واپس آ کر فرمایا کہ اماں جان نے کہا ہے کہ شاید آپ کو یاد نہیں رہا۔ یہ چھ درہم تو آپ نے ایک خاص ضرورت کے لیے رکھوائے تھے۔ آپؓ نے فرمایا کہ جب تک انسان کو اپنے اللہ کے فرمان پر اعتماد نہ ہو اس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ جاؤ اپنی والدہ سے کہو کہ وہ سارے درہم بھیج دیں۔ چنانچہ آپ نے وہ سارے درہم منگوا کر اس سائل کو دے دیے۔

ابھی آپ وہاں ہی تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی وہاں سے گزرا جو ایک اونٹ بیچنا چاہتا تھا۔ آپ نے اس سے قیمت پوچھی تو وہ کہنے لگا ایک سو چالیس (۱۴۰) درہم۔ آپؓ نے قیمت قبول فرما کر وہ اونٹ خرید کر باندھ لیا اور اونٹ والے کو کہا کہ تھوڑی دیر کے بعد آ کر قیمت لے جانا۔ اتنے میں ایک اور آدمی آیا اس نے پوچھا کہ یہ اونٹ بکاؤ ہے؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا ''ہاں'' کہو تم کیا دیتے ہو؟ اس نے اونٹ کو بغور دیکھا اور کہنے لگا دو سو درہم منظور ہیں؟ آپؓ نے یہ قیمت منظور فرماتے ہوئے اس سے لے لی اور وہ آدمی اونٹ کھول کر چلا گیا۔ پھر آپؓ

نے اس شخص کو بلوایا جس سے اونٹ خریدا تھا اسے ایک سو چالیس درہم ادا کیے اور بقیہ ساٹھ درہم گھر بھیج دیے۔

حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ ابھی تو چھ درہم بھیجے تھے اور ساٹھ درہم آ گئے؟ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ گھر تشریف لائے اور یہ عقدہ کھولا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ہم نے چھ درہم اللہ کے راستے میں خرچ کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق دس گنا بغیر کسی محنت و مشقت کے عطاء فرما دیے (حیاۃ الصحابہ)

محبوب چیز کا صدقہ:

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اصل صدقہ یہی ہے کہ آدمی اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز اپنی ضرورت کے باوجود اس کے راستہ میں دے دے۔ ضرورت سے زائد یا نکمی چیز دینا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ الخ (بقرہ) اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں عمدہ چیزیں خرچ کرو۔ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے باسی گوشت صدقہ کرنا چاہا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کو تم خود کھانے کے لیے تیار نہیں ہو اسے صدقہ کرتی ہو؟ (مسند احمد)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ پوچھا گیا اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ کہ کونسا صدقہ ثواب کے اعتبار سے عظیم ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى کہ تو ایسی حالت میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو مال کی حرص و رغبت تیرے دل میں موجود ہو اور

خرچ کرنے سے تجھے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو۔ اور نہ کرنے سے مالدار ہونے کی تمنا اور امید ہو۔ پھر آپؐ نے مزید فرمایا وَلَاتُمْهِلْ حَتّٰى اِذَابَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (مشکوٰۃ) اور اس صدقہ کو اس وقت تک مؤخر نہ کر کہ تیری روح حلق تک پہنچ جائے اور تو کہے کہ اتنا فلاں جگہ اتنا فلاں جگہ دے دو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران) کہ اے ایمان والو! جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں محبوب اور پیاری ہیں راہ خدا میں خرچ نہ کرو گے تم کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔

حضرت طلحہؓ کا واقعہ:

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے تمام اموال میں سے مجھے بیرحاء (کھجوروں کا وہ باغ جو مسجد نبوی کے سامنے تھا) سب سے زیادہ محبوب ہے اور پسندیدہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ اس لیے میں اپنا یہ پسندیدہ باغ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ جہاں مناسب سمجھیں اسے صرف فرمائیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی یہ ادا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے اور وہ باغ انہی کے رشتہ داروں میں تقسیم فرما دیا۔

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیت سنی تو اپنے سارے مال و متاع میں غور کیا میں نے دیکھا کہ ان سب میں سے

مجھے سب سے زیادہ محبوب اپنی باندی مرجانہ ہے۔ چنانچہ میں نے اسے محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے آزاد کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کی قمیض:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی کا ارادہ فرمایا تو ان کے لیے ایک نئی قمیض بنوائی کیونکہ ان کی پہلی قمیض انتہائی پرانی اور خستہ تھی۔

ابھی آپؓ کی شادی نہیں ہوئی تھی کہ ایک دن دروازے پر ایک سائل آ گیا اور کہنے لگا اَطْلُبُ مِنْ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ قَمِیْصًا خَلِقًا کہ میری بیٹی کے پاس پہننے کے لیے کوئی قمیض نہیں ہے۔ میں آج نبوت کے گھرانے سے ایک پرانی قمیض کا سوال کرتا ہوں۔ حضرت فاطمہؓ نے سوچا کیوں نہ اپنی پرانی قمیض اس سائل کو دے دوں؟ ابھی آپؓ نے وہ پرانی قمیض دینے کے لیے اٹھائی ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد آ گیا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ آپؓ نے فوراً اپنی نئی قمیض اٹھائی اور اس سائل کو اللہ کی رضاء کے لیے دے دی۔

پھر جب آپ کی شادی کا دن قریب آیا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے لیے جنت سے ریشم کی قمیض لائے جس کی مثال دنیا میں نہ تھی (قصات)

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل سچ ہے وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ (سباء) کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطاء فرمائے گا۔

گرامی قدر سامعین! آپ یہ بات سن چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہوئے شیطان یہ شبہ ضرور ڈالتا ہے کہ تو اس طرح تنگدست ہو جائے گا۔ تیرے حالات کمزور ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

میں اس کا بدل عطاء کرتا ہوں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ اگر اپنے پاس وقتی طور پر مال نہ بھی ہوتا تو قرضہ لے کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ضرور عطاء فرما دیتے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے قرضہ اتارنے کی کوئی شکل پیدا فرما دیتا۔

آپؐ کا عجیب واقعہ:

ایک دفعہ اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کوئی سائل آیا تو آپؐ نے حضرت بلالؓ کو بھیجا کہ کہیں سے قرضہ لے آؤ۔ حضرت بلالؓ ایک یہودی کے ہاں گئے تو اس نے بخوشی قرضہ دے دیا اور کہا کہ آئندہ جب بھی ضرورت ہو بلا تامّل آ جایا کرو۔ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی حضرت بلالؓ کو کسی سائل کی ضرورت پوری کرنے کا حکم دیتے تو حضرت بلالؓ اس یہودی کے پاس جاتے اور اس سے قرضہ لے کر سائل کی ضرورت پوری فرما دیتے۔ اس طرح حضرت بلالؓ پر کافی قرضہ چڑھ گیا۔

ایک مرتبہ حضرت بلالؓ وضو فرما کر اذان کہنے لگے تو وہی یہودی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آ نکلا اور کہنے لگا او حبشی! مہینہ ختم ہونے والا ہے اور تو نے قرضہ ادا نہیں کیا؟ اس طرح وہ یہودی حضرت بلالؓ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور جو منہ میں آیا کہنے لگا حتیٰ کہ اس نے برملا دھمکی دے دی کہ اگر کل تک میرا قرضہ ادا نہ کیا تو میں تجھے اپنے قرضے میں غلام بنا لوں گا اور تو پھر اسی طرح جنگل میں بکریاں چراتا پھرے گا جیسے پہلے چراتا تھا۔

حضرت بلالؓ بیچارے سارا دن سخت پریشان رہے عشاء کی نماز کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں علیحدگی میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا کہ وہ یہودی تو صبح مجھے پکڑ لے گا اور غلام بنا لے گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

مسکرائے اور فرمایا بلال! پھر تو نے کیا سوچا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب اس وقت نہ تو آپ کے پاس ادائیگی قرض کا کوئی فوری انتظام ہے اور نہ میرے پاس۔ اس لیے میں نے تو یہ سوچا ہے کہ جب تک قرضہ اترنے کا انتظام نہ ہو جائے میں کہیں پہاڑوں اور غاروں میں جا کر چھپ جاؤں۔ وہیں درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتا رہوں گا۔ اور جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے اور قرضہ اترنے کا انتظام ہو جائے تو میں واپس آ جاؤں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اب تو جا کر آرام کر۔

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ میں گھر آیا اور ساری رات مجھے نیند بھی نہ آئی کہ کل کیا بنے گا؟ یہی سوچتا رہا کہ صبح ہوتے ہی کہیں نکل جاؤں گا۔ صبح ہونے والی تھی کہ ایک صاحب مجھے بلانے کے لیے دوڑتے ہوئے آئے اور کہا رسول اللہ ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں فوراً خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چار اونٹنیاں سامان سے لدی ہوئی مسجد کے دروازے کے باہر بیٹھی ہیں۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا یہ اونٹنیاں دیکھتے ہو؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے تیرے قرضے کی ادائیگی کا انتظام فرما دیا ہے۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور سامان بھی تیرے حوالے۔

فرماتے ہیں میں فوراً اس یہودی کے گھر پہنچ گیا' وہ ابھی سو رہا تھا' میں نے اس کے دروازے پر دستک دی تو گھبرا کر اٹھا اور کہنے لگا کون ہے؟ کیا بات ہے؟ میں نے کہا بات کیا ہے' میرے ساتھ چل اور اپنا قرضہ واپس لے لے۔ اس طرح فجر کی نماز سے پہلے پہلے میں قرضہ سے سبکدوش ہو گیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپؐ نے پوچھا کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا بہت سا سامان ابھی باقی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے بلال! اسے بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کر

دے تا کہ میرے دل کو راحت پہنچے اور فرمایا اَنْفِقْ یَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالاً اے بلال کھلے دل سے خرچ کرتا جا' عرش والے سے تنگدستی کا خوف نہ کر۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ اس روز سارا دن میں وہ مال غرباء میں تقسیم کرتا پھرتا رہا پھر بھی عشاء کے وقت کچھ مال باقی تھا۔ پیغمبر علیہ السلام نے عشاء کے وقت پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ بعض ضرورت مند نہیں ملے ابھی کچھ سامان باقی ہے۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ اس رات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر تشریف نہ لے گئے اور مسجد میں ہی سو گئے اور فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ میرے پاس مال موجود ہو اور میں گھر میں بیویوں کے ساتھ رات گزاروں۔ چنانچہ میں نے دوسرے دن جلد ہی وہ مال راہ خدا میں خرچ کر کے آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. (ابوداؤد)

سات سو گنا اضافہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (البقرہ) کہ ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ' کہ اس سے سات خوشے پیدا ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے نہایت بخشش کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والے کا اجر و ثواب ایک سے لیکر سات سو تک پہنچتا ہے۔

اس کی ایک زندہ مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گندم کا ایک دانہ کاشت

کرے' پھر اس دانے سے گندم کا پودا نکلے' جس میں سات خوشے ہوں اور ہر خوشہ میں سو دانے ہوں تو گویا ایک دانے سے سات سو دانے حاصل ہو گئے۔

جس طرح گھر میں پڑی ہوئی گندم میں سے کچھ گندم ایک کاشتکار جا کر زمین میں بکھیر دیتا ہے۔ ظاہری طور پر تو یہ گندم اس کے ذخیرہ سے کم ہو گئی ہے' لیکن اگر بنظر غائر دیکھیں تو کم نہیں ہو رہی بلکہ ایک ایک دانہ سات سو دانوں کی آمد و اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دیا جانے والا مال بظاہر تو کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ خیر و برکت اور اجر و ثواب کا سبب ہوتا ہے۔

پھر جس طرح ایک کاشتکار کو یہ یقین ہوتا ہے کہ زمین میرے غلے کو ضائع نہیں کرے گی بلکہ کئی گنا بنا کر کچھ عرصہ بعد واپس کر دے گی۔ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر یقین ہونا چاہیے کہ وہ بھی اس کے بدلے میں کل مجھے کئی گنا اضافہ کر کے عطاء فرمائے گا۔

پھر جس طرح ایک کاشتکار کے لیے ضروری ہے کہ وہ جو دانا کاشت کرے وہ عمدہ ہو' خراب نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا جانے والا مال بھی عمدہ اور حلال طیب ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک اور حلال مال کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

پھر جس طرح ایک کاشتکار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصول کاشتکاری سے واقف ہو صاحب صلاحیت ہو اسی طرح ایک خرچ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نیت صحیح ہو' نام و نمود یا کسی اور غرض کے لیے خرچ کرنے والا نہ ہو۔

پھر جس طرح یہ ضروری ہے کہ جس زمین میں دانہ کاشت کیا جائے وہ زمین بھی عمدہ ہو۔ خراب قسم کی اور بنجر نہ ہو اسی طرح خرچ کرنے والے کے لیے

بھی ضروری ہے کہ وہ اپنا صدقہ جائز مصرف پر خرچ کرے مستحق کو دے نااہل پر خرچ کر کے ضائع نہ کرے۔

پھر جس طرح ایک کاشتکار کے لیے ضروری ہے کہ دانہ کاشت کرنے کے بعد اس سے غافل نہ ہو جائے بلکہ اس کی رکھوالی اور نگہداشت کرے۔ ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اس دانہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ اس کی غفلت سے یا کسی غلط اقدام سے بنی بنائی فصل تباہ ہو جائے۔ اسی طرح ایک خرچ کرنیوالے کے لیے ضروری ہے کہ صدقہ دینے کے بعد نہ تو اس شخص کو کوئی تکلیف پہنچائے اور نہ ہی احسان جتلائے ورگرنہ اس کا صدقہ ضائع ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى (بقرہ)

پیغمبرؐ نے چندہ مانگا:

گرامی قدر سامعین! دین حق کی اشاعت و سر بلندی کے لیے چندہ مانگنا لوگوں کو ترغیب دینا کوئی معیوب کام نہیں ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر خود صحابہ کرامؓ سے چندہ کی اپیل فرمائی اور یہ بات آپ جانتے ہیں کہ اس موقعہ پر صحابہ کرامؓ نے کس خلوص کے ساتھ چندہ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا اثاثہ لے کر حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارا اثاثہ لے کر آئے اور خدمت نبویؐ میں پیش فرما دیا۔ آپؐ نے سوال فرمایا کہ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو؟ تو عرض کیا گھر میں خدا اور رسول کی محبت چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس طرح یہ بات واضح فرما دی کہ میرا اصل سرمایہ اور اثاثہ مال و دولت نہیں ہے بلکہ محبت خداوندی اور محبت رسول ہے۔

اسی موقعہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ ایک سو گھوڑے

اور ایک ہزار اشرفیاں خدمت نبویؐ میں پیش کر دیں۔ تو آپ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور آپؐ نے فرمایا مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ کہ آج کے بعد عثمانؓ پر اس کے کسی عمل کا مواخذہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت و بخشش کا پیشگی اعلان فرما دیا ہے۔

اِخلاص شرط ھے :

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ بندے کے دیے ہوئے مال کو نہیں دیکھتا کہ وہ تھوڑا ہے یا زیادہ؟ بلکہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر اخلاص کتنا ہے۔ اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ اگر کھجور کا ایک دانہ بھی دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو بڑھاتے بڑھاتے اُحد پہاڑ جتنا فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

رِیاکاری اور اِخلاص کی قُرآنی مثال:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ریا کاری کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا (بقرہ) یعنی جو لوگ نام و نمود اور دکھلاوے کے طور پر خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی صاف پتھر پر کچھ مٹی جم جائے اور اس مٹی میں کوئی شخص دانہ کاشت کر دے اور پھر اس پر زور کی بارش پڑے اور وہ اس کو بالکل صاف کر دے۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔

اور اخلاص کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (بقرہ) یعنی جو

لوگ اپنا مال خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ٹیلے پر کوئی باغ ہو پھر اس پر زور کی بارش برسے اور پھر وہ اپنا پھل دوگنا دے دے۔ بالفرض اگر زور کی بارش نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار بھی اس کے لیے کافی ہے۔

مطلب یہی ہے کہ ریاکار کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے اور مخلص کی محنت کا ثمرہ بڑھا کر دیا جاتا ہے۔

عرش کا سایہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلُّہٗ کہ قیامت کے دن میدان محشر میں جب سورج کی گرمی اور تپش لوگوں کی برداشت سے باہر ہوگی اور کسی قسم کا بھی سایہ موجود نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے خصوصی سایہ میں جگہ عطاء فرمائے گا۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ فَاَخْفَاھَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُہٗ مَاتُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ (بخاری) کہ جس نے ریا کاری سے بچنے کا اس حد تک اہتمام کیا کہ اگر ایک ہاتھ سے صدقہ دیا ہے تو دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ یعنی انتہائی پوشیدہ انداز میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس اخلاص کی بدولت قیامت کے دن اپنے خصوصی سایہ رحمت میں اسے جگہ عطاء فرمائے گا۔

بُخل کی نَحوست اور سَخاوت کا فَیض

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بخل کی نحوست بیان فرماتے ہوئے تین بھائیوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ان کا والد ایک نیک آدمی تھا جو کاشت کاری کر

کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ اس کا دستور یہ تھا کہ اس کے باغات کی جو بھی پیداوار ہوتی اس میں سے اپنا سال بھر کا خرچ رکھ کر بقیہ سب فقراء و مساکین پر صرف کر دیتا تھا۔ چنانچہ فقراء و مساکین کا معمول تھا کہ اس کی کھیتی کٹنے یا پھل توڑنے کے وقت جمع ہو جاتے تھے۔

ان کی اولاد ان کو اس طرز عمل سے بہت روکتی تھی مگر وہ نہ مانتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے تین بیٹے زمین اور باغات کے وارث ہوئے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اب ہماری ضروریات بڑھ گئی ہیں۔ ہمارا والد تو بے وقوف تھا جو غلہ اور پھل کی اتنی بڑی مقدار لوگوں کو لٹا دیتا تھا۔ ہمیں یہ طریقہ بند کرنا چاہیے۔

چنانچہ انہوں نے آپس میں حلف و قسم اٹھا کر یہ عہد کیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے۔ تا کہ فقراء و مساکین کو خبر ہی نہ ہو۔ انہیں اپنے اس منصوبے پر اتنا یقین تھا کہ ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ پھر پھر گیا اس کھیت اور باغ پر ایک پھرنے والا آپ کے رب کی طرف سے دراں حالیکہ وہ محو خواب ہی تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو ہی ایک ایسی آگ بھیج دی جس نے ان کی کھیتی اور باغات وغیرہ کو جلا کر راکھ کر دیا۔

پھر وہ تینوں بھائی صبح کے وقت بڑے رازدارانہ انداز میں چھپ چھپا کر باغ کی طرف چل پڑے۔ مگر جب اس جگہ کوئی کھیت اور باغ وغیرہ نظر نہ آیا تو کہنے لگے إِنَّا لَضَالُّونَ کہ شاید ہم راستہ بھول گئے۔ ہیں پھر غور کرنے پر پتہ چلا کہ جگہ تو یہی ہے تو کف افسوس ملتے ہوتے کہنے لگے بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ کہ ہم تو لٹ گئے۔

اب احساس ہوا قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی قصور وار ہیں۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ پھر ایک دوسرے پر الزام ڈالنے اور ملامت کرنے لگے۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ کہنے لگے ہائے افسوس ہم کتنے سرکش اور گناہ گار ہیں۔ اب سب مل کر توبہ کرو شاید اللہ تعالیٰ اس توبہ کی بدولت ہمیں اس سے اچھا باغ دے دے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں اس کا نعم البدل عطاء فرما دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ آخر میں فرماتے ہیں كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (قلم) کہ اسی طرح دنیا کا عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بڑھ کر ہے۔ کاش لوگ اس بات کو جان لیتے۔

اسی طرح حدیث پاک میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے جنگل میں بادلوں میں سے ایک آواز سنی اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے۔ اس آواز کے بعد وہ بادل ایک طرف چل پڑا اور ایک پتھریلی زمین پر زور سے برسا پھر سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر ایک طرف چلنے لگا وہ شخص بھی یہ عجیب منظر دیکھ کر پانی کے پیچھے چل پڑا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور سارا پانی اپنے باغ کو لگا رہا ہے۔ اس نے پوچھا اے باغ والے! تیرا نام کیا ہے؟ تو اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادلوں سے سنا تھا۔

باغ والے نے پوچھا کہ تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ پھر اس نے ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ میں نے اس اس طرح تیرا نام بادلوں میں سے سنا ہے۔ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا پس تو اپنا عمل بتا کہ اس باغ میں کونسا ایسا کام کرتا ہے کہ بادلوں میں سے تیرے نام کی آواز آ رہی ہے۔ اب اس نے اس راز سے

پردہ اٹھایا کہ میں اپنی پیداوار کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ فوراً اللہ کے نام پر صدقہ کر دیتا ہوں ایک حصہ اپنے اور اہل و عیال کی ضروریات کے لیے رکھ لیتا ہوں۔ اور ایک حصہ اسی باغ کی ضروریات میں لگا دیتا ہوں۔ (مسلم)

گرامی قدر سامعین! ان دو واقعات سے آپ بخل کی نحوست اور سخاوت کے فیض کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

خرچ نہ کرنیوالے کو سزا:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خرچ نہ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے' انہیں بڑے دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (توبہ) قیامت کے دن ان کے مال کو جہنم میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں' پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ پس اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کر کرکے رکھا تھا۔

ایک حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مال جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی قیامت کے دن وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں اس کے سامنے آئے گا۔ (شدت زہر کی وجہ سے اس کے سر کے بال بھی ختم ہو جائیں گے) اور اس کے منہ کے نیچے دو نقطے ہوں گے يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور وہ سانپ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ

يَعْنِی بِشِدْقَیْهِ پھر وہ سانپ اس شخص کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ (بخاری)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے معراج کی رات کچھ ایسے لوگ دیکھے جو بالکل ننگے تھے اور ان کی شرمگاہوں پر آگے پیچھے چیتھڑے چپٹے ہوئے تھے اور وہ مویشیوں کی طرح چر رہے تھے۔ تھوہر اور جہنم کے پتھر ان کی غذا تھی۔ میں نے سوال کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ مانعین زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں۔

عبرت ناک واقعہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری لوگوں میں اپنی عبادت وغیرہ کے لحاظ سے مشہور تھا۔ مسجد نبوی میں ہمہ وقت حاضر رہتا۔ دنیا و مافیہا سے اسے کوئی سروکار نہ تھی۔

خدا کی قدرت کہ اس فقیر کے دل میں مال کی محبت پیدا ہو گئی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یَّرْزُقَنِیْ مَالاً اے اللہ کے رسول دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کثرت سے مال عطاء فرمائے۔ آپ اس کی بات سن کر سخت حیران ہوئے اور فرمایا وَیْلَکَ یَا ثَعْلَبَۃُ اے ثعلبہ تیرے اوپر افسوس ہے کہاں فقر و فاقہ اور کہاں یہ حب مال!

آپؐ کے سمجھانے کے باوجود اس نے بار بار اصرار کیا حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِثْلَ نَبِیِّ اللّٰہِ کہ کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ میری طرح فقر و فاقہ سے گزارہ کرے؟ ثعلبہ اگر مال زیادہ ہو جائے تو ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں اور اس کا حق ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ثعلبہ نے وعدہ کیا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کے سر پر نبوت کا تاج سجایا ہے اگر آپ کی دعا

سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دے دیا لَاُعْطِیَنَّ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ تو میں ہر حق دار کا حق ادا کروں گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لیے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اُرْزُقْ ثَعْلَبَةَ مَالاً اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے پاس بھیڑ بکریاں جمع ہو گئیں اور وہ بھیڑ بکریاں اس رفتار سے بڑھنے لگیں کہ لوگ حیران رہ گئے۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ کا شہر اس کے ریوڑ کے لیے تنگ نظر آنے لگا۔ اب وہ شہر چھوڑ کر گاؤں میں جا بسا اور اب مسجد نبوی میں اس کی آمد و رفت بھی کم ہو گئی۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز میں حاضر ہوتا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ دو نمازیں بھی چھوٹ گئیں اور صرف جمعہ تک معاملہ رہ گیا۔ حتیٰ کہ مال مویشی کی دیکھ بھال اور محبت میں اس حد تک گرفتار ہوا کہ جمعہ میں بھی غیر حاضر رہنے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات سے محروم ہو گیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس کے حالات سنے تو فرمایا یَا وَیْحَ ثَعْلَبَةَ یَا وَیْحَ ثَعْلَبَةَ ثعلبہ پر افسوس ہے۔

پھر جب قرآن مجید کے حکم کے مطابق پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آدمی بھیجا تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا یہ زکوٰۃ کیا ہوتی ہے؟ مَا اَرَی الزَّکٰوۃَ اِلَّا الْجِزْیَۃَ یہ تو مجھے جزیہ اور ٹیکس معلوم ہوتی ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ ساری بات سنی تو پھر فرمایا یَا وَیْحَ ثَعْلَبَةَ کہ ثعلبہ کی حالت پر افسوس ہے۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں قرآن مجید اتار دیا وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ (توبہ) کہ منافقین میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے

فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے۔ اور نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دے دیا تو انہوں نے بخل کیا اور منہ پھیر لیا اور وہ روگردانی کرنے والے ہیں۔

ثعلبہ کے رشتہ داروں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ اب تو تیری مذمت میں قرآن مجید کی آیات بھی نازل ہو چکی ہیں۔ اب ثعلبہ اپنا مال لے کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ میری طرف سے صدقہ قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَنَعَنِیْ اَنْ اَقْبَلَ مِنْکَ صَدَقَۃً کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ اب وہ کف افسوس ملنے لگا اور اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔

ثعلبہ اس حالت میں اپنے ڈیرے پر چلا گیا اس کی بدبختی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ناراضگی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگلے سال وہ اپنا مال لے کر خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا مال قبول نہیں فرمایا تو میں کس طرح قبول کر سکتا ہوں۔

پھر وہ حضرت عمرؓ کے دور میں صدقہ لے کر حاضر خدمت ہوا آپؓ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ ثعلبہ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں ان کی خدمت میں مال لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے بھی اس کا مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور پھر ثعلبہ انہی کے زمانے میں ناکامی و نامرادی کی حالت میں مر گیا۔ (ابن کثیر)

صدقہ جاریہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْہُ

عَمَلُهٗ اِلَّامِنْ ثَلَاثَۃٍ کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (ا) صَدَقَۃٌ جَارِیَۃٌ (ب) عِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِہٖ (۳) وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْلَہٗ. ان میں سے سب سے پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے یعنی کوئی ایسا کام کر دیا جس کا نفع باقی رہنے والا ہو۔ تو اس کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

سات دینار:

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس طرح فقر اور زہد کو اپنی زندگی کا اوڑھنا اور بچھونا بنا رکھا تھا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے اپنی مرض الوفات میں اپنے تمام غلاموں کو بھی آزاد فرما دیا۔ ان دنوں آپؐ کے گھر میں کہیں سے آئے ہوئے تقریباً سات دینار موجود تھے۔ بیماری کے اندر آپ کو سب سے زیادہ فکر انہی کی تھی۔ بار بار حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے فرماتے اَنْفِقِیْهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ ان دیناروں کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دو۔ حضرت عائشہؓ چونکہ آپؐ کی تیمارداری میں معروف تھیں اور آپؐ پر بار بار غشی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ فرصت ملے تو ان دیناروں کو صدقہ کریں۔

غشی سے جب آپ کو افاقہ ہوا تو پھر سوال فرمایا هَلْ اَنْفَقْتِ تِلْکَ الذَّهَبَ کیا وہ دینار خرچ کر دیے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی تو نہیں ہو سکے تو آپؐ نے فرمایا مَاظَنُّ مُحَمَّدٍ بِرَبِّهٖ لَوْلَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ کہ اگر یہ دولت میرے گھر میں موجود ہو تو میں اپنے اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اس لیے ان کو جلد از جلد صدقہ کریں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وہ دینار اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے آپ کو اطلاع دی تو آپؐ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔

علاوہ ازیں آپؐ نے برملا اعلان فرما دیا کہ میرا سب ترکہ اللہ کے راستہ

میں صدقہ ہے۔ حضرت جویریہؓ فرماتی ہیں کہ مَاتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِہٖ دِرْھَمًا وَلَا دِیْنَارًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَۃً وَلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَتَہُ الْبَیْضَاءُ الَّتِیْ کَانَ یَرْکَبُھَا وَ سِلَاحَہٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا لِابْنِ السَّبِیْلِ صَدَقَۃً (بخاری) کہ آپؐ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں نہ کوئی درہم چھوڑا نہ کوئی دینار، نہ کوئی غلام نہ کوئی باندی، اور نہ ہی کوئی اور چیز، سوائے ایک سفید خچر کے جو آپؐ کی سواری کے کام آتا تھا اور کچھ اسلحہ تھا جو جہاد کے لیے کام آتا تھا اور کچھ زمین تھی جس کو آپؐ نے غرباء کے لیے صدقہ کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆☆

۱۱:- جنّت و جہنّم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ آثَرَ الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی وَ اَمَّامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (سورۃ النازعات)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا تو اسے اس بات سے بخوبی آگاہ کر دیا کہ تیرا حقیقی ٹھکانہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ دنیا تیرے لیے دارالعمل ہے تو آخرت دارالجزاء ہے۔ دنیا میں کیے جانیوالے ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ تجھے قیامت کے دن جنت و جہنم کی صورت میں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان رحمت دیکھیے! کہ اس نے انبیاء و رسل کا نظام قائم فرما کر انسان کی مکمل راہنمائی و ہدایت کا انتظام بھی فرما دیا۔ جنت و جہنم کے دونوں راستے ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیے۔ اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ جنت کے حصول کا طریقہ بھی بیان فرما دیا اور جہنم سے بچنے کی تدبیر بھی۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ آثَرَالْحَیَاۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی کہ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے وَاَمَّامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا

رہا اور نفسانی خواہشات سے بچتا رہا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

پھر اس کی مزید شان رحمت دیکھیے کہ اس نے ہمارے اندر جنت کے حصول کا شوق اور جہنم سے بچاؤ کی فکر پیدا کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب سے کام لیتے ہوئے جنت اور اس کی نعمتوں کی تفصیل بھی ہمارے سامنے رکھ دی اور جہنم کے عذابات سے بھی ہمیں آگاہ کر دیا۔

گرامی قدر سامعین! اسی ترغیب و ترہیب اور بشارت و تخویف کے انداز کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آپ کے سامنے قرآن و حدیث کی رو سے جنت کے عیش و آرام اور جہنم کے مصائب و آلام کا مختصر تذکرہ کروں گا۔

احوالِ جنّت

عربی زبان میں جنت باغ کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع جنات اور جنان ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جنت ایک ایسی مملکت خداداد ہوگی جو ہمارے اس کرہ ارضی کے مقابلہ میں اربوں نہیں کھربوں گنا وسیع و عریض ہوگی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف اور دکھ کا وہاں نام و نشان تک نہ ہوگا۔ انتہائی پاکیزہ اور پرمسرت ماحول میں ہر قسم کی نعمتوں اور سہولیات کی فراوانی ہوگی جن کا صحیح ادراک اس دنیا میں رہتے ہوئے ناممکن ہے۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہاں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کیا چھپا کر رکھا گیا ہے۔

قرآن مجید میں جنت کے مختلف نام ذکر کیے گئے ہیں۔ جیسے دار السلام، دار القرار، دار المتقین، مقام امین، جنات النعیم اور جنات عدن وغیرہ۔

بناوٹ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی بناوٹ کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ کہ جنت کی ایک اینٹ اگر چاندی کی ہوگی تو دوسری سونے کی ہوگی وَمَلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ اور ان اینٹوں کو جوڑنے کے لیے خالص کستوری کو بطور گارا استعمال کیا گیا ہوگا۔ وَ حَصْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْيَاقُوتُ اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہوں گے وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ اور اس کی مٹی زعفران ہوگی۔ (ترمذی)

ایک حدیث میں ہے خَلَقَ اللّٰهُ جَنَّةَ عَدْنٍ بِيَدِهٖ لَبِنَةٌ مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ وَلَبِنَةٌ مِنْ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ وَلَبِنَةٌ مِنْ زَبَرْجَدَةٍ خَضْرَاءَ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے تعمیر فرمایا ہے جس کی ایک اینٹ سفید موتی کی ایک سرخ یاقوت کی اور ایک سبز زمرد کی ہوگی۔ (النہایہ)

وسعت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنت کی وسعت کو عجیب پیرائے میں بیان کیا ہے وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (آل عمران) کہ دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی وسعت جیسی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَ مُلْكًا كَبِيْرًا (الدھر) کہ جب تم جنت کو دیکھو گے تو ہر طرف نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بڑی سلطنت تمہیں نظر آئے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا فِی الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَابَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاھَا دَرَجَةً وَ مِنْھَا تَفَجَّرُ اَنْھَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةِ وَمِنْ فَوْقِھَا یَکُوْنُ الْعَرْشُ (ترمذی) کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے۔ سب سے اعلیٰ ترین درجہ کا نام فردوس ہے وہاں سے جنت کی چار نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے۔

ایک حدیث میں ہے فِی الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَابَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ مِائَةُ عَامٍ (ترمذی) کہ جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے۔

ایک حدیث میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جنتی لوگ اپنے اوپر والے محلات کے جنتیوں کو دیکھیں گے تو ایسا محسوس کریں گے کَمَا تَتَرَاءَ وْنَ الْکَوْکَبَ الدُّرِّیَّ الْغَابِرَ مِنَ الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ اَوِالْمَغْرِبِ (مسلم) جیسے تم آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے پر دور ایک ستارہ چمکتے ہوئے دیکھتے ہو۔

ایک حدیث میں ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا فِی الْجَنَّةِ خَیْمَةٌ مِنْ لُؤْلُؤَةٍ مُجَوَّفَةٍ عَرْضُھَا سِتُّوْنَ مِیْلًا (مسلم) کہ جنت میں ایک ہی موتی سے بنا ہوا ایک خیمہ ہوگا جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہوگی۔

گرامی قدر سامعین! ان تعبیرات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جنت کی وسعت کتنی ہوگی؟

دروازے:

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جنت کے بہت سارے دراوزے ہیں حَتّٰی اِذَا جَاءُ وْھَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ

فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ (الزمر) کہ جب اہل جنت وہاں پہنچیں گے تو جنت کے دروازے کھولے جا چکے ہوں گے اور جنت کے خازن ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر، بہت اچھے رہے ہو۔ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

ایک حدیث میں ہے فِی الْجَنَّةِ ثَمَانِیَةُ اَبْوَابٍ فِیْھَا بَابٌ یُسَمّٰی الرَّیَّانُ لَایَدْخُلُہٗ اِلَّاالصَّائِمُوْنَ (بخاری) کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام ریان ہے جس میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک دراوزے کا نام باب الصلوٰۃ ایک کا نام باب الجہاد اور ایک کا نام باب الصدقہ ہوگا (نسائی)

اسی طرح بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دروازے کا نام باب الحج ایک کا نام باب الایمن اور ایک کا نام باب الذکر ہوگا۔ اور ایک دروازہ صرف ان لوگوں کے لیے ہوگا جو غصہ کو پی جانے والے ہوتے ہیں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَابَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَصَارِیْعِ الْجَنَّةِ کَمَا بَیْنَ مَکَّةَ وَھَجَرَ اَوْ کَمَا بَیْنَ مَکَّةَ وَبُصْرٰی (مسلم) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے' جنت کی چوکھٹ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر (بحرین کا ایک شہر) کے درمیان ہے یا جتنا مکہ اور بصری (شام کا شہر) کے درمیان ہے۔

داخلہ جنّت:

جنت کے اندر اہل جنت انتہائی اعزاز واکرام سے داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے اور انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ اور جنت کے داروغے ان کو سلام کریں گے اور انہیں مبارکباد دیتے ہوئے کہیں گے

کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ایک مقام پر فرمایا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ (الزخرف) کہ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ آج تمہیں خوش کر دیا جائیگا۔

ایک مقام پر فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد) کہ جنت کے ہر دروازے سے فرشتے اہل جنت کے پاس آئیں گے اور کہیں گے سلامتی ہو تم پر۔ یہ جنت تمہارے صبر کا بدلہ ہے' آخرت کا گھر تمہیں مبارک ہو۔

حسن و جمال اہلِ جنّت:

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اہل جنت کو اتنا حسن عطاء فرمائے گا کہ چودھویں کا چاند ان کو دیکھ کر شرمائے گا۔ ان کی عمر تیس سال یا تینتیس سال کی ہوگی۔ ان کے بدن پر بال نہیں ہوں گے اور نہ ہی چہرے پر۔ ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی۔ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِيْنَ الخ (ترمذی) اہل جنت کا قد کاٹھ حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے برابر ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک فرشتہ اہل جنت کو مخاطب کر کے اعلان کرے گا اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا کہ تم لوگ ہمیشہ صحت مند رہو گے' کبھی بیمار نہ ہو گے وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا آج کے بعد تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی تمہیں موت نہیں آئے گی۔ وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا آج کے بعد تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا۔ وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا آج کے بعد تم ہمیشہ خوش و خرم رہو گے کبھی رنجیدہ نہ ہو گے (مسلم)

لِباسِ اَہلِ جنّت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل جنت کے لباس کا تذکرہ بھی فرمایا ہے
چنانچہ ارشاد ربانی ہے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآىٕكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا (کہف) کہ انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ باریک ریشم اور اطلس و دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے۔ ان کے لیے بہت اچھا ثواب اور بہت اچھی قیام کی جگہ ہے۔
ایک مقام پر فرمایا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ (حج) کہ وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔
ایک مقام پر فرمایا عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّ حُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَّسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (دہر) ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

باغهائے جنّت:

جنت کے اندر مختلف قسم کے باغات ہوں گے، جن کا تذکرہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں کیا گیا ہے۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا حَدَآىٕقَ وَ اَعْنَابًا (نباء) بے شک متقی لوگ ہی آخرت میں کامیاب ہوں گے جہاں ان کے لیے باغات اور انگور ہوں گے۔ ایک مقام پر فرمایا مُدْهَآمَّتٰنِ کہ جنت کے باغات سیاہی مائل سرسبز ہوں گے۔

ایک مقام پر فرمایا فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ (رحمان) کہ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے پھل ہیں خاص طور پر کھجور اور انار کے۔

ایک مقام پر فرمایا وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (دہر) کہ جنت کے درختوں کی چھاؤں اہل جنت پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی اور اس کے پھل ہر وقت ان کی پہنچ میں ہوں گے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک ایک درخت کا سایہ اتنا طویل ہوگا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ (بخاری) کہ ایک گھڑ سوار سو برس تک اس کے سائے کے نیچے چلتا رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ مَا فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ اِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ (ترمذی) کہ جنت کے ہر درخت کا تنا سونے کا ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جنت کے پھل کا ایک خوشہ اگر دنیا میں آ جائے تو ساری مخلوق کے کھانے پر بھی وہ ختم نہ ہونے پائے گا۔ جنت کے درختوں کے پھل سدا بہار ہوں گے، کسی موسم کے مرہون منت نہ ہوں گے اُكُلُهَا دَائِمٌ (رعد) جب ایک پھل توڑا جائے گا عَادَتْ مَكَانَهَا اُخْرٰى (طبرانی) اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل لگ جائے گا۔

نہر ھائے جنت:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (محمد) کہ متقی لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس میں میٹھے پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں اور ایسے دودھ کی نہریں جس کے ذائقے میں ذرا فرق نہ آیا ہو۔ اور ایسی شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لیے

لذیذ ہوں اور صاف وشفاف شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے سَیْحَانُ وَجَیْحَانُ وَالْفُرَاتُ وَالنِّیْلُ کُلٌّ مِنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ (مسلم) کہ سیحان، جیحان، فرات اور نیل جنت کی نہروں میں سے ہیں۔

جنت کی ایک مشہور نہر نہر کوثر بھی ہے جس کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کا پانی اَشَدُّ بَیَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ (ترمذی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے حَافَتَاہُ مِنْ ذَهَبٍ کہ اس نہر کے دونوں کنارے سونے کے ہیں وَمَجْرَاہُ عَلَی الدُّرِّ وَالْیَاقُوْتِ اور اس کا پانی موتی اور یاقوت پر بہتا ہے تُرْبَتُهٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْكِ اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہو گی۔ مَاءُهٗ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ وَاَبْیَضُ مِنَ الثَّلْجِ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے (ترمذی)۔

(اسی نہر کا پانی ایک نالے کے ذریعہ میدان حشر میں حوض کوثر میں پہنچایا جائیگا)

نہروں کے علاوہ جنت کے اندر بے شمار چشمے بھی ہوں گے۔ ایک چشمے کا نام سلسبیل، ایک کا نام کافور، ایک کا نام تسنیم ہے۔ جنت کے چشموں کا پانی جوش سے اُبل رہا ہوگا فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (رحمان)۔

ظروفِ اہلِ جنّت:

وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَا قَوَارِیْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا (دہر) اہل جنت کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشے کے ساغر گردش کرائے جائیں گے۔ شیشہ بھی وہ ہوگا جو چاندی کی طرح سفید اور چمکدار ہوگا۔ خدام نے انہیں ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہوگا۔

ایک مقام پر فرمایا یَطُوْفُ عَلَیْہِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَکْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ وَکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ (واقعہ) کہ اہل جنت کی خدمت کے لیے ابدی لڑکے صاف ستھری شراب سے لبریز ساغر و مینا لیے دوڑتے پھر رہے ہوں گے۔

ایک مقام پر فرمایا یُطَافُ عَلَیْہِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَہَبٍ وَّاَکْوَابٍ (زخرف) کہ اہل جنت کے سامنے سونے کے تھال اور ساغر گردش کرائے جائیں گے۔

مَاکولاتِ اهلِ جنّت:

جنت میں اہل جنت کے لیے قسم قسم کے کھانے اور پھل ہوں گے۔ وَفَاکِہَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَہُوْنَ (واقعہ) ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ پھل پیش کیے جائیں گے کہ جسے چاہیں چن لیں اور پرندوں کا گوشت پیش کیا جائے گا۔

جنت کے اندر جنتی کو ہر وہ چیز بہم پہنچائی جائے گی جو وہ طلب کرے گا یا جس کا خیال اس کے دل میں آئے گا۔ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ (حم سجدہ)۔

مَشروباتِ اهلِ جنّت:

یُطَافُ عَلَیْہِمْ بِکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ بَیْضَآءَ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ (صافات) شراب کے چشموں سے ساغر بھر بھر کر ان کے درمیان پھرائے جائیں گے۔ سفید چمکتی ہوئی شراب جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔

ایک مقام پر فرمایا یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ (مطففین) ان کو نفیس ترین سربند شراب پلائی جائے گی جس پر کستوری کی

مہر لگی ہوئی ہو گی۔

گرامی قدر سامعین! جنت کے اندر ایک قسم کی شراب تو وہ ہو گی جو وہ خود پئیں گے اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا (دہر) نیک لوگ جنت میں شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آب کافور کی آمیزش ہو گی۔ ایک قسم کی شراب وہ ہو گی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے پیش کریں گے۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ الخ اور ایک قسم کی شراب وہ ہو گی جسے خود اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے پیش فرمائے گا وَسَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا (دہر) کہ ان کو ان کا رب شراب طہور پلائے گا۔

پاکیزہ بیویاں:

جنت کے اندر اہل جنت کو پاکیزہ بیویاں دی جائیں گی وَاَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ جو ہر قسم کی آلائش اور گندگی سے پاک ہوں گی۔

ایک مقام پر فرمایا اِنَّآ اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْکَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا (واقعہ) اہل جنت کی بیویوں کو ہم نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے اور وہ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی اور ان کی ہم عمر ہوں گی۔

ایک مقام پر فرمایا فِیْھِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ (رحمان) کہ اہل جنت کے لیے خوب سیرت اور خوب صورت بیویاں ہوں گی۔ جنت کی حوروں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَحُوْرٌ عِیْنٌ کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَکْنُوْنِ (واقعہ) اور اہل جنت کے لیے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ ایسی حوریں جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔

ایک مقام پر فرمایا وَعِنْدَھُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ

مَّكْنُوْنٌ (صافات) اور اہل جنت کے پاس شرمیلی اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی اس قدر نرم و نازک گویا کہ انڈے کے چھلکے کے نیچے چھپی ہوئی جھلی ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَا جَآنٌّ (رحمان) کہ وہ حوریں خیموں میں ٹھہرائی گئی ہوں گی۔ پس اے جن و انس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ان کو اس سے قبل کسی جن یا انسان نے چھوا تک نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی عورت اتنی خوبصورت ہو گی لَوِ اطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَابَیْنَھُمَا وَ لَمَلَاَتْ مَابَیْنَھُمَا رِیْحاً کہ وہ اگر دنیا میں لحہ بھر کے لیے جھانک لے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دے اور پوری فضاء کو خوشبو سے بھر دے۔ وَلَنَصِیْفُھَا عَلٰی رَاْسِھَا خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْھَا (بخاری) اس کے سر کا دوپٹہ دنیا و مافیھا سے قیمتی اور بہتر ہے۔

جنتی عورتیں خوبصورت ترانے کہہ رہی ہوں گی۔

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ اَبَداً   نَحْنُ الْمُقِیْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ اَبَداً
نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْاَسُ اَبَداً   نَحْنُ الرَّاضِیَاتُ فَلَا نَسْخَطُ اَبَداً

ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، ہمارے اوپر کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہم ساتھ رہنے والی ہیں، کبھی دور نہیں جائیں گی۔ ہم نعمتوں سے مالا مال ہیں کبھی افلاس کا شکار نہ ہوں گی۔ ہم راضی رہنے والی ہیں کبھی ناراض نہ ہوں گی۔

وِلدان و غِلمان:

اہل جنت کی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو لڑکے مقرر فرمائے ہیں وہ

بھی انتہائی خوبصورت ہوں گے وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (دہر) کہ اہل جنت کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھرتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکپن کی عمر میں رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (طور) کہ ان کی خدمت کے لیے جولڑکے دوڑتے پھرتے ہوں گے ایسے خوبصورت ہوں گے جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔

ہر خواہش پوری:

جنت ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں آدمی کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الزخرف) اور وہاں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے موجود ہوگا۔ اور اے اہل جنت تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

ایک جگہ فرمایا وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم سجدہ) اور وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے وہ بھی تمہارے لیے موجود ہوگی۔ یہ غفور رحیم کی طرف سے مہمانی ہے۔

ہر دکھ تکلیف سے آزادی:

جنت ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں کسی قسم کا غم اور دکھ نہ ہوگا۔

جنتی خود کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے ہر طرح کا غم وحزن دور فرمایا۔ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ

وَلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ (فاطر) یہاں نہ تو ہم کو رنج پہنچے گا اور نہ ہی ہمیں تکان ہو گی۔ یعنی جنت میں آرام ہی آرام ہوگا۔ نہ گرمی کی تکلیف ہوگی نہ سردی کی۔
لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا (الدھر) نہ وہ وہاں دھوپ کی حدّت دیکھیں گے اور نہ سردی کی شدّت۔

جنت میں کسی قسم کی آلائش وگندگی نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے لَا یَبُوْلُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا یَتْفُلُوْنَ وَلَا یَمْتَخِطُوْنَ نہ وہاں پیشاب ہوگا نہ پاخانہ نہ تھوک ہوگی نہ ناک کی رینٹھ۔ اَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح خوشبودار ہوگا۔

جنتی کا کھانا ایک ڈکار کے ذریعہ ہضم ہو جائے گا اور اس ڈکار کی خوشبو سے پورا ماحول معطر ہو جائے گا۔

مَجالسِ اھلِ جنّت:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ (یس) کہ آج جنتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھے ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ (رحمان) کہ جنتی لوگ ایسے بستروں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے جن کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے۔ یعنی جب استر اتنا قیمتی ہوگا تو بیرونی کپڑے کی شان کا خود اندازہ کرلو۔

ایک مقام پر فرمایا مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ (طور) جنتی آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہونگے۔

ایک مقام پر فرمایا عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (واقعہ) کہ وہ مرصع تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

کلماتِ تشکّر:

جنت کی ان نعمتوں کے حصول پر اہل جنت کی زبان پر حمد و تسبیح کے کلمات جاری ہوں گے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ (زمر) وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں جنت کی زمین کا وارث بنایا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں جگہ بنا سکتے ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (اعراف) کہ جنتیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کدورت رہی ہوگی اسے ہم نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ ساری تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم خود کبھی سیدھی راہ نہ پا سکتے تھے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس) وہاں ان کی پکار سبحانک اللھم ہوگی اور آپس میں ملاقات پر سلام کہیں گے اور گفتگو کے آخر میں ان کی کلام الحمدللہ رب العالمین ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہر طرف سے آ آ کر ان پر سلام کریں گے وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد) کہ فرشتے ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے حاضر ہوں

گے۔ اور ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر۔ دنیا میں جس طرح تم نے صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس اجر کے مستحق ٹھہرے ہو۔ پس کیا خوب ہے یہ آخرت کا گھر۔

فرشتوں کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان پر سلام پیش فرمائے گا۔

دیدارِ الٰہی:

اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت یہ ملے گی کہ انہیں اپنے رب کا دیدار نصیب ہوگا وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (قیامۃ) کہ اس روز کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

ایک دفعہ بعض صحابہ کرامؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا ھَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کہ کیا قیامت کے دن ہم سب اپنے رب کو دیکھ سکیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ھَلْ تُضَارُّوْنَ فِی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ کہ کیا چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت ہوتی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا بالکل نہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا فَاِنَّکُمْ تَرَوْنَہٗ کَذٰلِکَ کہ اسی طرح تمہیں اپنے رب کا دیدار ہوگا (مسلم)۔

ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت سے اللہ تعالیٰ خود سوال کرے گا۔ ھَلْ اَزِیْدُکُمْ شَیْئًا کہ تمہیں کچھ اور چاہیے؟ اہل جنت حیران ہو کر جواب دیں گے کہ اے اللہ! جب جنت اور اس کی نعمتیں مل گئیں تو بھلا ہمیں اور کیا چاہیے؟ اَلَمْ تُبَیِّضْ وُجُوْھَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخلہ نہیں دے دیا؟ بھلا اس کے بعد ہمیں اور کیا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ جواباً ارشاد فرمائیں گے نہیں آج میں تمہیں کچھ مزید بھی دینا چاہتا ہوں لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کو

اچھا بدلہ بھی ملے گا اور زیادہ بھی ملے گا۔

جنتی سوچ بچار میں پڑ جائیں گے کہ آخر وہ کونسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ ہمیں دینا چاہتا ہے۔ پھر اچانک جنت کے اندر ایک کیفیت سی پیدا ہو جائے گی ایک سرور سا چھا جائیگا' ایک نور سا برسنے لگے گا۔ جنتی اوپر دیکھیں گے فَيُكْشَفُ الْحِجَابَ تو اللہ تعالیٰ پردہ اٹھا دے گا' تو وہ بلا حجاب اپنے رب کو دیکھیں گے فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظْرِ اِلٰى رَبِّهِمْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى (مسلم) اور جنتیوں کو اپنے رب کے دیدار کی لذت پا کر جنت کی دیگر سب نعمتوں کی لذات اس سے کمتر معلوم ہونگی۔

صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی بھی نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خود اہل جنت کو سلام پیش کریں گے۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دیدار سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)

اَحْوالِ جہنّم

جہنم بہت ہی بری قیام گاہ' بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں مشرکوں اور فاسقوں و فاجروں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ جہنم میں سب سے بڑا عذاب آگ کا ہوگا اور وہ آگ کوئی معمولی آگ نہیں ہے دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔

قرآن مجید میں اس آگ کو کہیں نار الکبریٰ' کہیں نار تلظّٰی اور کہیں نار حامیہ کہا گیا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال دھونکا گیا تو اس کا رنگ سرخ ہو گیا' پھر ایک ہزار سال اور دھونکا گیا تو اس کا رنگ سفید ہو گیا پھر

ایک ہزار سال مزید دھونکا گیا تو اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ جہنم کی ستر ہزار باگیں ہیں ہر باگ کو کنٹرول کرنے کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر ہیں۔ (مسلم)

جہنّم کے دروازے:

قرآن مجید کی رو سے جہنم کے سات دروازے ہیں وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (حجر) کہ شیطان کے تمام پیروکاروں کے لیے جہنم کی وعید ہے جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے جہنیوں میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا الخ (زمر) کہ کفار کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا جب وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

طبقاتِ جہنّم:

حدیث میں ہے کہ جہنم کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ اگر اس میں ایک پتھر ڈالا جائے تو وہ ستر سال کے بعد اس کی تہہ تک پہنچے گا۔ (مسلم)

گہرائی اور عذاب کے تنوع کی وجہ سے جہنم کے سات طبقات یا درجے ہیں۔

۱) جَهَنَّمُ: قرآن مجید میں یہ نام بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔

۲) لَظٰی (یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ) كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى (معارج) کہ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ ہے جو سر اور منہ کی کھال کو

ادھیڑ دے گی۔

۳) حُطَمَۃٌ (یعنی چکنا چور کر دینے والی) كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (ہمزہ) کہ اس جہنمی شخص کو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔

۴) سَعِيْرٌ (یعنی دہکتی ہوئی آگ) وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (ملک) کفار کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں غور سے سنتے یا سمجھتے تو آج اس دہکتی ہوئی آگ کے باسیوں میں شامل نہ ہوتے۔

۵) سَقَرٌ (یعنی سخت جھلسا دینے والی) سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (مدثر) کہ عنقریب میں اسے سخت جھلسا دینے والی جگہ میں جھونک دوں گا۔ تم کیا جانو کہ وہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی۔ وہ کھال کو جلا کر کالا کر دینے والی ہے۔

۶) جَحِیْمٌ (یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کا گڑھا) فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (نازعات) کہ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ بھڑکتی ہوئی آگ کا گڑھا ہوگا۔

۷) هَاوِيَةٌ (یعنی گہری کھائی) وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (قارعہ) کہ جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے ان کی جگہ گہری کھائی میں ہوگی۔

علاوہ ازیں جہنم کے ایک درجے کا نام ''زَمْهَرِیْرٌ'' بھی ہے جہاں سخت سردی کا عذاب دیا جائیگا۔ اسی طرح جہنم کی ایک وادی کا نام ''وَیْلٌ'' بھی ہے یعنی نری ہلاکت و بربادی۔ (اَعَاذَنَا اللہُ مِنْھَا)

غَیظ و غَضَب:

جہنم کی آگ میں اس قدر جوش و خروش اور غیظ و غضب ہوگا کہ اس میں سے ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہوگی۔ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا

ذکر فرمایا ہے۔

اہل جہنم کے ایک کھانے کا نام "زَقُّوْمٌ" ہے اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِىْ فِى الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ (دخان) کہ جہنم میں گناہ گاروں کی خوراک زقوم کا درخت ہوگا جو دیکھنے میں تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور پیٹ میں اس طرح جوش مارے گا جیسے گرم پانی کھولتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں گرا دیا جائے تو اہل دنیا کی سب خورد و نوش کی چیزوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

اہل جہنم کے ایک کھانے کا نام "ضَرِيْعٌ" ہوگا لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ (غاشیہ) کہ ضریع (خاردار جھاڑیاں) تک ان کی خوراک ہوگی جو نہ تو جسم کو غذائیت دے گا نہ بھوک مٹائے گا۔ اسی طرح اہل جہنم کے لیے کھانے کا نام "غِسْلِيْنٌ" ہے یعنی زخموں کے دھوون کی غلاظت۔ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (حاقہ) کہ ان کے لیے زخموں کے دھوون کے علاوہ کوئی کھانا نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک کھانے کا نام ہے "طَعَامٌ ذَاغُصَّةٍ" یعنی گلے میں پھنس جانے والا کھانا۔ اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَاغُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا (مزمل) کہ ہمارے پاس جہنمیوں کے لے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ حلق میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔

اسی طرح اہل جہنم کو پینے کے لیے "مَاءً حَمِيْمًا" یعنی کھولتا ہوا پانی "مَاءٌ صَدِيْدٌ" یعنی زخموں سے بہنے والی پیپ اور خون "مَاءٌ كَالْمُهْلِ" یعنی تیل کی تلچھٹ جیسا کھولتا ہوا مشروب اور "غَسَّاقٌ" یعنی سیاہ زہریلا بدبودار مشروب دیا جائے گا۔ وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا (محمد) يُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ (ابراہیم)

يُغَاثُوْبِمَاءٍ كَالْمُهْلِ (کہف) فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ (ص)
غَسَّاقٌ اس قدر زہریلا اور بدبودار ہوگا کہ اس کا ایک ڈول پوری دنیا کو بدبودار کرسکتا ہے۔ (حدیث)
اسی طرح اہل جہنم کا ایک مشروب "طِيْنَةُ الْخَبَالِ" یعنی جہنمیوں کا پسینہ بھی ہوگا۔ اسی طرح ان کو پیاس کی شدت کا عذاب بھی دیا جائیگا۔ (اَعَاذَنَا اللہُ مِنْھَا)

عَذابِ مُختلفه:

علاوہ ازیں اہل جہنم کو مختلف قسم کے عذابات سے بھی دو چار کیا جائیگا۔
مَاءٌ حَمِيْمٌ: (گرم پانی) يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُبِهٖ مَا فِىْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (ج) ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے محض ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے۔
مَقَامِعٌ: (ہتھوڑے) وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (ج) کہ ان کے لیے لوہے کے گرز اور ہتھوڑے ہوں گے۔
صَعُوْدٌ: (آگ کا پہاڑ) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (مدثر) میں اسے صعود پر چڑھاؤں گا۔
سِلْسِلَةٌ: (لمبی زنجیر) اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلَ وَاَغْلَالًا وَّ سَعِيْرًا (دہر) ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔
طَوْقٌ: (پھندے) اِذِ الْاَغْلَالُ فِىْ اَعْنَاقِهِمْ (مؤمن) یعنی جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے۔
آگ میں بھننا: يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ (احزاب) جس دن

ان کے چہرے کباب کی طرح آگ میں بھنے جائیں گے۔

زَمْھَرِیْر: یعنی سخت سردی کا عذاب:

اسی طرح ایک عذاب پیاس کی شدت کا بھی ہوگا۔

مختلف قسم کے عذابات سے جب ان کی کھال جل جائے گی تو فوراً نئی تیار کر دی جائے گی۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا(النساء) کہ جب ان کی کھال جل جائے گی تو ہم اس کی جگہ فوراً نئی کھال تیار کردیں گے۔

سانپ اور بچھو:

مذکورہ عذابات کے علاوہ جہنم کے اندر بڑے بڑے زہریلے سانپ اور بچھو بھی ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جہنم میں بختی اونٹوں کے برابر سانپ ہوں گے۔ ایک سانپ کے کاٹنے سے جہنمی چالیس سال تک زہر کا اثر محسوس کرتا رہے گا۔ اسی طرح جہنم کے بچھو خچروں کے برابر ہوں گے۔ ایک بچھو کے کاٹنے کی تکلیف چالیس سال تک محسوس ہوتی رہے گی۔

باہم لڑائی:

پھر اس پر مستزاد یہ کہ اہل جہنم ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے اور ایک دوسرے سے لڑیں گے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا جب ایک گروہ جہنم میں داخل ہوگا تو دوسرا گروہ اس پر لعنت کرے گا۔

باہم لڑائی کا حال یہ ہوگا کہ مرید اپنے پیروں سے مقتدی اپنے مولویوں سے لڑ رہے ہونگے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔ حتیٰ کہ شیطان کے

آجائے اس سے لڑیں گے۔ اس کو ملامت کریں گے۔ مگر اس وقت کی ملامت کا کیا فائدہ؟ رو رو کر اسقدر آنسو بہائیں گے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چلنے لگیں۔ پھر جب پانی کے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون کے آنسو بہائیں گے۔ (حاکم)

ھلکا ترین عذاب:

حدیث شریف میں ہے کہ جہنم میں سب سے ہلکا عذاب اس آدمی کو ہوگا جسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی یَغْلِیْ دِمَاغُہٗ مِنْ حَرَارَۃِ نَعْلَیْہِ اس کی جوتیوں کی گرمی کیوجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہوگا۔ (مسلم)

حسرتیں اور فریادیں:

اہل جہنم نہایت دکھ بھرے انداز میں حسرت کریں گے یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (احزاب) ہائے کاش کہ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات مان لی ہوتی۔

کبھی اہل جنت سے اپیل کریں گے کہ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْمِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ کہ ہمیں تھوڑا سا پانی ہی بھیج دو یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں کافروں کے لیے حرام کر رکھی ہیں۔

پھر کبھی داروغہ جہنم "مالک" سے عرض کریں گے یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ (زخرف) کہ اے مالک! اللہ سے سفارش کرو کہ ہمارا قصہ ہی تمام کر دے ہمیں موت دے دے۔ وہ جواباً کہے گا کہ اب کبھی تم پر موت نہیں آ سکتی۔ اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ تمہیں یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔

کبھی اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ (فاطر) کہ اے اللہ! ہمیں ایک دفعہ یہاں سے نکال دے ہمیں ایک موقعہ دے دے ہم اعمال صالحہ بجالائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جواباً فرمائیں گے کہ میں نے تمہیں ایک دفعہ مہلت اور زندگی دی تھی تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایافَذُوْقُوْا وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ پس تم اب عذاب کا مزہ چکھو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

کبھی کہیں گے رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (السجدہ) اللہ تعالیٰ جواباً فرمائے گا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ تمہارے سارے اعمال کے بدلے ہمیشہ کا عذاب تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

کبھی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (المؤمنون) کہ اے اللہ! ہمارے اوپر ہماری بدبختی غالب آ گئی۔ بے شک ہم گمراہ تھے۔ اے ہمارے رب ہمیں ایک دفعہ اس عذاب سے نکال کر ایک موقعہ دے دے۔ اگر دوبارہ ہم نے نافرمانی کی تو واقعی ہم قصوروار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اِخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ اس جہنم میں ذلیل ہوتے رہو میرے ساتھ بات بھی نہ کرو۔

کبھی کہیں گے رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ (غافر) کہ اے اللہ تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی دی ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے ہمیشہ کے لیے اب تمہارا

یہی ٹھکانہ ہے۔ پھر کہیں گے کہ یا اللہ ہم بھی تیرے بندے ہیں تیری مخلوق ہیں آخر اتنی ناراضگی کی کیا وجہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ذٰلِکُمْ بِاَنَّہٗ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ وَاِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ کہ ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اور جب اللہ کے ساتھ کسی کو ملا کر پکارا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے۔ لہٰذا اب اللہ تعالیٰ جو علی اور کبیر ہے اس کا یہی فیصلہ ہے۔

گرامی قدر سامعین! میں نے انتہائی اختصار سے جنت وجہنم کے کچھ حالات آپ سے بیان کیے ہیں۔ اگر آپ دونوں کے حالات سامنے رکھ کر موازنہ کریں تو بات مزید کھل کر سامنے آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ اپنے فضل و رحمت سے ہمیں جنت نصیب فرمائے اور جہنم سے بچائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆

۱۲:- اِسلام اور عورت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً الخ (سورۃ نحل)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں باہمی تجاذب اور کشش کی کیفیت رکھ کر سلسلہ انسانیت کو بھی چلایا اور معاشرتی اجتماعیت بھی قائم فرمادی۔ چونکہ کوئی بھی اجتماعی نظام سربراہ یا امیر کے بغیر نہیں چل سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کی علمی و عملی قوتوں کی بنیاد پر اسے امارت کا درجہ دے دیا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ۔

مرد کو حاکم بنانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق بھی متعین اور واضح فرما دیے تاکہ صنف نازک ہونے کی وجہ سے اس کی حق تلفی نہ ہو۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہ عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ایسے ہی واجب ہیں جیسے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں۔

مرد کی یہ حاکمیت صرف نظام چلانے کے لیے ہے نہ کہ عنداللہ اس کی محبوبیت و اقربیت کے اثبات کے لیے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ

پرہیزگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا ہے کہ دینی اعتبار سے کوئی جتنی ترقی کرنا چاہے کر سکتا ہے' اعمال کے اجر و ثواب میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل) کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس کو دنیا میں بھی پاکیزہ زندگی عطاء فرمائیں گے اور آخرت میں بھی ان کو ان کے اعمال حسنہ کا بھرپور اجر عطاء فرمائیں گے۔

دیکھیے! اجر و ثواب کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت میں کوئی تفاوت قائم نہیں فرمایا۔ جس طرح ایک مرد ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل کر سکتا ہے اسی طرح ایک عورت بھی ایمان و اعمال صالحہ اختیار کر کے بارگاہ ایزدی میں تقرب حاصل کر سکتی ہے۔ مرد اگر عبادت و ریاضت اختیار کر کے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔ تو ایک عورت بھی بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی ولیہ بن سکتی ہے۔ مرد کی طرح عورت کی صلاحیت بھی مسلم ہے۔

تاریخ اسلامی شاہد ہے کہ بہت سی عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی ولایت اور اقربیت کا درجہ حاصل ہوا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی ذمہ داری نہیں سونپی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت خلقی طور پر کمزور ہے اور وہ دعوت و تبلیغ کی خارجی سرگرمیوں اور ذمہ داریوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ کہ مردوں میں تو بہت سے لوگ کامل ہو گزرے ہیں' یعنی دینی اعتبار سے بڑے اعلیٰ اور اونچے مقام پر پہنچے ہیں مگر

عورتیں بہت کم اس مرتبہ پر پہنچی ہیں۔ پھر آپؐ نے کامل ترین عورتوں کا ذکر فرمایا
اِلَّا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ آسِیَۃُ اِمْرَءۃُ فِرْعَوْنَ کہ کامل ترین عورتوں میں سے ایک حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور دوسری حضرت آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔ پھر آپؐ نے اس امت محمدیہ کی ایک کامل ترین عورت کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا وَفَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری) کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سب عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ عورت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو ایسے علمی کمالات سے نوازا تھا کہ بڑے بڑے اجلہ صحابہ کرامؓ آپ کے شاگرد تھے۔ جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری۔ حضرت ابوھریرہؓ۔ حضرت ابن عمرؓ۔ حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت عمرو بن عاصؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ دوسو مقتدر تابعین ایسے ہیں جنہیں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ آپؓ کے علمی کمالات کو بھانپ کر ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا خُذُوْا شَطْرَ دِیْنِکُمْ عَنْ حُمَیْرَا (ابن اثیر) کہ تم اپنے دین کا آدھا حصہ تنہا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کرو۔

پہلی قربانی:

جنس نسوانیت کے لیے یہ بھی بہت بڑا اعزاز ہے کہ دین اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی کفار کے ظلم وستم برداشت کیے۔ حتیٰ کہ اسلام کی خاطر سب سے پہلی قربانی اگر کسی نے دی ہے تو وہ ایک عورت نے دی ہے۔ اور وہ ہے حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا۔ اس بوڑھی عورت نے دین توحید کے پیچھے اتنے مظالم برداشت کیے کہ

تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک دفعہ تو ابوجہل نے حضرت سمیہؓ پر اتنا ظلم کیا کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ اس ظالم نے غصہ سے پاگل ہو کر ان کو قتل کرنے کی عجیب ترکیب بنائی۔ ان کی ایک ٹانگ سے رسی باندھ کر ایک اونٹ کے گلے میں ڈال دی اور دوسری ٹانگ سے دوسری رسی باندھ کر دوسرے اونٹ کے گلے میں ڈال دی۔ اور دونوں اونٹوں کو مخالف سمت دوڑایا۔ دیکھتے دیکھتے حضرت سمیہؓ کے وجود مقدس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کلمہ پڑھا اور جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی۔ اسلام میں سب سے پہلی شہید ہونے کا شرف آپؓ کو حاصل ہے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام:

تاریخ اسلامی کی نابغہ روزگار شخصیت، پیکر عدل و حریت سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی وجہ بھی ایک عورت بنی۔ اور وہ ہے ان کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا۔

ایک دفعہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں دیوانہ وار پھر رہے تھے کہ کسی نے بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر دے دی۔ یہ خبر سن کر آپؓ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے اور فوراً بہن کے دروازہ پر پہنچے تو اندر سے تلاوت قرآن کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلوا کر فوراً اندر گئے اور بہن اور بہنوئی کو بے تحاشا مارنا شروع کر دیا اور انہیں شدید زخمی کر دیا۔

آپؓ کی بہن حضرت فاطمہؓ بنت خطاب نے انتہائی جرأت مندانہ انداز میں جواب دیا عمر! میں بھی اسی خطاب کی بیٹی ہوں جس کا تو بیٹا ہے۔ میری رگوں میں بھی اسی کا خون دوڑتا ہے۔ تو جتنا بھی ظلم کرے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں توحید خداوندی کی خاطر سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔ عمر! عورت ذات پہ ہاتھ اٹھانا

کوئی بہادری اور عزت کی دلیل نہیں ہے۔

بہن کی اس جرأت مندانہ اور بیباکانہ گفتگو کا حضرت عمرؓ پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ فوراً دل نرم ہو گیا۔ پھر وہ صحیفہ منگوا کر پڑھا اور بے حد متاثر ہوئے اور پھر بہن کی ترغیب پر ہی ایمان قبول کر لیا۔

نبوّت کو تسلّی:

غارِ حرا میں جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور آپ سے کہا "اِقْرَأْ" تو آپؐ نے جواباً ہیبت کی وجہ سے فرمایا "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" کہ میں پڑھ نہیں سکتا اور پھر حضرت جبریلؑ نے آپ کو بار بار بھینچا اور پھر آپ پر سورۃ علق کی ابتدائی آیات کا نزول ہوا۔ تو وحی کی اس ہیبت و دہشت، رؤیت ملک، مشاہدہ انوارالٰہی اور نبوت کی عظیم ذمہ داری سے آپؐ گھبرا سے گئے اور بدن مبارک پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔

چنانچہ آپ فوراً گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کہ مجھے کوئی کمبل اوڑھا دو۔ تو انہوں نے آپ پر ایک کمبل ڈال دیا اور دیر تک آپ پر سرد پانی چھڑکتی رہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی طبیعت پر سکون ہو گئی۔

بعدازاں آپؐ نے یہ سارا واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ گھبراہٹ اور پریشانی سے آپ کا عالم یہ تھا کہ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ کہ مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔

اس نازک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر تسلی دی تو ایک عورت نے دی۔ حضرت خدیجہؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ غم نہ کھائیں اللہ تعالیٰ

کبھی آپ کو ضائع نہ کرے گا بلکہ سرفراز فرمائے گا۔ اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِیْ الضَّیْفَ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں' غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حق بجانب امور میں مدد کرتے ہیں (بخاری) مَااَتَیْتَ فَاحِشَۃً قَطُّ آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس نہیں پھٹکے۔

مطلب یہ تھا کہ ایسے محاسن و کمالات' اخلاق و عادات' شمائل و فضائل کی حامل شخصیت کی رسوائی ناممکن ہے۔ اَبْشِرْ فَوَاللّٰہِ لَایَفْعَلُ اللّٰہُ بِکَ اِلَّا خَیْرًا آپ کو مبارک اور بشارت ہو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہ کرے گا۔ اور پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے میں توی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔

بعد ازاں آپ کی مزید تسلی کے لیے حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور ان کو یہ سارا ماجرا سنایا تو انہوں نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کر دی۔

گرامی قدر سامعین! بات واضح ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مشکل وقت میں تسلی دینے کا اعزاز بھی ایک عورت کو حاصل ہے۔

عورت اور اصلاحِ معاشرہ:

گرامی قدر سامعین! اگر ایک عورت کی صحیح معنوں میں اصلاح ہو جائے تو یقیناً اولاد کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے کیونکہ ماں کو گود بچے کے لیے سب سے پہلا مدرسہ ہے۔

عورت اگر اصلاح کرنا چاہے تو پورے گھر' خاندان اور معاشرے کی

اصلاح کرسکتی ہے۔ اور اگر گمراہی پہ اتر آئے تو پورے معاشرہ کو خراب کرسکتی ہے۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنے خاوند کا رخ جدھر بھی موڑنا چاہے موڑ سکتی ہے اور اسے نیکی کے راستہ پر بھی چلا سکتی ہے اور برائی کے راستہ پر بھی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَارَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّ دِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ کہ عورتیں اگرچہ دین اور عقل کے لحاظ سے کمزور ہیں لیکن بڑے بڑے عقل مندوں کے عقل نکال سکتی ہیں۔ یعنی ان کو جس طرف چاہیں موڑ سکتی ہیں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام شیطان کی ہزار کوشش کے باوجود شجرہ ممنوعہ کو کھانے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوئے۔ بالآخر جب حضرت حوا علیہا السلام نے بھی ترغیبی کلمات کہہ دیے تو حضرت آدم علیہ السلام بھی کھانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق جب فرعون کے گھر پہنچا تو وہ فوراً ان کے قتل کے درپے ہوا۔ اس کی سپاہ اور فوج ہر لحاظ سے تیار ہو کر اس بچے کو قتل کرنے کے لیے پہنچ گئی۔ مگر اس کی بیوی آڑے آ گئی۔

کہنے لگی لَاتَقْتُلُوْہُ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا کہ اس بچے کو قتل نہ کرو۔ ہوسکتا ہے یہ ہمارے لیے نفع مند ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں۔ چنانچہ فرعون کو بالآخر اپنی بیوی کی بات ماننی پڑی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز آ گیا۔

دیکھیے! فرعون جیسے سرکش اور مطلق العنان فرمان روا کا رخ کس طرح اس کی بیوی نے اچھائی کی طرف موڑ دیا۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے عورت کی

تربیت اور اصلاح پر خصوصی توجہ دی ہے کہ اس کی اصلاح سے پورے خاندان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

عورت پر اسلام کے احسانات:

اسلام کی آمد سے قبل عورت کے ساتھ انتہائی ناروا اور گھٹیا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کے حقوق کو ہر لحاظ سے پامال کیا جاتا تھا۔ معاشرے میں کوئی بھی اس کا پرسان حال نہ تھا۔

☆ تعلیم کے دروازے عورت پر بند تھے۔ اسلام نے آ کر وضاحت کی کہ تعلیم حاصل کرنا عورت کا بنیادی حق ہے۔

☆ میراث میں سے عورت کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ اسلام نے آ کر عورت کو میراث میں سے حصہ دیا۔

☆ جنگ میں عورتوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے آ کر اسے تحفظ فراہم کیا۔

☆ تلاش معاش کی ذمہ داری مرد کی طرح عورت پر بھی ڈالی جاتی تھی۔ اسلام نے آ کر عورت کا بوجھ ہلکا کیا اور مرد کو ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ نان نفقہ رہائش وغیرہ مہیا کرے۔

☆ عورت کے نکاح میں دیر کرنا اور اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینا ان کا معمول تھا۔ اسلام نے آ کر وضاحت کی کہ اس کے نکاح میں دیر کرنے سے اگر کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس گناہ میں اس کا ولی شریک ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت کی کہ بوقت نکاح اس سے اجازت لینا ضروری ہے۔

☆ حق مہر طے کر دیا جاتا تھا لیکن ادائیگی کا کوئی رواج نہ تھا اسلام نے آ کر اس کی ادائیگی کو متحقق بنایا۔

☆ طلاق ایک کھیل تھا جس کا دل چاہتا جتنی طلاقیں دے دیتا' پھر رجوع پھر طلاق۔ اس طرح عورت کو معلق رکھ کر اس پر ظلم کیا جاتا تھا۔ اسلام نے آ کر طلاقوں کی تحدید کر کے عورت کو اس ظلم سے نجات دلائی۔

☆ عورت اگر کسی جائز وجہ سے خاوند سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ اسلام نے آ کر اسے حق خلع دیا۔

☆ وضع حمل میں مرنے والی عورت کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا درجہ عطاء فرمایا۔

وَأدِ الْبَنَات:

زمانہ جاہلیت کی ایک بری اور انتہائی شرمناک رسم بچیوں کو زندہ درگور کرنا تھا۔ بیٹی کو اس حد تک گھٹیا سمجھا جاتا تھا کہ بیٹی کی پیدائش ان کے لیے عار تھی۔ پھر اس عار کو ختم کرنے کے لیے وہ زمین میں گڑھا کھود کر اپنی زندہ بیٹی کو اس میں دفن کر دیتے تھے۔ روزانہ کئی ایسی بچیاں سسکتی' بلکتی اور چیختی' چلاتی زندہ درگور کر دی جاتی تھیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔

قرآن مجید نے اس کی مذمت کرتے ہوئے بیان فرمایا وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (النحل) کہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور اس کا دل انتہائی اندوھناک ہو جاتا ہے اور اس خبر بد کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے اس لڑکی کو زندہ رہنے دے' یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔

عورت پر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اس رسم بد کا قلع قمع

کیا' اور قتل اولاد کو بہت بڑا جرم قرار دیتے ہوئے آخرت کی سزا سے ڈرایا۔
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ یعنی قیامت کے دن اس
لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی تھی پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی (تکویر)۔

عورت کی قدر و قیمت:

زمانہ جاہلیت میں جس عورت کو گھٹیا سمجھ کر اس سے ناروا سلوک کیا جاتا تھا اسلام نے آ کر اسے ایک مقدس رشتہ کی حیثیت سے متعارف کروایا۔ وہ ماں ہے تو قابل صد احترام ہے۔ بہن ہے تو بھی قابل عزت ہے۔ بیٹی ہے تو قابل شفقت و رحمت ہے۔

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَنْ وُلِدَتْ لَهٗ اِبْنَةٌ فَلَمْ یُؤْذِهَا وَلَمْ یُهِنْهَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَیْهَا یَعْنِی الذُّکُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ (مسند احمد) کہ جس شخص کے ہاں کوئی لڑکی پیدا ہو پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا پہنچائے نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے اور نہ وہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے صلے میں اسے جنت عطاء فرمائے گا۔

☆ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لیے آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ تینوں ماں بیٹیوں پر فاقے کے شدید آثار تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قدرتی طور پر اس وقت میرے پاس صرف تین کھجوریں موجود تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے وہ تینوں کھجوریں اس عورت کو صدقہ کر دیں۔ اس نے اپنی ان دونوں بچیوں کو ایک ایک کھجور دے دی۔ تیسری کھجور خود کھانے کے لیے اپنے منہ میں رکھنے لگی کہ ان دونوں بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا۔ چنانچہ اس عورت نے خود کھانے کی بجائے وہ تیسری کھجور بھی ان دونوں بچیوں کو آدھی آدھی کر کے دے

دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس عورت کے طرزِ عمل سے بہت متاثر ہوئی۔ کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ بھی یہ واقعہ سن کر بہت متاثر ہوئے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ کہ جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ اور وہ ان سے اچھا سلوک کرے۔ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ (بخاری ومسلم) تو اللہ تعالیٰ اس حسن سلوک کی وجہ سے اس آدمی کے حق میں جنت کے داخلہ اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ یعنی اگر وہ شخص بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرما دے گا۔

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَ ضَمَّ اَصَابِعَهٗ (مسلم) کہ جو شخص دو بچیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سمجھانے کے لیے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔ یعنی جس طرح یہ انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور وہ جنت میں اکٹھے ہوں گے۔

نبوّت کی چادر:

ایک دفعہ ایک جنگ میں کچھ آدمی گرفتار ہوئے جن میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ صحابہ کرامؓ ان قیدیوں کو مدینہ منورہ لائے اور مسجد کے قریب ان کو اتار دیا گیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دور سے دیکھا کہ ایک لڑکی برہنہ سر

کھڑی ہے۔ آپؐ نے فوراً اپنی چادر مبارک اتاری اور ایک صحابی کو فرمایا کہ یہ چادر جا کر اس لڑکی کے سر پر دے دو۔

صحابہ کرامؓ بڑے حیران ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ! یہ آپ کی مبارک چادر ہے اور وہ عورت کافر اور مشرک ہے۔ اس کا سر اتنی مقدس چادر کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بیٹی آخر بیٹی ہوتی ہے چاہے کسی کافر کی کیوں نہ ہو؟

بعد ازاں اس بچی کی درخواست پر آپؐ نے اسے نہ صرف آزاد فرما دیا بلکہ زادِ راہ، سواری اور کچھ جوڑے دے کر بخیریت گھر پہنچانے کا انتظام بھی فرما دیا۔ (جواہر التاریخ)

رضاعی بہن:

غزوہ حنین کے موقعہ پر جب صحابہ کرامؓ نے بہت سے کفار کو گرفتار کیا تو ان قیدیوں میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں۔ وہ صحابہ کرامؓ سے کہنے لگی کہ میں تو تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ صحابہ بڑے حیران ہوئے اور تصدیق کے لیے اس عورت کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت شیماء نے آپ کو بتایا کہ میں آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی وہ بیٹی ہوں جس نے بچپن میں آپ کو اٹھایا اور کھلایا۔ شیماء نے جب بچپن کے واقعات یاد دلائے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پہچان لیا اور فرطِ مسرت سے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ پھر آپؐ نے اپنی نبوت والی چادر بچھا کر شیماء کو اوپر بٹھایا۔ اماں حلیمہ کا حال پوچھا۔ وہ عورت حالات بتاتی جاتی تھی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام آنسو بہاتے جاتے تھے۔

بعد ازاں اس عورت کو بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے اعزاز کے

ساتھ رخصت فرمایا۔

مَرد کی زائد نیکیاں:

ایک دفعہ چند صحابیات نے جمع ہو کر سوچا کہ ہمارے مرد تو نیکیوں میں ہم سے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے لیے نیکی کے بہت سے مواقع ہیں اور ہم گھروں میں محبوس ہونے کی وجہ سے محروم رہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت اسماءؓ نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرد و زن سب کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ جس طرح آپ پر مرد ایمان لائے' ہم عورتیں بھی ایمان لائیں۔ لیکن عورتوں اور مردوں کی حالات میں بہت بڑا فرق ہے۔

ہم عورتیں ہمہ وقت گھروں اور پردوں میں بند رہتی ہیں' ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہیں۔ پھر کتنا عرصہ پرورش کرتی ہیں' ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں گھر کا سارا انتظام سنبھالتی ہیں۔ چرخہ کاتتی اور کپڑا بنتی ہیں۔ لیکن ہمارے مرد ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں۔ وہ نماز جمعہ اور پنجگانہ نمازیں مسجد میں جا کر ادا کرتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازوں میں شریک ہوتے ہیں۔ حج پر جاتے ہیں اور جہاد کے لیے سفر کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں ہیں؟

یہ سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہائی خوش ہوئے اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا دیکھو اس عورت نے کتنا بہترین سوال کیا ہے؟ پھر آپؐ نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا کہ میری بات غور سے سنو اور جن عورتوں نے تجھے بھیجا ہے ان کو بھی سمجھا دو کہ عورت اگر شوہر کی موافقت اور فرماں برداری کرتے ہوئے امور خانہ داری

میں لگی رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مرد کی زائد نیکیوں میں اسے بھی برابر کا ثواب عطاء فرمائے گا۔ (حیاۃ الصحابہ)

عورتوں کی حسرت اور قرآن کا نزول:

ایک دفعہ چند عورتیں خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر بہت کم فرمایا ہے۔ جگہ جگہ مردوں کا ہی ذکر ہے۔ اجراء احکام کے وقت بھی مردوں کو خطاب کیا جاتا ہے (یعنی مذکر کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں) حالانکہ ہم عورتیں بھی اسی معاشرہ کا حصہ ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا؟

عورتوں کے یہ حسرت بھرے کلمات سن کر رحمت الٰہی کو جوش آیا اور اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی دلجوئی کے لیے قرآن نازل فرما دیا اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب) کہ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنیوالی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں کچھ

شک نہیں کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

گرامی قدر سامعین! توجہ فرمائیں کس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرما کر ان کی تسلی و دلجوئی کا سامان کر دیا!

ایک عورت کی پریشانی:

ایک دفعہ حضرت اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی حضرت خولہؓ کو یہ الفاظ کہہ دیے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ کہ تو میرے لیے اسی طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت۔ یہ الفاظ دور جاہلیت میں طلاق کے قائم مقام سمجھے جاتے تھے۔ حضرت خولہؓ فوراً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اپنے بڑھاپے اور کسمپرسی کا ذکر کرتے ہوئے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپؐ نے پرانے دستور کے مطابق مسئلہ بتا دیا مَااَرَاكِ اِلَّاقَدْ حَرُمْتِ عَلَيْهِ کہ میرے خیال میں تو اس پر حرام ہو چکی ہے۔

حضرت خولہ منت و زاری پر اتر آئیں اور اس بات پر آپ سے بحث کرنے لگیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک نیا حکم نہ آئے میں تو اسی پرانے دستور کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ میں ازخود اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں دے سکتا۔

بی بی خولہ نے فوراً سر سجدہ میں رکھا اور اپنے مالک حقیقی سے گویا ہوئی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْ اِلَيْكَ کہ اے اللہ میں اپنے غم و الم کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں۔

اس عورت کی پریشانی اور درد بھری پکار پر رحمت الٰہی کو جوش آیا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے سر اٹھایا تو حضرت خولہ کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (مجادلہ) کہ اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں آپ سے بحث کر رہی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے فریاد

کرنے والی تھی۔ (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کا نیا قانون بیان فرما دیا)

گرامی قدر سامعین! اندازہ لگائیں کہ محض ایک عورت کی پریشانی پر اللہ تعالیٰ نے کس طرح پرانا دستور تبدیل فرما کر اس عورت کا مسئلہ حل فرما دیا۔

عورتوں کے حقوق کی فکر:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس صنف نازک کے حقوق کی اس حد تک فکر تھی کہ انتہائی اہم مواقع پر بھی اس کے حقوق بیان فرمائے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے عظیم الشان اجتماع میں بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کے حقوق کی فکر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا فَاِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَاءِ کُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقٌّ بے شک جس طرح تمہارے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی تمہارے ذمہ ہیں۔ وَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں (مسلم)۔

حتیٰ کہ آپؐ نے اپنی مرض وفات میں عورتوں کے حقوق کی خصوصی تاکید فرمائی۔ بار بار فرماتے تھے اِتَّقُوا اللهَ فِی النِّسَاءِ اِتَّقُوا اللهَ فِی النِّسَاءِ عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِیْ (ترمذی) کہ تم میں سے سب سے اچھا اور بھلا آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ اسی کے ساتھ فرمایا وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِیْ کہ میں اپنی بیویوں کے لیے بہت اچھا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب میں ان کے حقوق کی رعایت اور فکر کرتا ہوں تو

انہیں تو ضرور کرنی چاہیے۔

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَّاَلْطَفُھُمْ بِاَھْلِہٖ (ترمذی) کہ تمام مؤمنین میں سے اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاق اور برتاؤ بہت اچھا ہو اور خاص طور پر جس کا رویہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

نیک عورت:

ایک موقعہ پر پیغمبر الصلوٰۃ والسلام نے نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْءَۃُ الصَّالِحَۃُ (مسلم) کہ پوری دنیا نفع حاصل کرنے کی ایک چیز ہے اور دنیا کی چیزوں میں سے سب سے نفع مند چیز نیک عورت ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے نیک عورت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنْ اَمَرَھَا اَطَاعَتْہُ کہ اگر اس کا خاوند اسے کوئی حکم کرے تو اس کا کہا مانے وَاِنْ نَظَرَ اِلَیْھَا سَرَّتْہُ اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْھَا اَبَرَّتْہُ اگر اس کا خاوند اس پر قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کی قسم سچی کر دے۔ وَاِنْ غَابَ عَنْھَا نَصَحَتْہُ فِیْ نَفْسِھَا وَ مَالِہٖ (ابن ماجہ) اگر وہ کہیں چلا جائے تو اس کی غیر حاضری میں اپنی عزت و آبرو اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیر خواہی کرے۔

شوہر کا حق:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَی الْمَرْءَۃِ زَوْجُھَا وَ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَی الرَّجُلِ اُمُّہٗ (حاکم) کہ عورت

پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے یہاں تک ارشاد فرمایا لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (ترمذی) کہ اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لیے سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

غور فرمائیں! کس بلیغ اور مؤثر عنوان سے آپؐ نے بیوی کے لیے خاوند کا حق بیان فرمادیا۔

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اَيُّمَا امْرَءَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (ترمذی) کہ جو عورت اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔

چار کام آٹھ دروازے:

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءَةُ کہ اگر کوئی مؤمن (صحیح العقیدہ) عورت صَامَتْ خَمْسَهَا پانچ وقتی نماز پڑھے وَصَامَتْ شَهْرَهَا اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھے وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا اور اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ (مشکوٰۃ ابن حبان) تو جنت کے آٹھ دروازے اس کے لیے کھلے ہیں جس سے جی چاہے داخل ہو جائے۔

مردوں کے لیے نمونہ:

عورت اگر صحیح معنوں میں نیک ہو جائے تو وہ مردوں کے لیے نمونہ اور آئیڈیل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے ایک مثالی نمونہ بیان کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ دو عورتوں کا ذکر فرمایا (۱) اِمْرَءَةُ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ (۲) مَرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ۔

توجہ فرمائیں عورت ذات کو اہل ایمان کے لیے ایک نمونہ قرار دیا جا رہا ہے۔

پردہ اور اصلاح:

گرامی قدر سامعین! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی بیان میں پردہ کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے۔

☆ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (احزاب) کہ اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو فرما دیجئے کہ جب گھروں سے نکلیں تو اپنے اوپر بڑی چادر اوڑھ لیا کریں۔ جَلَابِیْب کا معنی ہے بڑی چادریں جس سے پورا وجود ڈھانپا جا سکے (اس کی ایک مثال دیسی برقعہ بھی ہے)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ اپنے گھروں سے نکلیں اَنْ یُغَطِّیْنَ وُجُوْهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤُوْسِهِنَّ بِالْجَلَابِیْبِ وَ یُبْدِیْنَ عَیْنًا وَّاحِدَةً (تفسیر ابن کثیر) کہ وہ اپنے چہروں کو ان بڑی چادروں سے ڈھانپ لیں جو

سروں پر اوڑھ رکھی ہیں اور راستہ چلنے کے لیے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کہ مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد اوپر والے کپڑے اور جلباب مراد ہے کہ وہ تو ظاہر ہونے ہی ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ استثناء حالت نماز کے لیے ہے کیونکہ نماز میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی رکھی جاتی ہیں۔ باقی عام حالات میں چہرہ کا پردہ ضروری ہے کہ چہرہ ہی تمام محاسن کا مرکز ہے۔

حدیث شریف کی کتب میں حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھیں کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ان دونوں بیویوں سے فرمایا اِحْتَجِبَا مِنْهُ کہ تم دونوں پردے میں چلی جاؤ۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اَلَیْسَ هُوَ اَعْمٰی لَا یُبْصِرُنَا کہ وہ تو نابینا ہیں وہ تو ہمیں نہیں دیکھ رہے۔ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً ارشاد فرمایا اَفَعَمْیَا وَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ (ترمذی) کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم اس کو نہیں دیکھ رہی؟

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مرد کے لیے غیر محرم عورت پر نظر ڈالنے کی ممانعت ہے اسی طرح ایک عورت کے لیے بھی غیر محرم مرد پر نظر ڈالنے کی ممانعت ہے۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات ظاہر ہے کہ نظر ڈالنے اور دیکھنے سے ہی آگے کام خراب ہوتا چلا جاتا ہے اس لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظر پر ہی پابندی لگادی۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ کہ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ لَهٗ (بیہقی) کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت اگر کسی ایسی جگہ کھڑی ہے جہاں اس پر شریعت کے خلاف نظر ڈالی جا سکے' یا کوئی مرد یا عورت اپنے جسم کا کوئی حصہ از خود کھول دے جس کا دیکھنا ناجائز ہو تو اس کو دیکھنے والے کے ساتھ ساتھ یہ شخص بھی لعنت کا مستحق ہے۔

عورت کا مسکن:

اس لیے شریعت اسلامیہ نے عورت کا مسکن اس کے گھر کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (احزاب) اے پیغمبر کی بیبیو! تم اپنے گھروں میں ہی قرار پکڑو اور قدیم جاہلیت کے دستور کے مطابق مت پھرو۔ غور فرمائیں! جب آپ کی ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا جا رہا ہے تو دوسری عورتیں تو بطریق اولی اس حکم میں شامل ہیں۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءَةُ عَوْرَةٌ فَاِنَّهَا اِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ کہ عورت ایک چھپا کر رکھنے والی چیز

ہے اور جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکنے لگتا ہے (یعنی شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگ اس کو دیکھیں)۔ پھر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا وَاِنَّھَا لَتَکُوْنُ اَقْرَبَ اِلَی اللّٰہِ مِنْھَا اِلَّافِیْ قَعْرِ بَیْتِھَا (الطبرانی) عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورتیں اپنے گھروں کے اندر ہی رہیں۔

اگر خدانخواستہ کسی مجبوری کی بناء پر نکلنا پڑے تو راستہ کے درمیان نہ چلیں تا کہ مردوں کا آمنا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ آپ ؐ نے راہ چلنے والی عورتوں کو مردوں کے مجمع سے الگ چلنے کا حکم ارشاد فرمایا اور پھر فرمایا عَلَیْکُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِیْقِ کہ تم راستے کے ایک کنارے پر چلو۔

راوی کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے بعد عورتوں کی یہ حالت تھی فَکَانَتِ الْمَرْءَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ (ابوداؤد) کہ وہ بالکل دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیوار میں اٹکنے لگتے تھے۔

اندازہ لگائیں! کس طرح عورتوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پاک کا لحاظ رکھا۔

عورت کو اگر کسی مجبوری کی بناء پر سفر کرنا پڑے تو شریعت مطہرہ کا حکم ہے کہ وہ بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَایَحِلُّ لِامْرَءَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَ لَیْلَۃٍ وَلَیْسَ مَعَھَا حُرْمَۃٌ (بخاری) کہ کسی عورت کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ حلال نہیں ہے کہ بغیر محرم کے ایک دن رات کی مسافت کا سفر بھی طے کرے۔ چنانچہ علماء کرام نے مسئلہ بیان فرمایا کہ عورت حج جیسا مبارک

سفر بھی بغیر محرم کے نہ کرے۔ اگر اس پر حج فرض ہے اور محرم نہیں مل رہا تو وہ تازندگی اپنے سفر کو مؤخر رکھے۔حتی کہ عندالموت حج بدل کی وصیت کر جائے۔

سفر کرنا تو درکنار عورت کے لیے تو یہ حکم ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی میں بھی نہ بیٹھے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا لَایَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَءَۃٍ اِلَّاکَانَ ثَالِثُھَا الشَّیْطَانُ (ترمذی) کہ جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے پاس تیسرا شیطان بھی ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے شیطان کا کام ہی گناہ کرانا ہے اور وہ پوری کوشش کرے گا کہ ان سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور صادر ہو جائے۔ اس لیے آپؐ نے تنہائی سے ہی منع فرمادیا۔

خُلاصہ کلام:

الغرض خلاصہ کلام یہ ہے کہ (۱) اول تو عورتیں اپنے گھر سے ہی نہ نکلیں۔ (۲) اگر نکلیں تو اکیلی نہ نکلیں۔ (۳) پھر بھی خوب پردہ کر کے اور چادر اوڑھ کر نکلیں۔ (۴) ہر لحاظ سے اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ (۵) راستہ کے درمیان نہ چلیں بلکہ کناروں پر چلیں۔ (۶) اپنی نگاہ نیچی رکھیں غیر محرم مردوں کی طرف نہ دیکھیں۔

عَورت کی آواز:

شریعت اسلامیہ نے تو عورت کے پردے کا اس حد تک اہتمام فرمایا ہے کہ اس کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ وہ حتی الوسع اپنی آواز کو بھی چھپائے۔ کیونکہ آواز بھی بہت بڑے فتنہ کا باعث ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات کسی غیر محرم کے ساتھ بامر مجبوری کوئی بات کرنی پڑ جاتی ہے تو شریعت کا حکم ہے کہ اپنی آواز اور لہجے کو ذرا بدل لیں کہ اس میں لطافت اور نرمی نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے اے ازواج

مطہرات! فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (احزاب) اگر کسی اجنبی شخص سے بات کرنی پڑ جائے تو نرم نرم بات نہ کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے کوئی امید نہ لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ عورت کی آواز میں فطرتاً ایک لطافت اور نفاست ہوتی ہے۔ اس کے لب و لہجہ میں ایک خاص قسم کی کشش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اجنبی سے بات کرتے وقت اس فطرتی لہجہ کو اپنی کوشش سے تبدیل کر کے غیر محرم سے بات کی جائے۔

غور فرمائیں! یہ حکم ازواج مطہرات کو دیا جا رہا ہے۔ جن کی نیت پر ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ اور بات کرنے والے بھی صحابہ کرامؓ تھے جن کے ایمان و اخلاص کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

لیکن پھر بھی حکم ہے کہ ان سے بھی اگر بات کرنی پڑے تو نرم لہجہ کی بجائے سخت لہجہ میں بات کرو۔ چونکہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے اسی لیے وہ اذان، تکبیر وغیرہ نہیں کہہ سکتی۔ حتیٰ کہ اگر وہ نماز میں شریک ہے اور امام صاحب کو لقمہ دینے کی ضرورت پڑ گئی تو وہ سُبْحَانَ اللہ بھی نہیں کہہ سکتی۔ صرف اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام صاحب کو ان کی غلطی پر متوجہ کرے۔

عورت کی آواز تو اپنی جگہ شریعت اسلامیہ نے تو اسے اپنے زیورات کی آواز تک کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ عورت کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے پاؤں زور سے زمین پر نہ مارے تاکہ اس کے زیورات کی کھنک سن کر کسی کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

عورت کی خوشبو:

عورت کے لیے حکم ہے کہ اس کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو بھی حتی الوسع غیر محرم تک نہ پہنچے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءَۃُ اِذَا سْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَھِیَ کَذَا وَ کَذَا یَعْنِیْ زَانِیَۃٌ (ابوداؤد) کہ جب کوئی عورت عطر لگا کر مردوں کی مجلس سے گزرے تو وہ ایسی ویسی ہے یعنی زانیہ ہے۔

ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا طِیْبُ الرِّجَالِ مَاظَھَرَ رِیْحُہٗ وَخَفِیَ لَوْنُہٗ وَطِیْبُ النِّسَاءِ مَاظَھَرَلَوْنُہٗ وَ خَفِیَ رِیْحُہٗ (ترمذی) کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے جس کی خوشبو ظاہر ہو اور رنگ پوشیدہ اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر آ رہا ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو۔

عورت کی نماز:

عورتوں کے پردہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے لیے حکم ہے کہ وہ مسجد میں آنے کی بجائے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی نماز جو اس کے کمرے میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو اس کے دالان یا برآمدے میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو اندر والے خصوصی کمرے میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو کسی عام کمرہ میں ہو (طبرانی)

ایک دفعہ مشہور صحابیہ حضرت ام حمیدؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مسجد نبوی میں آ کر آپ کی امامت میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا صَلوٰتُکِ فِیْ دَارِکِ خَیْرٌ مِنْ صَلوٰتِکِ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا کہ تیرا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اس مسجد میں آ کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ وَصَلوٰتُکِ

لِیْ بَیْتِکِ خَیْرٌ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ دَارِکِ اور تیرا کمرے کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے وَصَلٰوتُکِ فِیْ مِخْدَعِکِ خَیْرٌ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ بَیْتِکِ اور تیرا اگلے اندھیرے کمرے میں نماز پڑھنا عام کمرے میں نماز پڑھنے کی نسبت بہتر ہے (رواہ احمد)

مطلب یہ ہے کہ جتنا پردہ بڑھتا جائے گا نماز کا اجر وثواب بھی بڑھتا جائیگا۔

گرامی قدر سامعین غور فرمائیں! شریعت اسلامیہ نے عورت کے پردہ کا کتنا خیال رکھا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز جنازہ وغیرہ میں بھی اسے حاضر ہونے کا حکم نہیں دیا۔

خُوشبوئے جنّت سے مَحروم:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ پیشگوئی فرمائی کہ میری امت میں ایسی عورتیں بھی موجود ہوں گی نِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ کہ کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ یعنی کپڑے اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے وجود نظر آئے گا یا کپڑے اتنے تنگ ہوں گے کہ ہر ایک عضو نمایاں نظر آئے گا یا کپڑے اتنے مختصر ہوں گے کہ بعض اعضاء کھلے رہ جائیں گے۔

پھر فرمایا مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ یہ عورتیں مردوں کی طرف خود مائل ہوں گی اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کریں گی۔ یعنی مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کریں گے۔ رُؤُسُهُنَّ کَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ ان کے سر دوپٹوں سے خالی ہوں گے اور وہ اپنے سروں کو مٹکا کر چلیں گی جس طرح اُونٹ کی کوہان ہوتی ہے۔

پھر آپ نے ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا لَایَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یَجِدْنَ رِیْحَهَا کہ ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی جنت کی

خوشبو سونگھ سکیں گی۔ وَاِنَّ رِیْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ كَذَا وَكَذَا (بخاری)
حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے سونگھی جا سکتی ہے۔
بعض روایات میں ہے کہ جنت کی خوشبو سو برس کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے۔
گرامی قدر سامعین! اپنے معاشرہ پر غور فرمائیں! کس حد تک ہمارے معاشرہ میں بے پردگی بے حیائی اور بے غیرتی کا دور دورہ ہے؟
اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین
وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۳:- غزوہ بدر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ فَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (سورۃ آل عمران)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ کی دور میں قریش مکہ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ پر کیا کیا مظالم ڈھائے۔ اور کس طرح آپؐ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ آپ کو مختلف القابات سے یاد کیا گیا۔ مجنون' ساحر' مفتری اور کذاب تک کہا گیا۔ آپ کے سر مبارک میں خاک ڈالی گئی۔ راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ گردن پر ناپاک اوجھڑی رکھی گئی۔ گلے میں رسی ڈالی گئی۔ بچیوں کو طلاقیں دلوائی گئیں۔ اور چہرہ انور پر تھوکا گیا۔

آپ پر ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ کو اس حد تک ظلم و جور کا نشانہ بنایا گیا کہ وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ تین سال تک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا۔ معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ حتیٰ کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

بالآخر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔ اور آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کو پکڑنے کے لیے انعامی اشتہار دیا گیا اور مسلمانوں

کے گھروں اور اموال پر قبضہ کر لیا گیا۔ حق تو یہ بنتا تھا کہ ہجرت کر کے وطن چھوڑ جانے پر قریش مکہ اپنی ستم ظریفی سے باز آ جاتے مگر ان ظالموں نے مدینہ منورہ میں بھی آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔

مدینہ کے سردار عبداللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر کے تمہارے سب مردانِ جنگی کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی حرمت کو پامال کر ڈالیں گے۔

نوبت بایں جا رسید کہ مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے تو پرانی دوستی کی بنیاد پر اُمیہ بن خلف کے مہمان ہوئے۔ امیہ انہیں دوپہر کے وقت طواف کرانے کے لیے نکلا تو ابوجہل نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑے اطمینان سے طواف کر رہے ہو اگر تم صفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو کبھی اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے۔

حتیٰ کہ ایک دفعہ قریش مکہ نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے ہو۔ ہم یثرب پہنچ کر تمہارا استیاناس کر دیں گے۔

یہ محض دھمکی نہ تھی بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پورے معتمد ذرائع سے قریش کی چالوں اور برے ارادوں کا علم ہو گیا تھا۔ بنابریں آپؐ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا پھر صحابہ کرامؓ کے پہرے میں سوتے تھے۔ اور یہ خطرہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ سارے مسلمانوں کو لاحق تھا۔ چنانچہ مسلمان نہ ہتھیاروں کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ صبح کرتے تھے۔

پھر ایک موقعہ پر کرز بن جابر فہری نے مشرکین کی ایک مختصری فوج کے

ساتھ مدینہ منورہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور اہل مدینہ کے مویشی لوٹ لیے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستر (۷۰) صحابہ کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا مگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

قریش کا تجارتی قافلہ:

پھر ایک موقعہ پر قریش نے اپنا ایک تجارتی قافلہ ملک شام روانہ کیا۔ اس قافلہ میں مکہ مکرمہ کے تقریباً ہر آدمی نے سرمایہ فراہم کیا۔ حتیٰ کہ غیر تاجر عورتوں نے اپنے زیورات اور اندوختے لا لا کر دے دیے۔ خود ابوسفیان کا قول ہے کہ مکہ کے قریشی مرد وزن میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے اس موقعہ پر حصہ نہ لیا ہو۔

مدعا یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگایا کر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر کے اپنی معیشت مضبوط کی جائے اور اس آمدن کے بل بوتے پر جنگی مہم بھیج کر مدینہ منورہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ قافلہ محض ایک تجارتی قافلہ نہ تھا بلکہ ایک عظیم جنگی کاروائی کا دیباچہ تھا۔

گرامی قدر سامعین! اگر حالات ایسے ہوں تو آج کے دور میں بھی کونسی مہذب ترین حکومت اپنی ملحقہ شاہراہوں' پانیوں اور فضاؤں سے حریف کو سلامتی سے گزر جانے کا موقع دے سکتی ہے؟ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ڈیڑھ دوسو مہاجرین کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لے ذوالعشیرہ تک پہنچے لیکن یہ قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو آپؐ نے دو صحابہ کے ذریعے اس کے حالات کا پتا لگا لیا۔ اہل مدینہ کے لیے یہ زریں موقعہ تھا کہ اس قافلہ کی دولت سے قریش مکہ کو محروم کر کے انہیں زبردست اقتصادی ضرب لگائی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا

قافلہ مال و دولت سے چلا آ رہا ہے اس کے لیے نکل پڑو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بطور غنیمت تمہارے حوالے کر دے۔

مدینہ منوّرہ سے روانگی:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلان پر تقریباً تین سو تیرہ آدمی یک دم تیار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ رمضان المبارک ۲ھ کی بارہ تاریخ تھی۔

چونکہ جنگ و جدال اور قتل و قتال کا وہم و گمان بھی نہ تھا اس لیے صحابہ کرامؓ بغیر کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل پڑے۔ چنانچہ جنگی ساز و سامان کی اس حد تک کمی تھی کہ پورے قافلہ میں صرف ستر اونٹ، دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور چھ زرہیں تھیں۔ ایک ایک اونٹ تین تین آدمیوں میں مشترک تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔

دوسری طرف تجارتی قافلہ کی یہ صورت حال تھی کہ ابوسفیان جو اس کا نگہبان تھا حد درجہ محتاط تھا۔ وہ حالات کا مسلسل پتہ لگا رہا تھا۔ چنانچہ اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلے پر حملے کی دعوت دے دی ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر کے بھیجا کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے نفیر عام کی صدا لگائے۔ اس نے کچھ انداز سے اہل مکہ کو جوش دلایا کہ تقریباً ایک ہزار آدمی پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ تقریباً تمام سرداران قریش اس لشکر میں شریک تھے اور قیادت ابوجہل کے ہاتھ میں تھی۔

ابوسفیان نے دوسرا کام یہ کیا کہ قافلے کو کاروانی شاہراہ سے ہٹا کر اس کا رخ ساحل کی طرف کر دیا اور اس طرح وہ مدنی لشکر سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اہل مکہ کو اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دیتے ہوئے انہیں واپس جانے کا مشورہ

دے دیا۔ لیکن ابوجہل نے کبر وغرور میں آ کر اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے اصرار کے باوجود واپس جانے کی بجائے بدر کی طرف رواں دواں رہا۔ مقام ذفران پر پہنچ کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ سے کفار قریش کا ایک لشکر جرار اسلحہ سے لیس ہو کر اپنے قافلے کی حفاظت اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکل چکا ہے۔

اب صورت حال یکسر بدل گئی اب قافلہ سے سامنا کرنے کی بجائے مسلمانوں کو ایک ہزار کے غرق آہن لشکر جرار سے سامنا کرنا تھا۔ اور ایک خون ریز ٹکراؤ کی حتمی اور یقینی شکل نظر آ رہی تھی۔ حالات کی اس پر خطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کو مشورہ کے لیے جمع فرمایا اور انہیں تازہ ترین صورت حال سے باخبر فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے دلکش انداز میں ایثار و قربانی کی خدمات پیش کیں۔

حضرت مقدادؓ کی تقریر:

بعد ازاں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر جان نثاری کا اس طرح مظاہرہ کیا اِمْضِ لِمَا اَمَرَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَنَحْنُ مَعَکَ وَاللّٰہِ لَانَقُوْلُ کَمَا قَالَتْ بَنُوْاِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی اِذْھَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ وَلٰکِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ وَبَیْنَ یَدَیْکَ وَ خَلْفِکَ یا رسول اللہ! جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے، ہم سب آپؐ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بے شک ہم آپؐ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔

حضرت مقدادؓ کی یہ تقریر سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ (بخاری)

حضرت سعد بن معاذؓ کی تقریر:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے بھی معلوم کریں۔ کیونکہ بیعت عقبہ کی رو سے وہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے پابند نہ تھے۔ اس لیے آپؐ بار بار انصار کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّهَا النَّاسُ سردار انصار سیدنا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس بلیغ اشارہ اور دقیق نکتہ کو سمجھ گئے اور فوراً کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ شاید روئے سخن ہماری طرف ہے۔

بے شک ہم آپ پر ایمان لائے ہیں' آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور اطاعت اور جانثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ لہذا اے اللہ کے رسولؐ! آپ کا جو بھی ارادہ ہے اس کے لیے پیش قدمی فرمایئے وَصِلْ حِبَالَ مَنْ شِئْتَ وَاقْطَعْ حِبَالَ مَنْ شِئْتَ وَسَالِمْ مَنْ شِئْتَ وَ عَادِ مَنْ شِئْتَ آپ جس سے چاہیں تعلق استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلق کاٹ لیں۔ جس سے چاہیں صلح کر لیں' جس سے چاہیں دشمنی کریں۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ وَخُذْ مِنْ اَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ وَاَعْطِنَا مَا شِئْتَ وَمَا اَخَذْتَ مِنَّا کَانَ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِمَّا تَرَکْتَ ہمارے مال میں سے جس قدر آپ چاہیں لے لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطاء فرما دیں اور جو کچھ آپ لے لیں گے وہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جسے آپ چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے برک غماد تک جائیں تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ اگر آپ

ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں تو خدا کی قسم ہم کود پڑیں گے۔

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر آپؐ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کے دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ. لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ (انفال) اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ کافروں کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تم کو دے گا اور تم یہ پسند کرتے تھے کہ جو قافلہ بے شان وشوکت یعنی بے ہتھیار ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔ تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے گو مشرک ناخوش ہی ہوں۔

ابلیس کی چال:

مکہ سے نکلتے ہوئے قریش کو یہ خدشہ تھا کہ قبائل بنو بکر سے ان کی پرانی دشمنی چل رہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قبائل پیچھے سے حملہ کر دیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال قریش کو ان کے ارادہ جنگ سے روک دے۔ لیکن عین اس وقت ابلیس لعین بنو کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں نمودار ہو کر ان کو تسلی دینے لگا کہ میں تمہارا رفیق ہوں اور اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ تمہیں کچھ نہ کہیں گے بلکہ وہ بھی اس حملہ میں آپ کا ہر طرح ساتھ دیں گے۔ لیکن میدان جنگ میں اس نے فرشتوں کو دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگنے لگا۔ حارث بن

ہشام نے اسے پکڑ لیا۔ لیکن ابلیس نے اسے گھونسا مارا اور اس سے ہاتھ چھڑاتا ہوا بھاگ نکلا اور کہنے لگا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (انفال) کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

دونوں لشکروں کی فرودگاہیں:

قریش مکہ نے میدان بدر میں پہلے پہنچ کر مناسب جگہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب موقعوں کو اپنے لیے چھانٹ لیا بلکہ بدر کے کنویں پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن مسلمانوں کو نہ پانی ملا اور نہ ہی جنگ کے لیے مناسب جگہ ملی۔ وہ ریتلی زمین تھی جس میں آدمیوں کے اور سواریوں کے پیر نہیں جمتے تھے۔ ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل و رحمت فرماتے ہوئے رات کو باران رحمت نازل فرمادی وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (انفال) اور اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے قدموں کو جما دے۔

باران رحمت کی وجہ سے تمام ریت جم گئی اور مسلمانوں نے حوض بنا کر استعمال کے لیے پانی بھی جمع کر لیا۔ برخلاف قریش کے کہ ان کی جگہ پر دلدل اور کیچڑ بن گئی اور انہیں کیچڑ میں چلنے پھرنے کی سخت تکلیف رہی۔

عَریش کی تیاری:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے لڑائی سے پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایک ٹیلے پر کھجور کی شاخوں سے ایک مسقف چبوترا تیار کرایا تاکہ آپ اس میں بیٹھ کر رفتار جنگ کا معائنہ کریں اور احکام نافذ فرمائیں۔ آپ نے ان کو دعائے خیر دی اور عریش میں اقامت فرما ہوئے۔ اب آپ کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ حاضرین میں سے کسی کو اس کارخطیر کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شمشیر بکف ہو کر بڑھے اور سرور کائنات کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اسی لیے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اَشْجَعُ النَّاسِ اَبُوْبَکْرٍ کہ ہم سب میں سے سب سے بہادر اور شجاع حضرت ابوبکر ہیں جنہوں نے اس خطیر اور نازک موقعہ پر آپ کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔

آپ کی دُعائیں:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقعہ پر رب العزت سے بڑی زاری اور الحاح کے ساتھ مختلف دعائیں مانگیں۔ ایک موقعہ پر عرض کیا اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاحْمِلْھُمْ اے اللہ میرے ساتھی پا پیادہ ہیں ان کو سواری عطا فرما وَعُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ یہ ننگے بدن ہیں ان کو لباس عطاء فرما یا وَجِیَاعٌ فَاَشْبِعْھُمْ مولائے کریم! یہ بھوکے ہیں ان کو سیر فرما وَعَالَۃٌ فَاَغْنِھِمْ مِنْ فَضْلِکَ مولائے کریم یہ فقیر ہیں ان کو اپنے فضل وکرم سے غنی فرما۔

ایک موقعہ پر یوں دعاء کی اَللّٰھُمَّ لَا تُفْلِتَنَّ اَبَا جَھْلٍ فِرْعَوْنَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اے اللہ اس امت کے فرعون ابوجہل کو مت چھوڑنا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تُفْلِتَنَّ زَمْعَۃَ

بْنَ الْاَسْوَدِ اے اللہ زمعہ بن اسود چھوٹنے نہ پائے۔ اَللّٰھُمَّ اَسْخِنْ عَیْنَ اَبِیْ زَمْعَۃَ بِزَمْعَۃَ اے اللہ زمعہ کے باپ کی آنکھیں زمعہ کیوجہ سے رو رو کر گرم فرما۔ اَللّٰھُمَّ لَا تُفْلِتَنَّ سُھَیْلًا اے اللہ سہیل بن عمرو کو نہ چھوڑنا۔

ایک موقعہ پر فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ قُرَیْشٌ قَدْ اَقْبَلَتْ بِخُیَلَاءِ ھَا وَفَخْرِ ھَا تُحَادُّکَ وَ تُکَذِّبُ رَسُوْلَکَ اَللّٰھُمَّ فَنَصْرُکَ الَّذِیْ وَ عَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اَحِنْھِمُ الْغَدَاۃَ اے اللہ یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا ہے۔ تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے رسول کو جھٹلاتا ہے۔ اے اللہ اپنی فتح اور نصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ ان کو ہلاک کر۔

اسی طرح عریش بدر میں رات کو بڑی زاری کے ساتھ دعائیں مانگیں اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَاوَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَاتُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جمعیت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدہ کی وفا کی درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ ہو۔

اس بے تابانہ الحاح و زاری میں ہاتھ آسمان کی طرف اس قدر بلند ہوئے کہ آپ کے کندھوں سے چادر گرگئی۔ صدیق اکبر جو پیچھے کھڑے تھے بار بار چادر اٹھا کر آپ کے کندھوں کو ڈھانپتے اور فرماتے حَسْبُکَ فَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰی رَبِّیْ اے اللہ کے رسول بس کریں اس سے زیادہ آپ نے اپنے رب کو کیا کہنا ہے؟

بعدازاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اَبْشِرْیَا

اَبَابَکْرٍ اَتَاکَ نَصْرُ اللہِ. ھٰذَا جِبْرِیْلُ اٰخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِہٖ عَلَیْہِ اَدَاۃُ الْحَرْبِ
اے ابوبکر تجھے بشارت و مبارکباد ہو تیرے پاس اللہ کی مدد آ پہنچی یہ جبریل امین گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑے ہوئے ہیں اور سامان جنگ سے آراستہ ہیں۔

بعد ازاں آپ عریش سے باہر تشریف لائے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگ جائے گی۔

حتی کہ آپ صحابہ کرامؓ کو میدان کارزار کی طرف لے گئے اور انہیں اہل مکہ کی قتل گاہیں دکھائیں۔ چنانچہ آپ دستِ مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْشَاءَ اللہُ صبح کو یہ فلاں کی قتل گاہ ہے انشاء اللہ۔ اس طرح آپ مقام قتل پر ہاتھ رکھ کر نام بتاتے رہے ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ حضرت انسؓ حضرت عمرؓ سے روای ہیں کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کسی ایک نے بھی اس جگہ سے سرِمُو تجاوز نہ کیا جہاں آپ نے نشان لگایا تھا اسی جگہ اس کی لاش پائی گئی۔

قرآن مجید میں ہے اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ رَبُّکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ. اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ تسلی رکھو ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ وَمَا جَعَلَہُ اللہُ اِلَّا بُشْرٰی وَ لِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللہِ اِنَّ اللہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (انفال) اور اس مدد کو اللہ تعالیٰ نے محض بشارت بنایا تھا تا کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے:

۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آنے لگیں۔ لشکر قریش بڑے کروفر اور غرور و تکبر سے میدان جنگ کی طرف نکلا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ سے دعا کی اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ قُرَيْشٌ قَدْ اَقْبَلَتْ بِخُيَلَاءِ هَا وَ فَخْرِ هَا الخ

قریش کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی۔ سامان جنگ بھی نہ تھا اور تھکاوٹ' خوف اور بھوک سے بھی دو چار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس نے عین میدان جنگ میں ان پر ہلکی سی نیند طاری کر دی۔ اور اس نیند کا اثر یہ ہوا کہ ساری تھکاوٹ بھی دور ہو گئی' خوف بھی جاتا رہا اور بھوک بھی مٹ گئی اور مسلمان ہشاش بشاش اور تازہ دم ہو گئے۔ قرآن نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ کہ جب اس نے تمہاری تسکین کے لیے اپنی طرف سے تمہیں نیند کی چادر اڑھادی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ مسلمانوں کی صفیں درست فرما رہے تھے اور انہیں ہدایات بھی دے رہے تھے۔

اس معرکہ کی عجیب بات یہ تھی کہ اپنے عزیز و اقارب' جگر کے ٹکڑے اور آنکھوں کے نور محض عقیدہ و نظریہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے اور تمام رشتے ناتے گویا ختم ہو چکے تھے۔

حضرت حمزہؓ کے مقابلہ میں ان کے بھائی حضرت عباس' حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ان کا بیٹا عبدالرحمان' حضرت علیؓ کے مقابلے میں ان کا بھائی عقیل' حضرت عمرؓ کے مقابلے میں ان کا ماموں عاص بن ہاشم موجود تھا۔ اسی طرح حضرت مصعبؓ بن عمیر کے مقابلے میں ان کا بھائی ابوعزیز بن عمیر' حضرت

ابوعبیدہؓ عامر کے مقابلہ میں ان کا والد عبداللہ بن جراح موجود تھا۔

مُبارزت:

جنگ سے پہلے ابوجہل نے قریش کو جوش دلانے کے لیے ایک اشتعال انگیز تقریر کی۔ اس کے بعد قریش کے تین بڑے شہسوار میدان میں نکلے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ انہوں نے للکار کر اپنا مبارز طلب کرتے ہوئے کہاھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ؟ چنانچہ ان کے مقابلہ کے لیے حارث کے دو بیٹے عوف اور معوذ اور عبداللہ بن رواحہ نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم انصار میں سے ہیں۔ پھر آواز دی یَا مُحَمَّدُ اَخْرِجْ اِلَیْنَا اَکْفَاءَ نَامِنْ قَوْمِنَا کہ اے محمد ہماری قوم میں سے ہمارے جوڑ اور مقابلہ کے آدمی بھیجو۔

پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث کو نکلنے کا حکم دیا۔ عتبہ نے ان سے دریافت کیا تم کون ہو؟ انہوں نے اپنے نام بتائے تو کہنے لگا نَعَمْ اَکْفَاءٌ کِرَامٌ ہاں تم ہمارے جوڑ اور مقابلہ کے ہو۔ پھر جنگ شروع ہوئی حضرت علیؓ نے ولید کو حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو ایک ہی وار میں ڈھیر کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ خود بھی زخمی ہوئے اور عتبہ کو بھی زخمی کیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر حضرت عبیدہؓ کی امداد کو پہنچے اور عتبہ کا کام تمام کر دیا۔

گھمسان کی جَنگ:

اس مبارزت کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا۔ مشرکین چونکہ ایک ہی جست میں اپنے تین بہترین شہسواروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے غیظ و غضب سے بے قابو ہو کر یکبارگی حملہ کر دیا۔ دوسری طرف مسلمان اپنے

رب کے بھروسہ پر اپنی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے تھے اور دفاعی موقف اختیار کر کے مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں کو روک رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحاح وزاری کے ساتھ اللہ رب العزت سے دعا مانگ رہے تھے اَللّٰهُمَّ اَنجِزلِی مَا وَعَدتَّنِی اَللّٰهُمَّ اَنشُدُکَ عَهدَکَ وَوَعدَکَ. اَللّٰهُمَّ اِن تُهلِکْ هٰذِهِ العِصَابَةَ اَلیَومَ لَا تُعبَدُ.

فرشتوں کا نزول:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرشتوں کے نزول ونصرت کی خوشخبری عطاء فرمائی اَنِّی مُمِدُّکُم بِاَلفٍ مِنَ المَلَائِکَةِ مُردِفِینَ کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اولاً ایک ہزار، اور پھر تین ہزار، اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لیے اتارے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپر سے باہر تشریف لائے آپؐ نے زرہ پہن رکھی تھی اور آپؐ پُر جوش انداز میں آگے بڑھ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے سَیُهزَمُ الجَمعُ وَیُوَلُّونَ الدُّبُرَ کہ عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔

مُشتِ خَاک:

اس کے بعد آپؐ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی کی لی اور قریش کی طرف پھینکتے ہوئے ارشاد فرمایا شَاهَتِ الوُجُوهُ کہ یہ چہرے بگڑ جائیں۔ خدا کی قدرت کہ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی دونوں آنکھوں دونوں نتھنوں اور منہ میں یہ مٹی نہ گئی ہو۔

قرآن مجید نے اسی کی بابت فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کہ جب آپؐ نے مٹی پھینکی تو درحقیقت آپؐ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ یعنی پھینکی تو آپؐ نے ہے اور ایک ایک مشرک کی آنکھوں میں پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

جوابی حملہ:

اس کے بعد آپؐ نے جوابی حملے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا شدوا کہ چڑھ دوڑو۔ آپؐ نے مسلمانوں کو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس جنت کی طرف اٹھو جس کی پہنائیاں آسمانوں اور زمین کے برابر ہیں۔ مسلمانوں نے نہایت جوش وخروش سے حملہ کیا اور فرشتوں نے بھی انکی مدد فرمائی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ اس دن آدمی کا سر کٹ کر گرتا تھا اور یہ پتا نہ چلتا تھا کہ اسے کس نے مارا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑا برسنے کی آواز آئی اور ایک آواز سنائی اے حیزوم آگے بڑھ۔ مسلمان نے دیکھا کہ مشرک چت گرا اور فوراً مر گیا اور اس کے چہرے پر کوڑے کا نشان موجود تھا۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لیے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہلی ہی کٹ کر گر گیا۔

اس طرح تھوڑی دیر بعد مشرکین کے لشکر میں ناکامی اور اضطراب کے آثار نمودار ہونے لگے پھر ان میں بھگدڑ مچ گئی مسلمانوں نے مارتے' کاٹتے اور پکڑتے' باندھتے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ان کو شکست فاش ہوگئی۔

ابُوجہل کا قتل:

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر کے دن صف میں کھڑا تھا' اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے کھڑے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں دونوں طرف سے کمزور ہوں۔

اسی اثنا میں ایک لڑکے نے مجھ سے پوچھا کہ چچا جان! ابوجہل کونسا ہے؟ میں نے پوچھا بھتیجے! تم اسے کیا کرو گے؟ وہ کہنے لگا مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اسے چھوڑوں گا نہیں۔ یا اسے ختم کر دوں گا یا پھر خود ختم ہو جاؤں گا۔ اتنے میں دوسرے نوجوان نے رازداری سے مجھ سے یہی سوال کیا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ چند لمحوں کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹ رہا ہے۔ میں نے ان دونوں کو بتایا کہ یہ رہا آپ کا شکار۔ فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی وہ دونوں باز کی طرح اپنی تلواریں لے کر جھپٹ پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دونوں عفرا کے بیٹے معاذ اور معوذ تھے۔ پھر دونوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم نے اس امت کے فرعون کا کام تمام کر دیا ہے۔

جب معرکہ ختم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو دیکھے کہ ابوجہل کا انجام کیا ہوا۔ اس پر صحابہ کرامؓ اس کی تلاش میں بکھر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ابھی زندہ ہے اور آخری سانس لے رہا ہے۔ آپؓ فوراً اس کی طرف لپکے اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ دیا اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ یَا

عَدُوَّ اللہِ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آج تجھے ذلیل کیا اور اسلام کو عزت عطاء فرمائی۔

ابوجہل کہنے لگا تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں وہی بکریاں چرانے والا عبداللہ بن مسعود ہوں اور لپک کر اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ ابوجہل کہنے لگا لَقَدْ اِرْتَقَیْتَ مُرْتَقًی صَعْبًا یَا رَاعِیَ الْغَنَمِ او بکریاں چرانے والے آج تو بڑی اونچی جگہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا یہ بھی میرے اللہ کی شان ہے عزت اور ذلت کا مالک وہی ہے۔ پھر آپ نے تلوار نکالی اور اس کا سر کاٹنے لگے تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگا کہ کاش آج مجھے کوئی بڑا آدمی قتل کرتا! کم از کم لوگ یہ تو نہ کہتے کہ اتنے بڑے سردار کو ایک بکریاں چرانے والے غلام نے قتل کر دیا ہے۔ پھر کہنے لگا اے ابن ام عبد! میرا سر کندھوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ پتہ چلے کہ سردار کا سر ہے۔ اور خبردار یاد رکھنا! میں آج کسی پچھتاوے کا شکار نہیں ہوں بلکہ پہلے سے زیادہ اپنے موقف اور نظریے پر پکا ہوں۔ اور اپنے نبی کو جا کر بتا دینا کہ جتنی دشمنی مجھے آپ سے زندگی میں تھی اس سے ستر گنا دشمنی اور غیظ و غضب لے کر دنیا سے جا رہا ہوں۔ مجھے اپنی اسلام دشمنی کے گزرے ہوئے زمانے پر کچھ بھی افسوس نہیں ہے بلکہ فخر ہے۔

بعد ازاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے اٹھا کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لا کر ڈال دیا اور کہنے لگے هٰذَا رَأْسُ عَدُوِّ اللہِ اَبِی جَهْلٍ کہ یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔ آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهٗ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت عطاء فرمائی۔

پھر جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سارا واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے بڑھ کر تھا۔ وہ تو جب ڈوبنے لگا تو ہار مان گیا اور اس نے مرتے دم تک ہار نہیں مانی

کفار کے مقتول:

اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔
اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کفار کے بڑے بڑے سرغنے اور سردار اس جنگ میں مارے گئے اور وہ تمام رؤسائے قریش لقمہ اجل بنے جنھوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے جانثاروں کو ایذائیں دی تھیں یا آپ کے مشورہ قتل میں شریک تھے یا جنھوں نے بارادہ قتل آپ کے بیت الاقدس کا محاصرہ کیا تھا۔
قریش کے ان ممتاز مقتولوں کے نام یہ ہیں (۱) عمرو بن ہشام المعروف ابوجہل۔ (۲) عتبہ بن ربیعہ۔ (۳) شیبہ بن ربیعہ۔ (۴) ولید بن عتبہ۔ (۵) امیہ بن خلف۔ (۶) علی بن امیہ۔ (۷) عقبہ بن ابی معیط۔ (۸) نضر بن حارث۔ (۹) ابوالبختری بن ہشام۔ (۱۰) سعید بن عاص بن امیہ۔ (۱۱) زمعہ بن اسود۔ (۱۲) عاص بن ہشام (ابوجہل کا بھائی)۔ (۱۳) طعیمہ بن عدی۔ (۱۴) حنظلہ ابن ابی سفیان وغیرہ۔
حصول فتح کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دن تک مقام بدر میں قیام فرمایا۔ قریش تو اپنے مُردے میدان میں ہی چھوڑ گئے تھے۔ اس لیے آپ کو ان کی لاشیں ٹھکانے لگانے کا بھی فکر ہوا۔ قریش کے مُردے زیادہ تھے ہر ایک کو الگ الگ گاڑنا مشکل تھا۔ اس لیے ایک وسیع کنواں جو غیر مستعمل پڑا تھا تلاش کیا گیا اور آپؐ نے حکم دیا کہ تمام لاشیں لے جا کر اس میں ڈال دی جائیں۔ چنانچہ لاشیں اس میں ڈال کر پتھروں اور مٹی سے ڈھک دی گئیں۔

مُسلمانوں کے شُہَدا:

اس جنگ میں ۱۴ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔ شہداء بدر کو میدان بدر میں ہی دفن کیا گیا۔ ان کے اسماء گرامی آج بھی وہاں ایک لوح پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔

اَسیرانِ بَدر کا مُعامَلہ:

جنگ بدر میں کفار کے ستّر آدمی قید کیے گئے۔ ان کو مدینہ منورہ لایا گیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہ ہمارے چچیرے بھائی ہیں' کنبے قبیلے کے لوگ ہیں' میری رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ کفر کے ستون ہیں' ان کے بارے میں ہمارے دلوں میں نرم گوشہ نہیں ہونا چاہیے۔ میرے رشتہ دار میرے حوالہ کریں۔ حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار ان کے حوالے کریں' حضرت علیؓ کے رشتہ دار ان کے حوالے کریں اور ہمیں حکم دیں کہ ان کے سرتن سے جدا کر دیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے فدیہ لینا طے کیا۔ فدیہ کی مقدار حسب حیثیت ایک ہزار درہم سے لیکر چار ہزار درہم تک تھی۔ اور جو لوگ نادار تھے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے ان کو بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دیا گیا۔ اور جو لوگ ان میں سے لکھنا جانتے تھے ان سے یہ شرط ٹھہری کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں یہی تمہارا فدیہ ہے۔

فَضائلِ اَہلِ بَدر:

۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ میں سے سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ

کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اگرچہ سابقون الاولون کے بارے میں محققین کے مختلف اقوال ہیں لیکن اہل بدر ہر حال میں اس کا مصداق ہیں رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ الخ ۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں حارثہؓ شہید ہو گئے تو اس کی ماں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے حارثہ سے کتنی محبت تھی۔ فَاِنْ کَانَ فِی الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَاِنْ کَانَ غَیْرَ ذٰلِکَ اِجْتَهَدْتُ عَلَیْهِ فِی الْبُکَاءِ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو آپ دیکھیں گے میں اس کے لیے روؤں اور آہ و بکا کروں۔

آپ نے ارشاد فرمایا وَیْحَکِ یَا اُمَّ حَارِثَةَ اَنَّهَا جَنَّةٌ اے ام حارثہ تیرا بھلا ہو جنت کوئی ایک تو ہے نہیں جنتیں تو بہت ساری ہیں وَاِنَّ اِبْنَکِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی اور تیرا بیٹا تو فردوس اعلیٰ میں ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں فرمایا لَعَلَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّةُ (بخاری) کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر رحمت فرمائی اور فرمایا جو چاہے کرو۔ جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی ہے۔

(۴) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَنْ یَدْخُلَ النَّارَ اَحَدٌ شَهِدَ بَدْرًا (مسند احمد) کہ جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

(۵) حضرت معاذ بن رفاعہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے

مَاتَعُدُّوْنَ اَهْلَ بَدْرٍ فِیْکُمْ کہ آپ لوگ اپنے ہاں اہل بدر کو کیسے شمار کرتے ہیں؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا مِنْ اَفْضَلِ الْمُسْلِمِیْنَ کہ ہم ان کو سب مسلمانوں میں سے افضل سمجھتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا وَ کَذَالِکَ مَنْ شَہِدَ بَدْراً مِنَ الْمَلَآئِکَۃِ (بخاری) کہ اسی طرح ہم بھی ان فرشتوں کو سب سے افضل سمجھتے ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

۲) اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ میں اہل بدر کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ بدر میں شریک ہونے والے کو اس کے مقام واحترام کی وجہ سے دو چند وظیفہ دیا کرتے تھے۔

محدثین اور مفسرین اور فقہاء کرام کے ہاں اہل بدر کا ایک خاص مقام ہے۔ جب کسی روایت میں بدری صحابی کا نام آتا ہے تو امتیازی طور پر ان کو یاد کیا جاتا ہے اور روایت کی مقبولیت پر بطور سند وہ نام پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی کسی قضیے میں اہل بدر کا فیصلہ مقبول اور اٹل سمجھتے تھے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ

☆☆☆☆☆☆

۱۴:- غزوہ اُحد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ الخ (سورۃ آل عمران) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! جنگ بدر میں جب کفار کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے ستر سردار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی ماندہ شکست خوردہ جماعت مکہ پہنچ گئی تو سب کے دل جذبہ انتقام سے بھڑک اٹھے۔ کسی نے قسم اٹھائی کہ جب تک بدلہ نہ لے لیا جائے میں چارپائی پر نہیں سوؤں گا۔ کسی نے کہا کہ بیوی کے پاس نہ جاؤں گا' کسی نے سر میں تیل لگانے' خوشبو استعمال کرنے اور غسل کرنے پر پابندی لگالی۔ حتیٰ کہ عورتوں نے بناؤ سنگھار نہ کرنے کی نذر مان لی۔ ابوسفیان نے عام اعلان کر دیا کہ بدر کے مقتولین پر رونا منع ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو رونے سے ہمارا دشمن خوش ہوگا اور دوسری طرف جذبہ انتقام سرد پڑ جائے گا۔

وہ قافلہ تجارت جو شام سے بھرپور منافع کما کر واپس آیا تھا' جس میں ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار نقد دینار تھے ابھی تک مکہ کے دارالندوہ میں اپنی قسمت کے فیصلے کے انتظار میں تھا۔ ابوسفیان کے کہنے پر تمام اہل مکہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ یہ سارا مال مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا

جائے تا کہ ہم مسلمانوں سے اپنے خویش و اقارب کے قتل کا انتقام لے سکیں۔

چنانچہ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ (انفال) کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کر رہے ہیں۔ پس وہ اور بھی خرچ کریں گے لیکن پھر یہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا اور وہ بالآخر مغلوب کیے جائیں گے۔

لشکرِ قریش کی روانگی:

چنانچہ قریش نے خوب تیاری کی ان کے اپنے افراد کے علاوہ ان کے حلیفوں کو ملا کر کل تین ہزار فوج تیار ہوئی' قائدین قریش کے مشورہ سے عورتوں کو بھی ہمراہ لیا گیا' تا کہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ نیز لڑنے والے اپنی عورتوں کی بے حرمتی کے خیال سے دل کھول کر لڑیں اور پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں۔

اس لشکر میں سات سو زرہ پوش' دو سو گھوڑے' تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں شامل تھیں۔ یہ تین ہزار کا لشکر نہایت کروفر سے ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں ۵ شوال ۳ھ کو مکہ سے روانہ ہوا۔

حضرت عباسؓ نے ان ساری تفصیلات پر مشتمل ایک خط لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ذریعے تین دن کے اندر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا دیا۔

صحابہؓ سے مشورہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ساری صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے

صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ اکابر مہاجرین وانصار کا یہ مشورہ تھا کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں اور شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں۔ لیکن جو نوجوان جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ شوق شہادت میں بے تاب ہو کر یہ اصرار کر رہے تھے کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں ہی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے اور آپؐ نے اپنا دیکھا ہوا ایک خواب بھی صحابہ کرامؓ کو سنایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ کچھ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپؐ نے تعبیر بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ گائے کی تعبیر یہ ہے کہ کچھ صحابہ کرامؓ قتل کیے جائیں گے' تلوار کے ٹوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے گھر کا کوئی آدمی شہید ہو گا اور محفوظ زرہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض اکابر اور نوجوانوں کا یہ اصرار رہا کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

حضرت حمزہؓ' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت نعمان بن مالک رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر ہم مدینہ میں رہ کر مقابلہ کریں گے تو دشمن ہمیں بزدل خیال کرے گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ نوجوانوں کے ساتھ بعض اکابر بھی اصرار کر رہے ہیں تو آپؐ نے بھی یہی عزم فرما لیا۔

لشکرِ اسلام کی روانگی:

۱۱ شوال جمعہ کا دن تھا کہ آپؐ نے نماز جمعہ سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ کو وعظ فرمایا اور جہاد و قتال کی ترغیب دی پھر عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپؐ حجرہ

مبارکہ میں تشریف لے گئے ساتھ میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

آپؐ نے جنگی لباس پہنا' اوپر نیچے دو زریں پہنیں' سر پر عمامہ باندھا اور تلوار حمائل کی' اس طرح مسلح ہو کر آپؐ باہر تشریف لائے۔ بعض صحابہؓ نے معذرت کے لہجے میں عرض کیا کہ شاید ہم نے آپ کو زبردستی میدان میں نکلنے پر آمادہ کیا ہے۔ ہم یہ معاملہ آپ کی مرضی پر چھوڑتے ہیں مگر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہتھیار لگا کر اتار دے تا آنکہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ نہ کرے۔ اب اللہ کے نام پر چلو۔

چنانچہ آپ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور بعض کم سن صحابہؓ کو واپس فرمایا۔ اسی موقعہ پر جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر حضرت رافع بن خدیجؓ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تھے تا کہ دراز قد معلوم ہوں۔ اس طرح ان کو اجازت مل گئی۔ یہی وہ موقعہ تھا کہ جب حضرت سمرہ بن جندبؓ نے عرض کیا کہ میں رافع سے زیادہ طاقت ور ہوں مجھے بھی اجازت ملنی چاہیے۔ بے شک میری اس سے کشتی کرالی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے رافعؓ اور سمرہؓ کی کشتی کرائی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا آپؐ نے اسے بھی اجازت دے دی۔

حضرت عمرو بن جموح جو کہ معذور تھے اور ان کے پاؤں میں لنگ تھا وہ بھی جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر اس غزوہ میں شریک ہوئے۔ ان کے چاروں بیٹے اس غزوہ میں شریک تھے۔ انہوں نے ہر چند اپنے والد کو منع کیا کہ آپ معذور ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو رخصت دی ہے' آپ یہیں رہیں۔ مگر انہوں نے ان کی ایک نہ سنی اور شوق شہادت میں بے تاب ہو کر لنگڑاتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ جانے

سے منع کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور کیا ہے تمہارے اوپر جہاد فرض نہیں ہے۔ تمہارے لیے کیا یہ سعادت کم ہے کہ تمہارے چار بیٹے اس غزوہ میں شرکت کر رہے ہیں!

ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! کیا مجھے جنت کی ضرورت نہیں؟ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَطَاءَ بِعَرْجَتِیْ ھٰذِہٖ فِی الْجَنَّۃِ مجھے امید واثق ہے کہ میں اس لنگ کے ساتھ جنت کی سرزمین میں چلوں گا چنانچہ آپؐ نے ان کے جذبے کی قدر کرتے ہوئے انہیں اجازت مرحمت فرما دی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مرتبہ شہادت سے نوازا آپؐ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَطَاُبِعَرْجَتِہٖ فِی الْجَنَّۃِ کہ میں نے عمرو بن جموح کو اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔

منافقین کی واپسی:

اُحد اور مدینے کے درمیان آپ نے رات گزاری۔ طلوع فجر سے کچھ پہلے آپؐ چل پڑے۔ راستہ میں نماز پڑھی۔ جب آپؐ اُحد کے بالکل قریب پہنچ گئے اور دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے تو اس وقت رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے تمرد اختیار کیا اور اپنے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہم کیوں خواہ مخواہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے' جن میں سو آدمی زرہ پوش تھے اور سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے۔ عبداللہ بن ابی کا اس نازک موڑ پر لشکر اسلام سے الگ ہونے کا مقصد یہ تھا کہ لشکر اسلام میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جائے اور مخلص مسلمان بھی ہمت ہار دیں اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے مسلمانوں کی دستگیری

فرمائی اور انہیں ثابت قدم رکھا۔

ترتیبِ فوج:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باقی ماندہ سات سو مجاہدین کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف قدم بڑھایا۔ مدینہ منورہ کو سامنے اور جبل اُحد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا۔

آپؐ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ ایک چھوٹی سی پہاڑی (جبل رماۃ) پر تعینات فرمایا۔ تاکہ دشمن آپ پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا' اور انہیں حکماً ارشاد فرمایا کہ کسی صورت میں بھی یہاں سے نہ ہٹنا۔ اگر ہم مشرکین پر غالب ہو جائیں' یا وہ ہمارے اوپر غالب آ جائیں' کسی صورت میں تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا۔ بالفرض تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک رہے ہیں تب بھی اس جگہ سے نہ نکلنا' یہاں تک کہ میں خود تمہیں بلا بھیجوں۔

باقی لشکر کو آپؐ نے میمنہ' میسرہ اور مقدمہ میں تقسیم فرمایا۔ جنگی جھنڈا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں دیا۔ بعد ازاں آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے پامردی اور ثابت قدمی کا درس دیا۔ آپؐ نے ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک تیز تلوار بے نیام کی اور فرمایا مَنْ يَّأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهٖ کہ کون ہے جو اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کے لیے وصول کرے۔

حضرت ابودجانہؓ فوراً اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس تلوار کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے خدا کے دشمنوں پر اس حد تک چلایا جائے کہ یہ خم ہو جائے اور اس کو لے کر کسی کافر کے مقابلہ سے فرار

اختیار نہ کیا جائے۔ حضرت ابودجانہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں اس کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے وہ تلوار حضرت ابودجانہؓ کو دے دی۔

لشکرِ قریش کا حال:

مشرکین نے بھی صف بندی کے اصولوں کے مطابق اپنے لشکر کو مرتب کیا۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر کیا گیا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی اور تیر اندازوں کی قیادت عبداللہ بن ربیعہ کے سپرد تھی۔ جھنڈا بنوعبدالدار کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں تھا۔ اور سپہ سالاری کے فرائض ابوسفیان انجام دے رہا تھا۔

مَردوں کے علاوہ قریشی عورتوں نے بھی جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف بجا بجا کر اپنے جانبازوں کو غیرت اور جوش دلا رہی تھیں اور رجزیہ اشعار گا رہی تھیں۔

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقْ   نَمْشِىْ عَلَى النَّمَارِقْ
اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ   وَ نَفْرِشُ النَّمَارِقْ
اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ   فِرَاقَ غَيْرُ وَامِقْ

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں، جو نرم نرم فرشوں پر چلتی ہیں۔ اگر تم دشمنوں پر ٹوٹ پڑو گے تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور تمہارے لیے فرش بچھا دیں گی اور اگر تم بزدلی دکھا کر بھاگو گے تو ہم ہمیشہ کے لیے تم سے جدا ہو جائیں گی۔

مُبارزین کا نکلنا:

اس کے بعد دونوں فریق بالکل آمنے سامنے آ گئے۔ سب سے پہلے

ابو عامر راہب میدان میں آیا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ بلکہ زہد اور پارسائی کی وجہ سے ان کا پیر و مرشد بنا ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ قبیلہ اوس کے لوگ مجھے دیکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس نے میدان میں آتے ہی اعلان کیا یَامَعْشَرَ الْاَوْسِ اَنَا اَبُوْ عَامِرٍ کہ اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔ قبیلہ اوس نے فوراً جواب دیا لَا اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْنًا یَا فَاسِقُ اے خدا کے فاسق اور نافرمان! خدا کبھی تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے۔

ابو عامر یہ دندان شکن جواب سن کر شرمندہ اور ذلیل ہو کر واپس چلا گیا۔ کہنے لگا کہ میری قوم کی حالت بدل گئی ہے۔

بعد ازاں مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور مبارزت کی دعوت دی۔ حضرت زبیرؓ آگے بڑھے، شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے اور اسے نیچے گرا کر تلوار سے ذبح کر دیا۔ مسلمانوں نے یہ منظر دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ اس طرح قریش کے مختلف مبارزین سامنے آتے گئے اور مسلمان اللہ کے فضل سے ان کا کام تمام کرتے گئے۔

شدید جنگ:

بعد ازاں ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور پورے میدان میں پرزور مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے قریش کے دس علم برداروں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کے ایک حبشی غلام (صواب) نے جھنڈا اٹھایا اور نہایت پامردی سے لڑا مگر بالآخر یہ بھی مارا گیا اور مشرکین کا جھنڈا زمین پر گر گیا اور پھر اسے کسی نے اٹھانے کی جرأت نہ کی۔

مسلمانوں کی صفوں میں ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ وہ شرک و کفر

کے لشکر پر شیروں کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اس موقعہ پر اَمِتْ اَمِتْ کہہ رہے تھے یہی ان کا جنگی شعار تھا۔

حضرت ابودُجانہؓ سر پر سرخ پٹی باندھے' رسول اللہ کی تلوار ہاتھ میں لیے اس کا حق اس طرح ادا کر رہے تھے کہ لشکر قریش میں دور تک گھستے چلے گئے اور ان کی صفیں الٹتے چلے گئے۔ زبان پر یہ اشعار تھے۔

اَنَا الَّذِیْ عَاھَدَنِیْ خَلِیْلِیْ   وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَی النَّخِیْلِ
اَنْ لَّا اَقُوْمَ الدَّھْرَ فِی الْکُیُوْلِ   اَضْرِبُ بِسَیْفِ اللهِ وَالرَّسُوْلِ

میں نے اپنے خلیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا ہے دراں حالیکہ ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب تھے۔ وہ عہد یہ ہے کہ کبھی پیچھے کی صف میں کھڑا نہ ہوں گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تلوار سے خدا کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح لڑ رہے تھے۔ جس طرف رخ کرتے کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ بڑے بڑے جانباز اور بہادر ان کے سامنے ٹھہر نہ سکتے تھے۔

مگر افسوس کہ اسی عالم میں وحشی بن حرب نے بزدلانہ حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ یہ جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا۔ اور جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد کے لیے روانہ ہونے لگے تو جبیر بن مطعم نے وحشی سے کہا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہؓ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔ چنانچہ وحشی اسی مقصد کے لیے جنگ احد میں آیا۔ اس کی نگاہیں حضرت حمزہؓ کی تلاش میں تھیں' بالآخر اس نے انہیں دیکھ لیا۔

چنانچہ حضرت حمزہؓ ایک موقعہ پر سباع بن عبدالعزی نامی ایک کافر کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی طرف دوڑے اور ایک ہی وار میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وحشی جو ایک پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا اس نے پیچھے سے تاک کرناف پر نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ چند قدم چلے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت حمزہؓ کے اس طرح قتل ہونے کا بہت دکھ ہوا۔ آپؐ نے انہی کے بارے میں فرمایا سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَاللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَمْزَةُ۔

حضرت حنظلہؓ کی شہادت:

ابو عامر فاسق جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سچے مسلمان تھے اور اس معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ جنگ کی منادی ہوئی تو بیوی سے ہم آغوش تھے۔ آواز سنتے ہی فوراً جہاد کے لیے رواں دواں ہو گئے۔ خدا کی قدرت کہ ابوسفیان اور حضرت حنظلہ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ قریب تھا کہ آپ اس کا کام تمام کر دیتے کہ شداد بن اسود نے پیچھے سے وار کیا اور آپؓ نے جام شہادت نوش کیا۔

لڑائی ختم ہوئی تو ان کے جسم کو دیکھا گیا کہ پانی سے تر بتر ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت حنظلہ کو فرشتوں نے ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دیا ہے۔ بے شک ان کی بیوی سے جا کر دریافت کر لو

چنانچہ جب ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ واقعی وہ حالت جنابت میں جہاد کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

اس لیے ان کو غسیل الملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مُشرکین کی شکست فاش:

کچھ دیر تک اسی طرح شدید جنگ ہوتی رہی۔ مختصر سا اسلامی لشکر کفار پر مسلط رہا۔ بالآخر مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ان کی صفیں دائیں بائیں بکھرنے لگیں۔ وہ مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ اور فرار کی راہ اختیار کی۔ مسلمان ان پر تلواریں چلاتے ہوئے اور مال سمیٹتے ہوئے دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے۔

تیر اندازوں کی غلطی اور خالد بن ولید کا حملہ:

جبل رماۃ پر متعین تیر اندازوں نے جب یہ دیکھا کہ فتح ہو گئی ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہیں تو یہ بھی اس خوشی میں شریک ہونے کے لیے بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا کہ رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی تھی کہ اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا۔ پچاس میں سے چالیس آدمی وہاں سے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھ صرف دس آدمی رہ گئے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکم عدولی اور باہمی اختلاف کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی۔

خالد بن ولید نے درہ خالی دیکھ کر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء شہید کر دیے گئے۔ خالد بن ولید کے اس ناگہانی حملہ سے مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ مسلمان آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گھیرے میں آ چکے تھے۔ جدھر کسی کا منہ آیا ادھر ہی بھاگ رہے تھے۔ مزید برآں مسلمانوں کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ نے بے پناہ جرأت و بسالت دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اسی طرح آپ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت

عبداللہ بن جحشؓ بھی شہید ہو گئے۔ دونوں لشکر اس طرح گڈ مڈ ہوئے کہ اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی' حتیٰ کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی مارے گئے۔

کچھ مسلمانوں نے میدان چھوڑ دیا کچھ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ کچھ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کدھر جائیں' تاہم پھر بھی ایک گروہ کفار کے سامنے ڈٹا ہوا تھا اور کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ پر حملہ:

مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہونے کی وجہ سے دشمنان خدا رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ اگرچہ خالد بن ولید کے اس ناگہانی حملے سے بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں ذرہ برابر تزلزل نہ آیا۔

آپ دلیرانہ انداز میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر مقابلہ کرتے رہے۔ اب دشمنان خدا کا نشانہ آپ کی ذات مبارک تھی۔ آپؐ نے بکھر جانے والے ساتھیوں کو بلایا۔ اِلَیَّ عِبَادَاللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اے اللہ کے بندو ادھر آؤ۔ اس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف چودہ صحابہ موجود تھے۔

آپؐ پر جب مشرکین کا ہجوم ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کون ہے جو مجھ سے ان کو ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے! انصار میں سے سات آدمی اس وقت آپ کے پاس تھے' ساتوں انصاری آپ کا دفاع کرتے ہوئے باری باری شہید ہو گئے۔ ایک شہید ہو جاتا تو دوسرا آپؐ کے لیے ڈھال بن جاتا' وہ شہید ہو جاتا تو تیسرا سامنے آ جاتا۔ عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس.

حضرت زیاد بن سکنؓ کو یہ شرف نصیب ہوا کہ یہ جب زخم کھا کر گرے تو آپؐ نے فرمایا ان کو میرے قریب لاؤ۔ لوگوں نے ان کو قریب کیا تو انہوں نے

ایثار خسار آپؐ کے قدم مبارک پر رکھ دیا۔ اور اللہ کو جان دے دی۔

ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ آپؐ کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے تھے۔ مشرکین کے لیے یہ سنہری موقع تھا اور انہوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کمی نہ کی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر تابڑ توڑ حملے کیے۔

عتبہ ابن ابی وقاص، اُبی بن خلف، ابن شہاب زہری اور ابن قمیہ نے آپؐ پر ہر لحاظ سے پرزور حملے کیے، مگر صحابہ کرامؓ کی جانثاری پر قربان جائیں حضرت طلحہؓ ان کے حملے اپنے ہاتھوں پر روکتے رہے، آپ کی انگلیاں کٹ گئیں، ہاتھ شل ہو گیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دفاع کرتے ہوئے حضرت طلحہؓ کے جسم پر ستر سے زائد زخم آئے۔

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو طلحہؓ جو بہت بڑے تیر انداز تھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر دشمن پر تیر برساتے رہے اور ان کے تیر اپنے وجود پر کھاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تمام تیر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سامنے ڈال دیے۔ اور بار بار فرماتے تھے اِرْمِ فِدَاکَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ میرے ماں باپ تیرے اوپر فدا ہوں تیر چلائے جا۔

اسی طرح حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر آپؐ کے اوپر جھک گئے اور پشت دشمن کی طرف کر لی۔ ان کی پشت پر تیروں کی بارش ہوتی رہی مگر اس اندیشہ سے حس و حرکت نہ کی کہ کہیں کوئی تیر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ لگ جائے۔ ان کے وجود پر اسی سے زیادہ زخم آئے۔

اسی طرح ایک عورت ام عمارہؓ نے بھی آپؐ کے دفاع میں بھرپور حصہ لیا صحابہ کرامؓ کے اس بے مثال دفاع کے باوجود پیشانی مبارک زخمی ہو گئی۔ ہونٹ کٹ گیا۔ دانت مبارک شہید ہوئے اور خود کے دو کیل جبڑے میں

گھس گئے۔ آپؐ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ شَجُّوْا رَاْسَ نَبِیِّهِمْ کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے نبی کا سر پھوڑ دیا۔

زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام غش کھا کر ایک گڑھے میں گر گئے۔ شیطان نے فوراً آواز لگا دی اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس آواز کا لگنا تھا کہ صحابہ کرامؓ کے رہے سہے حوصلے بھی ٹوٹ گئے کہ جب وہ شمع ہی نہ رہی جس کے ہم پروانے تھے تو اب لڑ کر کیا کرنا ہے؟ چنانچہ بعض صحابہ جنگ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔

حضرت انسؓ بن نضر کا ادھر سے گزر ہوا تو فرمایا "بیٹھے کیوں ہو" مُوْتُوْا عَلٰی مَا مَاتَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ اٹھو اور اسی مشن پر اپنی جان دے دو جس پر رسول اللہ نے اپنی جان قربان کر دی ہے۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ الْجَنَّةِ دُوْنَ اُحُدٍ مجھے تو جبل احد کے پار سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ پھر اٹھے اور بھرپور حملہ کیا اور دشمن واپس ہونے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن اس مختصر سے وقت میں دشمن اپنا کام کر چکا تھا۔ ستر مسلمان شہید ہوئے چالیس شدید زخمی تھے جو نہ زندوں میں تھے نہ مُردوں میں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ کرامؓ نے بحفاظت تمام اٹھا کر ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی افواہ سن کر کچھ عورتیں بھی میدان احد میں پہنچ گئیں۔ اور زخمیوں کی خدمت میں لگ گئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے بابا کے پاس پہنچ گئیں۔ حضرت علیؓ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اپنی ڈھال میں پانی لائے۔ آپؐ نے اس پانی سے اپنے چہرے کا خون دھویا اور وہ پانی سر پر بھی ڈالا۔

حضرت فاطمہؓ نے آپ کا زخم دھویا' جب دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جارہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم پر چپکایا تو خون رک گیا۔

حضرات شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ ان سارے مواقع پر آپ کے ساتھ رہے اور آپ کے دفاع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

مشرکین مکہ نے واپسی پر اپنی کمینگی کا اظہار کرتے ہوئے شہداء اسلام کا مُثلہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کے ناک' کان' کاٹے' چہرے پر ضربیں لگا لگا کر شناخت ناممکن کر دی۔ حتیٰ کہ شہداء کے پیٹ چاک کر کے دل' گردے اور جگر نکال کر چبائے گئے اور ہار بنا کر گلے میں ڈالے گئے۔ حضرت حمزہؓ کا اس طرح مُثلہ کیا گیا کہ ان کی بہن نے انہیں ان کی انگلیوں سے پہچانا۔

ابوسفیان کا آوازہ:

واپسی پر قریش کے سپہ سالار ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آوازہ لگایا اَفِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ کیا تم لوگوں میں محمدؐ زندہ ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دینا چاہا تو آپ نے منع فرما دیا۔ اسی طرح اس نے تین بار آوازہ لگایا۔ مگر کوئی جواب نہ دیا گیا۔

بعد ازاں یہ آواز دی اَفِی الْقَوْمِ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ؟ کیا تم لوگوں میں ابوبکر صدیق زندہ ہیں؟ آپ نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرما دیا۔ پھر اس نے آوازہ لگایا اَفِی الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ کیا تم لوگوں میں عمر بن خطاب زندہ ہیں؟ اس کا جواب دینے سے بھی آپ نے منع فرما دیا۔

جب اس نے بار بار اس طرح کے آوازے لگائے اور کوئی جواب نہ پایا تو خوش ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا اَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوْا فَلَوْ کَانُوْا اَحْیَاءً لَاَجَابُوْا کہ یہ تینوں قتل ہو گئے ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔

پھر اس نے خوشی سے سرشار ہو کر ایک شرکیہ نعرہ لگایا اُعْلُ هُبَلْ کہ ہبل زندہ باد۔ ہم نے ہبل کی مدد سے یہ فتح پائی ہے۔ اب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی یہ شرکیہ جملہ برداشت نہ ہو سکا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا جواب دو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ کہ اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ابوسفیان پھر بولا لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارے ساتھ عزی ہے اور تمہارے ساتھ عزی کی مدد نہیں ہے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا جواب دو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں ہے۔

ابوسفیان پھر بولا يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ کہ آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا۔ قَتْلَانَا وَقَتْلَاكُمْ سَوَاءٌ؟ تمہارے اور ہمارے مقتول برابر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ فوراً بولے لَا سَوَاءَ تعداد میں برابر ہوئے ہیں لیکن انجام میں برابر نہیں ہوئے۔ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ ہمارے مقتول جنت میں گئے اور تمہارے مقتول جہنم کا ایندھن بنے۔

پھر اس نے حضرت عمرؓ کو ذرا اپنے قریب بلا کر پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ اَنْشُدُكَ اللّٰهَ يَا عُمَرُ اے عمر میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں اَقَتَلْنَا مُحَمَّدًا کہ ہم نے محمد کو قتل کر دیا؟ حضرت عمرؓ نے جواباً فرمایا اَللّٰهُمَّ لَا اللہ کی قسم ہرگز نہیں۔ وہ تو زندہ ہیں وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ كَلَامَكَ الْآنَ اور یہاں سے اتنے قریب تشریف فرما ہیں کہ تیری باتیں بھی سن رہے ہیں۔ بعد ازاں ابوسفیان خائب و خاسر ہو کر واپس پلٹا۔ اور للکار کر کہا مَوْعِدُكُمْ بَدْرٌ لِلْعَامِ الْقَابِلِ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہمارا تمہارے ساتھ لڑائی کا وعدہ ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہمیں منظور ہے۔

شُہداء اُحد کی تجہیز و تکفین:

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اس غزوہ میں ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے جن میں سے اکثر انصار تھے۔ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی تجہیز و تکفین کا ارادہ فرمایا تو اکثریت ایسی تھی کہ جن کے لیے پورا کفن بھی میسر نہ تھا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے وجود پر جو کپڑا ہے اسی میں کفن دے دیا جائے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے لیے اتنا کپڑا بھی میسر نہ ہو سکا کہ سارا وجود ڈھک جائے۔ صورت حال یہ تھی کہ اگر سر کی جانب ڈھانپی جاتی ہے تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سر والا حصہ ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ اور بعض کے لیے اتنا بھی میسر نہ آیا دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔

اس پہاڑی سرزمین میں قبریں کھودنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک قبر میں دو دو، تین تین صحابہ کو دفن کر دیا جائے۔ اور سب سے آگے اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن کا علم زیادہ ہے، آپؐ نے حکم دیا کہ بلا غسل دیے اسی طرح خون آلود حالت میں انہیں دفن کیا جائے اور یہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھیں گے۔

اَللّٰہ تَعَالیٰ کی تسلّی:

ستر آدمیوں کی جدائی کی وجہ سے ہر ایک غم سے دو چار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود انتہائی مغموم حالت میں اشک بار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے ان شہداء کی اخروی حالت بیان فرما دی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ الخ (آل عمران) کہ ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ یہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور رزق پا رہے ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جَعَلَ اللّٰہُ اَرْوَاحَہُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے اجسام میں رکھ کر جنت میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ تَرِدُ اَنْھَارَ الْجَنَّۃِ وَ تَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِھَا وہ جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں اور جنت کے میوہ جات کھاتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ وَتَاوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مِنْ ذَھَبٍ مُعَلَّقَۃٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ وہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے لٹکنے والی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں فَاطَّلَعَ عَلَیْھِمْ رَبُّھُمْ اِطِّلَاعَۃً فَقَالَ ھَلْ تَشْتَھُوْنَ شَیْئًا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جھانک کر سوال کیا کہ کسی چیز کی طلب ہے تو بتاؤ؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب ہمیں جنت مل گئی ہے تو اور کیا چاہیے؟

اللہ تعالیٰ نے جب ان سے بار بار یہی سوال کیا تو وہ باہم مشورہ کر کے کہنے لگے نُرِیْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِیْ اَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِکَ مَرَّۃً اُخْرٰی ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ان پرندوں میں سے نکال کر ہمارے ان جسموں میں ڈال دیا جائے جو قبروں میں مدفون ہیں، تاکہ ہم تیرے راستے پر دوبارہ قتال کر کے قتل کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا اِنِّیْ قَضَیْتُ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (مشکوٰۃ) کہ یہ تو پہلے سے میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ قیامت سے پہلے تمہاری روحیں ان جسموں میں نہیں لوٹائی جا سکتیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا ہمارے حالات سے ہمارے دنیوی بھائیوں کو آگاہ کر دیجئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا الخ۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ۔

۱۵ :- فتح مکہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْأَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (سورۃ بنی اسرائیل) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے فتح مکہ کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش مکہ کے ساتھ جو تحریری معاہدہ فرمایا تھا اس کی ایک شق یہ تھی کہ دیگر قبائل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو جائیں اور چاہیں تو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو جائیں۔ اور جو قبیلہ جس کے ساتھ شامل ہو گا وہ اس کا ایک حصہ سمجھا جائے گا اور اس پر حملہ یا زیادتی خود اس فریق پر حملہ یا زیادتی تصور کی جائے گی۔

بنو خزاعہ اور بنو بکر دو ایسے قبیلے تھے کہ جن میں زمانہ جاہلیت سے سخت دشمنی چلی آ رہی تھی۔ صلح کی اس شق کے تحت بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور بنو بکر قریش کے عہد میں شامل ہو گئے۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے بے خوف ہو کر مطمئن ہو گئے۔

بنو بکر کی غداری:

بنو بکر نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے پروگرام بنایا کہ بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکا لیں۔ چنانچہ شعبان ۸ھ میں رات کی تاریکی میں انہوں نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان کے متعدد آدمی مارے گئے۔ اس حملہ میں قریش نے بنو بکر کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا۔ ہتھیار بھی دیے اور لڑنے کے لیے آدمی بھی۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر اُن کو وہاں بھی قتل کرنے سے وہ باز نہ آئے۔ یہ واقعہ اس بات پر شاہد ہے کہ قریش مکہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے حدیبیہ والا معاہدہ خود ہی توڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت:

بنو خزاعہ کا ایک آدمی عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا وفد لے کر یہ ساری روئداد سنانے اور حمایت حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت صحابہ کرامؓ کے جلو میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر سارے مجمع کے سامنے اپنی دکھ بھری داستان یوں بیان کی۔

يَا رَبِّ اِنِّيْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا ... حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الْاَتْلَدَا
اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا ... وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا
هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا ... وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدًا
وَجَعَلُوْا لِيْ فِيْ كَدَاءَ رُصَّدًا ... وَزَعَمُوْا اَنْ لَّسْتُ اَدْعُوْ اَحَدًا
وَهُمْ اَذَلُّ وَاَقَلُّ عَدَدًا

اے پروردگار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں۔ بے شک قریش نے آپ سے وعدہ

خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد و پیمان کو توڑ ڈالا۔

ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع و سجود کے حالت میں ہمیں قتل کیا۔ اور مقام کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھا دیا اور ان کا گمان تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کے لیے نہ بلاؤں گا۔ اور وہ سب ذلیل ہیں اور تعداد میں بھی کم ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ساری تفصیلات سن کر ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا اور یہ وفد واپس چلا گیا۔

قریش کے لیے تین شرائط:

بعد ازاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش مکہ کے پاس ایک قاصد روانہ فرمایا اور قریش کو یہ پیغام پہنچایا کہ تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کریں۔

۱) مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

۲) بنو نفاثہ کے عہد وعقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

۳) معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

آپ کا قاصد جب مکہ مکرمہ پہنچا تو قریش نے جوش میں آ کر تیسری شرط منظور کرتے ہوئے معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیا۔ اور قاصد واپس آ گیا۔ لیکن جلد ہی قریش کو ندامت ہوئی کہ یہ ہم نے کیا کیا ہے؟ چنانچہ انہوں نے فوراً ہی ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کیلئے اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ کیا۔

ابوسُفیان اپنی بیٹی کے ہاں:

ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ تھیں۔ چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو سیدھا اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ اس کا خیال تھا کہ آج اتنے عرصہ کے بعد بیٹی سے ملاقات ہو رہی ہے یقیناً وہ انتہائی اعزاز واکرام سے نوازا جائیگا۔

مگر اس کے برعکس جب وہ اپنی بیٹی کے گھر میں داخل ہوا تو بیٹی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک بچھے ہوئے چمڑے کے بستر کو لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ بعد میں اپنے والد کو ملی اور بیٹھنے کو کہا۔ ابوسفیان بڑا حیران ہوا کہ بیٹی تو نے مجھے عزت دینی تھی اور میرے لیے بستر بچھانا تھا' مگر تو نے ایسا کیوں کیا؟ یَا بُنَیَّۃُ اَرَغِبْتِ بِیْ عَنْ ھٰذَا الْفِرَاشِ اَمْ رَغِبْتِ بِہٖ عَنِّیْ؟ اے بیٹی کیا یہ بستر میرے قابل نہ تھا یا میں اس بستر کے قابل نہ تھا؟ بیٹی نے برجستہ جواب دیا ابا جان! سچ پوچھیے تو آپ اس بستر کے قابل نہ تھے۔ ھٰذَا فِرَاشُ رَسُوْلِ اللہِ وَاَنْتَ رَجُلٌ مُشْرِکٌ نَجَسٌ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر مبارک ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں اس لیے میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس پاک بستر پر ایک مشرک بیٹھے۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا کہ تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی ہے' بیٹی بولی شر میں نہیں کفر کی ظلمتوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئی ہوں۔

ابوسُفیان رسولُ اللہ ﷺ کی خِدمت میں:

ابوسفیان تھوڑی دیر وہاں بیٹھا اور پھر وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اور اپنا مدعا بیان کیا کہ میں تجدید معاہدہ اور مدت صلح بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی جواب نہ دیا بعد ازاں

وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں اس بارہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے بھی کسی قسم کی اعانت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور قرابت کا واسطہ دے کر سفارش طلب کی۔ علاوہ ازیں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسنؓ کی بھی منت سماجت کرتا رہا۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب ہماری تو مجال نہیں کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہہ سکیں۔ وہ حضرت علیؓ سے جب بہت زیادہ لجاجت کرنے لگا تو آپؓ نے ٹالنے کے لیے کہا کہ مسجد نبوی میں جا کر پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور مدت صلح بڑھانے کے لیے آیا ہوں اور پھر اپنے شہر واپس چلا جا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور مکہ واپس چلا گیا۔

اہل مکہ کو جب اس نے اپنی یہ ساری کارگزاری سنائی تو انہوں نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی' نہ تو صلح کی خبر لے کر آیا ہے کہ ہم مطمئن ہو جائیں اور نہ ہی جنگ کی خبر لے کر آیا ہے کہ ہم جنگ کی تیاری کر سکیں۔

صحابہؓ کو تیاری کا حکم:

ابوسفیان کی واپسی کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ خفیہ طور پر تیاری کریں اور آلات حرب درست کر لیں اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو خصوصی تاکید فرمائی کہ یہ تیاری سینہ راز میں رکھی جائے اور کسی طرح بھی یہ راز فاش نہ ہونے پائے۔

واقعہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ:

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال مکہ مکرمہ میں تھے۔ انہوں

نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کی خاطر اہل مکہ پر احسان کرنے کے لیے ایک عورت کے ہاتھ خفیہ طور پر انہیں ایک اطلاعی خط بھیج دیا۔ وہ عورت جب خط لے کر چلی گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ وحی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس خط کی اطلاع دے دی۔

آپ نے حضرت علیؓ اور چند دیگر صحابہؓ کو اس خط کی بازیابی کے لیے رخصت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ روضہ خاخ کے مقام پر تمہیں ایک اونٹ سوار عورت ملے گی' اس سے وہ خط برآمد کر کے واپس لے آؤ۔

چنانچہ ان حضرات نے بسرعت تمام وہاں پہنچ کر بڑی مشکل سے اس سے وہ خط برآمد کر لیا' جو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپایا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وہ خط پیش کیا گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ کُمْ بِجَیْشٍ کَاللَّیْلِ یَسِیْرُ کَالسَّیْلِ فَوَاللّٰہِ لَوْجَاءَ کُمْ وَحْدَہٗ لَنَصَرَہُ اللّٰہُ وَاَنْجَزَلَہٗ وَعْدَہٗ فَانْظُرُوْا لِاَنْفُسِکُمْ کہ اے گروہ قریش رسول اللہ ﷺ تم پر رات کی مانند ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہو گا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بغیر لشکر کے تن تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد فرمائے گا اور ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا۔ پس تم اپنے بارے میں سوچ لو۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حاطب کو بلا کر پوچھا مَاھٰذَا یَا حَاطِبُ کہ اے حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت حاطب نے بصد منت عرض کی کہ میں نے محض اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لیے ایسا کیا ہے' لیکن میں مخلص مسلمان ہوں' نہ مرتد ہوں اور نہ منافق۔ آپؐ نے ان کی ساری گزارشات سن کر

فرمایا اَمَا اِنَّهُ قَدْ صَدَقَکُمْ کہ یقیناً اس نے سچ کہا ہے۔

حضرت عمرؓ جوش میں آ کر کہنے لگے کہ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ منافق ہو گیا ہے۔ مجھے اجازت دیجئے میں ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا مَهْلاً یَا عُمَرُ اے عمر! پیچھے ہٹ جاؤ۔ اِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْراً وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ اللهَ اِطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ حاطب تو غزوہ بدر میں شریک ہوا ہے اور تجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو نظر رحمت سے دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حاطبؓ کی غلطی معاف کر دی۔

اسی موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ کرتے ہوئے سورۃ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَاءَکُمْ مِنَ الْحَقِّ الخ اے مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ تمہارے پاس آئے ہوئے دین حق کا برملا انکار کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ سے روانگی:

القصہ آپ نے ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ بعد نماز عصر دس ہزار صحابہ کرامؓ کی معیت میں مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ فرمایا۔ مقام جحفہ میں آپ کو آپؐ کے چچا حضرت عباس بمعہ اہل و عیال ہجرت کر کے مدینہ آتے ہوئے ملے۔ وہ بھی بغرض جہاد لشکر اسلام میں شریک ہو کر آپؐ کے ساتھ واپس ہو لیے۔ مقام ابواء میں ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ بغرض اسلام مکہ سے

مدینہ آتے ہوئے ملے۔ آپ نے بصد رأفت ورحمت ان کے سابقہ جرائم کو معاف کرتے ہوئے ان کا اسلام قبول فرما لیا اور وہ بھی لشکر اسلام میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ واپس ہو لیے۔

مَرُّالظّہران میں پڑاؤ:

چونکہ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور آپؐ اور صحابہ کرامؓ روزہ سے تھے۔ مقام کدید میں پہنچ کر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی مشقت کا خیال کرتے ہوئے روزہ افطار کرلیا۔ آپؐ کی اقتداء میں صحابہ کرامؓ نے بھی روزہ افطار کرلیا۔

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپؐ نے مقام مرالظہر ان میں پہنچ کر پڑاؤ فرمایا۔ آپؐ کے حکم کے مطابق صحابہ کرام نے اپنے اپنے خیموں کے سامنے الگ الگ آگ روشن کی۔

خدا کی قدرت کہ رات کی تاریکی میں ابوسفیان بن حرب اور اس کے چند ساتھی حالات کا جائزہ لینے کے لیے نکلے' کئی میلوں میں پھیلی ہوئی آگ دیکھ کر وہ انتہائی مرعوب اور خوف زدہ ہوگئے کہ یہ تو بہت بڑا لشکر ہمارے اوپر چڑھ آیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان کر پکڑ لیا اور اسے اسلامی لشکر کی یہ شان و شوکت دکھاتے ہوئے اسلام کی دعوت دی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسے انتہائی شفقت ورحمت سے اسلام کی دعوت دی اور وہ آپ کی رأفت ورحمت' شفقت ومحبت اور صلہ رحمی دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ حضرت عباسؓ کے کہنے پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اعزاز دیتے ہوئے اعلان فرمادیا۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے۔ وہ کہنے لگا یا رسول

اللہ میرے گھر میں سب آدمی کس طرح سما سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اچھا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امن ہے۔ وہ کہنے لگا مسجد بھی ناکافی ہے۔ تو آپ نے فرمایا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امن ہے۔

مَرُّالظَّهران سے مَکّہ کی جانب:

۱۷ رمضان المبارک ۸ھ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو ذرا پہاڑ کے ناکے کے ساتھ روک رکھیں تاکہ وہ خدائی فوجوں کا نظارہ کر سکے۔

چنانچہ یکے بعد دیگرے مختلف قبائل اپنے اپنے جھنڈے لے کر گزرے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اتنے بڑے لشکر سے اہل مکہ کے لیے محاذ آرائی یقیناً ناممکن ہے۔ وہ حضرت عباسؓ سے کہنے لگا کہ آپ کے بھتیجے کی بادشاہت واقعی بہت زبردست ہے۔ حضرت عباسؓ نے جواباً کہا یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔

سَعد بن عُبادہؓ کا نعرہ:

انصار کا علم حضرت سعد عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا وہ جب ادھر سے گزرے تو ابوسفیان کو دیکھ کر ذرا جوش میں آ کر یہ کہہ دیا اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْيَوْمَ تَسْتَحِلُّ الْحُرْمَةَ کہ آج خون ریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت حلال کر لی جائے گی۔ آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ بعد ازاں جب وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو ابوسفیان نے حضرت سعدؓ کا قول نقل کرتے ہوئے آپ سے رحم کی اپیل کی۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کَذَبَ سَعْدٌ سعد نے غلط کہا ہے۔ اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيْهِ الْكَعْبَةَ يُعِزُّ اللّٰهُ فِيْهِ قُرَيْشاً

آج رحمت ومہربانی کا دن ہے' آج کا دن خانہ کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔ بعد ازاں آپؐ نے حضرت سعدؓ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا۔

یہ باتیں سن کر ابوسفیان وہاں سے رخصت ہو کر بعجلت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور اہل مکہ کو آگاہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ میرے خیال میں کسی کو یہ طاقت نہیں کہ ان سے مقابلہ کر سکے۔ اس لیے اسلام قبول کر لو۔ سلامت رہو گے' جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے یا میرے گھر میں پناہ لے لے یا ہتھیار ڈال کر اپنا دروازہ بند کر لے اسے امن ہے۔

داخلہ مکّہ مُکرّمہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام کداء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ ناقہ پر سوار تھے حضرت اسامہ بن زیدؓ آپؐ کے ردیف تھے۔ آپؐ کعبۃ اللہ کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی عاجزی اور تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے تھے۔ اس حد تک آپؐ نے گردن جھکائی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی کو مس کر رہی تھی زبان پر یہ آیات جاری تھیں۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا الخ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ الخ .

گرامی قدر سامعین! ذرا غور فرمائیں! آپ کس طرح شاہانہ اور متکبرانہ انداز کی بجائے عاجزانہ انداز میں مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں؟ کیونکہ یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔ یقیناً آپؐ کے دل میں یہ خیال آ رہا ہوگا کہ آج سے چند برس پہلے اسی شہر سے میں نے کس بے کسی اور بے بسی کے ساتھ رات کی تاریکی میں ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ آج وہ وقت بھی لے آیا کہ میں دس ہزار کے لشکر کے ساتھ فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہا ہوں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ يُؤْتِيْہِ مَنْ يَّشَآءُ.

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد آپؐ سب سے پہلے اپنی چچازاد بہن ام ہانیؓ بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز شکرانہ ادا فرمائی۔ پھر آپؐ نے ام ہانیؓ سے کھانا طلب فرمایا تو وہ عرض کرنے لگی صرف خشک روٹی موجود ہے۔ آپؐ نے پانی منگوا کر اس میں نمک ملایا اور خشک روٹی کو اس کے اندر رکھ کر نرم کیا اور کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

مَسجدِ حَرام میں دَاخلہ:

بعد ازاں آپؐ مہاجرین و انصار کے جلو میں مسجد حرام میں تشریف لائے۔ آگے بڑھ کر حجر اسود کا بوسہ لیا۔ اور اونٹنی پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے صحن میں اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت نصب تھے آپ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی آپ اس کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل) کہ حق آ گیا اور باطل چلا گیا اور باطل تو یقیناً مٹنے والی چیز ہے۔

خدا کی قدرت کہ آپ اس چھڑی سے جس بت کی طرف بھی اشارہ فرماتے وہ اوندھے منہ نیچے گر کر چور ہو جاتا تھا۔

کلیدِ خَانہ کعبہ:

بعد ازاں آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا اور اس سے چابی طلب فرمائی۔ اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے معاً چابی لا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔

یاد رہے یہ وہی عثمان بن طلحہ ہے جس سے آپؐ نے ہجرت سے پہلے رات کی تاریکی میں تھوڑی دیر کے لیے خانہ کعبہ کی چابی مانگی تھی تا کہ بیت اللہ سے جدائی کے وقت اس کے اندر جا کر نوافل ادا کر لیں۔ اور اس اللہ کے بندے نے

سختی سے چابی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور آپؐ یہ حسرت دل میں چھپائے واپس لوٹے' اس وقت آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے عثمان! ایک وقت آئے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور مجھے یہ اختیار ہوگا کہ جسے چاہوں دوں یا نہ دوں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی سچی ثابت ہوئی اور آج عثمان نے چاروناچار چابی آپؐ کے ہاتھ میں دے دی۔

داخله بیتُ الله:

بیت اللہ کا دروازہ کھلوا کر آپ اندر تشریف لے گئے آپ نے دیکھا کہ مشرکین نے اس کے اندر بھی بت رکھے ہوئے ہیں اور اس کی دیواروں پر بزرگوں کی تصویریں بنائی ہوئی ہیں' ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو ہٹایا اور پھر آپ زمزم منگوا کر ان تصویروں کو دھو کر مٹایا۔ پھر بیت اللہ کے چاروں گوشوں میں پھر کر تکبیر وتہلیل کے کلمات کہے۔ اور نماز ادا کی۔ اس وقت حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ بعد ازاں آپؐ نے دروازہ کھولا اور دیکھا مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔

بابِ کعبه پر خُطبه:

آپؐ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے اور خطبہ ارشاد فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ مزید فرمایا یَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ' اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے

بندے کی مدد کی اور سارے جتھوں کو تنہا شکست دی۔ اے قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے' سارے لوگ حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

اس موقعہ پر آپؐ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

اہلِ مکّہ سے سوال:

پھر آپؐ نے اہل مکہ سے سوال کیا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ مَاتَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

یہ سوال سن کر اہل مکہ کے ظلم وستم ان کی آنکھوں میں گھومنے لگے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کے ساتھ ۱۳ سال تک کیا سلوک کیا۔ کس طرح انہیں شعب ابی طالب میں محبوس رکھا۔ پھر کس طرح ان کے قتل کا منصوبہ بنایا اور انہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ پھر ہجرت کے بعد بھی مدینہ جا کر ان سے کس طرح جنگیں لڑیں' آج مکہ فتح ہو چکا ہے اور سارا اختیار ان کے ہاتھ میں ہے۔ چاہیں تو ہمیں قتل کر دیں اور ہماری عورتوں کو باندیاں بنالیں۔ چاہیں تو ہمیں غلام بنا کر بیچ ڈالیں اور چاہیں تو ہمیں ملک بدر کر دیں۔ ہمارے جرائم کے مقابلہ میں جو سزا بھی تجویز کی جائے وہ جائز اور حق ہوگی۔

عَفوِ عَام:

قریش بھی آپ ؐ کی رأفت و رحمت اور نرم دلی سے اچھی طرح واقف تھے اور اس سے پہلے بھی اس کے کئی مناظر دیکھ چکے تھے۔ مجمع میں سے ایک طرف سے آواز آئی اَخٌ کَرِیْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ کہ آپ ہمارے ایک مہربان بھائی ہیں اور ہمارے مہربان بھائی کے بیٹے ہیں' ہم آپ ؐ سے مہربانی کی ہی توقع رکھتے ہیں

ایک طرف سے آواز آئی اِفْعَلْ بِنَامَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَانَحْنُ اَهْلُهٗ ہمارے ساتھ وہ سلوک کرنا جو آپ ؐ کی شخصیت کے شایانِ شان ہو اور وہ سلوک نہ کرنا جس کے ہم لائق ہیں۔

ایک کونے سے آواز آئی تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ اللہ کی قسم! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے اوپر فضیلت بخشی ہے اور ہم اپنی غلطی اور خطاء کا اعتراف کرتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ یہ وہی جملہ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے معافی مانگتے ہوئے ان کے سامنے بولا تھا۔ اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا دل پسیج گیا تھا اور آپ نے بھائیوں کو معاف کر دیا تھا

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام چونکہ رحمۃ للعالمین تھے اور آپ کے دل میں رأفت و رحمت کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ ؐ نے فرمایا اگر تم نے وہ جملہ بولا ہے جو یوسف علیہ السلام کے سامنے بھائیوں نے بولا تھا۔ تو بھلا پھر میں یوسف علیہ السلام کا کردار کیوں نہ ادا کروں؟ فَاِنِّیْ اَقُوْلُ لَکُمْ کَمَا قَالَ یُوْسُفُ لِاَخْوَتِهٖ پس میں بھی آج تمہیں وہی جواب دیتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو دیا تھا لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں ہے اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ تم سب میری طرف سے آزاد ہو۔ اس اعلان

سے قریش کے دل جذبہ شکر سے لبریز ہو گئے اور اسلام کی حقانیت اور سچائی ان کے دلوں میں گھر کر گئی۔

کلیدِ کعبہ کا مسئلہ:

بعد ازاں آپ حرم کعبہ میں بیٹھ گئے اور کلید کعبہ آپ کے ہاتھ میں تھی۔ بیشتر صحابہ کرامؓ کی خواہش تھی کہ یہ کنجی ہمیں دی جائے۔ اور کعبۃ اللہ کی کلید برداری کا شرف ہمیں حاصل ہو۔ حتیٰ کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر کنجی لینے کے لیے خدمت اقدس میں درخواست کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہیں کے سپرد کریں جو ان کے اہل ہیں۔ آپؐ نے یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَیْنَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَۃَ کہ عثمان بن طلحہ شیبی کہاں ہے؟ وہ آئے اور آپؐ نے چابی ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے لے لو یہ میں نے از خود تمہیں نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے دلائی ہے۔ لَا یَاْخُذُھَا مِنْکَ اِلَّا الظَّالِمُ تم سے جو چھینے گا وہ ظالم اور غاصب ہی ہوگا۔

ظُہر کی اَذان:

دریں اثنا ظہر کی اذان کا وقت ہوا تو صحابہ کرامؓ آپ سے پوچھنے لگے کہ ظہر کی اذان کا وقت ہو گیا ہے اذان نہ دیں؟ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش تھی کہ آج کی یہ پہلی اور افتتاحی اذان دینے کا شرف مجھے حاصل ہو۔ جب مختلف صحابہؓ نے بار بار یہ سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَیْنَ بِلَالُ ابْنُ رَبَاحٍ کہ وہ کالے رنگ کا بلالؓ کہاں ہے؟ حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا

کہ آج بیت اللہ کی ظہر کی اذان آپ نے دینی ہے۔

حضرت بلالؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسجد نبوی میں تو ایک متعین مقام تھا جہاں میں کھڑے ہو کر اذان دیتا تھا آج کہاں کھڑا ہو کر اذان دوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ پھر لوگوں نے منظر دیکھا کہ کالے رنگ کا وہی بلال جسے کل کے کی گلیوں میں گھسیٹا جاتا تھا' مارا جاتا تھا پیٹا جاتا تھا۔ آج وہی کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ کی کبریائی اور توحید و رسالت کا اعلان کر رہا ہے۔ سبحان اللہ۔

لوگوں کا اِسلام قبول کرنا:

پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ صفاء پر تشریف لے گئے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف رخ فرما کر دعا اور حمد وثناء میں مشغول رہے۔ دعاء سے فارغ ہو کر آپ کوہ صفاء پر بیٹھ گئے اور لوگ دھڑا دھڑ آ کر اسلام قبول کرنے لگے۔ اور آپ سے بیعت ہونے لگے۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا کا منظر دیدنی تھا۔

مردوں کی بیعت سے فارغ ہو کر آپؐ نے عورتوں سے بیعت لی۔ یاد رکھیں! عورتوں سے آپؐ کی بیعت محض زبانی ہوتی تھی یا کپڑے کے ذریعے ہوتی تھی۔ آپؐ نے کبھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔ عورتوں سے آپؐ نے ان چھ شرائط پر بیعت لی جو سورۃ ممتحنہ میں مذکور ہیں۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا الخ۔

مَتروکہ مَکانات کا مَسئلہ:

کفار مکہ مہاجرین کے تمام مکانات اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ اس

موقعہ پر بعض مہاجرین نے چاہا کہ ان کے مکانات ان کو واپس دلائے جائیں۔ مگر پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر تمام مہاجرین خاموش ہو گئے۔ حتیٰ کہ جس مکان میں آپؐ پیدا ہوئے اور جس مکان میں آپؐ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی آپؐ نے اس کا بھی تذکرہ تک نہ فرمایا۔

انصار کی پریشانی:

اگرچہ مکہ مکرمہ کا فتح ہو جانا مسلمانوں کے لیے بہت بڑی خوشی کا باعث تھا مگر انصار اس موقعہ پر انتہائی مغموم ومحزون نظر آ رہے تھے۔ بعض حضرات نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی سرزمین اور آپ کا شہر آپ کے لیے فتح فرما دیا ہے۔ یہ انتہائی مقدس شہر ہے یہاں مقام ابراہیم بھی ہے' حجر اسود بھی ہے' صفاء ومروہ بھی ہیں' زمزم کا چشمہ بھی ہے' منیٰ اور عرفات کے مقدس مقامات بھی ہیں' اور سب سے بڑی بات آپ کا آبائی گھر بھی یہاں ہے اور اللہ کا گھر خانہ کعبہ بھی یہاں ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں آپ یہاں ہی نہ ٹھہر جائیں اور مدینہ تشریف نہ لے جائیں۔ آپؐ نے کمال رحمت سے جواباً ارشاد فرمایا اے گروہ انصار! خوب سمجھ لو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے۔ اب میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہی ہو گی۔ یہ سن کا انصار کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں ہو گئے اور وہ مطمئن ہو گئے۔

مُجرمانِ خَاص کے لیے حُکم:

اگرچہ آپؐ نے فتح مکہ کے دن عفو عام کا اعلان کر دیا تھا تاہم بعض ایسے

مجرمان خاص بھی تھے جن کو آپؐ نے قتل کرنے کا حکم دیا یہ تقریباً پندرہ سولہ اشخاص تھے۔ ان میں سے بھی صرف چار پانچ اشخاص کو قتل کیا گیا اور باقیوں کی کسی نہ کسی صورت میں رحمت عالم صلی اللہ عنہ وسلم نے جان بخشی فرمادی۔

بُت خانوں کا اِنہدام:

فتح مکہ کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کے اطراف و اکناف مختلف بت خانوں کے انہدام کے لیے سرایا بھیجے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں عزیٰ کو منہدم کیا گیا' حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں سواع کو منہدم کیا گیا اور حضرت سعد بن زیدؓ کی سرکردگی میں مناۃ کو منہدم کیا گیا۔

پھر ٦ شوال ٨ھ کو آپؐ غزوہ حنین و اوطاس و طائف کے لیے روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فتح بھی عطاء فرمائی اور بکثرت مال غنیمت بھی عطاء فرمایا۔

وَاپسی:

آپؐ نے جعرانہ کے مقام پر یہ مال غنیمت تقسیم فرمایا اور بعدازاں وہیں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا فرمایا' حضرت عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ حضرت ابومحذورہؓ کو موذن مقرر فرمایا' حضرت معاذ بن جبلؓ کو تعلیم دین کے لیے چھوڑا اور ذوالقعدہ کے آخری ہفتہ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

١٦:- خطبہ حجۃ الوداع

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۃ المائدہ)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق کچھ عرض کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

آپ جانتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح فرمایا۔ اس سال حضرت عتاب بن اسیدؓ نے تمام مسلمانوں کو اسی طرح حج کرایا جیسے عرب کا طریقہ تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

اگلے سال ۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ لوگوں کو شریعت کے مطابق ٹھیک ٹھیک حج کرائیں۔ اور مراسم جاہلیت کا استیصال فرمادیں۔ تقریباً تین سو آدمی مدینہ منورہ سے ان کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے ہمراہ لیے۔

۱۰ھ میں آپؐ نے بنفس نفیس حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف و اکناف میں اعلان کرا دیا گیا کہ امسال پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں۔ چنانچہ شمع نبوت کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ پروانے اس

غرض کے لیے جمع ہو گئے۔ آپؐ کی ازواج مطہراتؓ (تو بیبیاں) اور حضرت سیدہ فاطمہؓ اور دیگر خواص اور خدام خاص آپؐ کے ہمرکاب تھے۔

۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ھ ہفتہ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان آپؐ بمعہ صحابہ کرام مدینہ منورہ سے رخصت ہوئے۔ عصر سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں عصر کی نماز پڑھی اور وہیں رات گزاری۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ میرے پروردگار کی طرف سے مجھے خبر دی گئی ہے کہ حج میں عمرہ ہے۔

پھر ظہر کی نماز سے پہلے آپؐ نے احرام کے لیے غسل فرمایا، اس کے بعد حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے جسم اطہر اور سر مبارک میں خوشبو لگائی۔ پھر آپؐ نے تہبند باندھا اور چادر اوڑھی۔ ظہر کی نماز پڑھی اس کے بعد مصلے ہی پر حج وعمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرتے ہوئے صدائے لبیک بلند فرمائی۔ اس کے بعد اونٹنی پر سوار ہوئے۔ لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر آپؐ کے ساتھ تھا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں نَظَرْتُ اِلٰی مُدِّبَصَرِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِنْ رَاکِبٍ وَ مَاشٍ وَ عَنْ یَمِیْنِہٖ مِثْلُ ذَالِکَ وَ عَنْ یَسَارِہٖ مِثْلُ ذَالِکَ وَ مِنْ خَلْفِہٖ مِثْلُ ذَالِکَ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَیْنَ اَظْھُرِنَا فَاَھَلَّ بِالتَّوْحِیْدِ. میری نظر جہاں تک جاتی تھی میں نے دیکھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے سوار اور پیدل چلنے والے ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موجود تھے اسی طرح آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے بھی ایک کثیر مجمع تھا اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ ہر طرف سے لبیک الخ کی صدائیں آ رہی تھیں، وہ ایسا عجیب اور دلکش منظر تھا جو کبھی بھولا نہیں جا سکتا۔

اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا سفر جاری رکھا۔

اور ۴ ذوالحجہ ۱۰ھ کو مکہ مکرمہ میں وُرودِ مسعود ہوا۔

آپؐ نے بیت اللہ کا طواف فرمایا اور صفاء مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ چونکہ آپ ہدی اور قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے اس لیے آپؐ نے اِحرام نہیں کھولا۔ دیگر صحابہ کرامؓ جو ہدی ساتھ نہیں لائے تھے نے آپؐ کے حکم کے مطابق عمرہ مکمل کر کے احرام کھول دیا۔

۸ ذوالحجہ (یوم الترویہ) آپ منیٰ میں تشریف لے گئے۔ رات وہاں گزاری اور طلوع آفتاب کے بعد ۹ ذوالحجہ جمعہ کے دن عرفہ کو چل پڑے وہاں پہنچ کر وادی نمرہ میں ایک قبہ میں نزول فرمایا۔ زوال کے بعد بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ آپؐ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ اس وقت آپ کے گرد تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔

آپؐ نے ان لوگوں کے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ساری اسلامی تعلیمات کا خلاصۂ اسلام کا دستور الحیاۃ اور الوداعی نصیحتیں اور وصیتیں موجود ہیں۔ اس خطبہ کو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے ارشادات حضرت ربیعہ بن امیہؓ اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔

میدان عرفات کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے کچھ ارشادات فرمائے۔ جن کا مجموعی خلاصہ یہ ہے۔

حمدِ الٰہی:

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ

يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' ہم اسی کی حمد وثناء کرتے ہیں' اسی سے مدد مانگتے ہیں' اسی سے مغفرت چاہتے ہیں' اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور ہم اپنے نفس کے شرور اور اعمال سیئہ سے اس کی پناہ چاہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تَوحیدِ الٰہی:

آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' ساری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہے اور ساری تعریفوں کے لائق بھی وہی ہے' وہی زندہ کرنے والا اور موت دینے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت و اختیار رکھتا ہے۔ مزید فرمایا اَيُّهَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰهَ فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ رَاْسُ الطَّاعَاتِ کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی توحید پر کار بند رہنا۔ بے شک توحید ہی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔

تَذکرہ فِراق:

آپ نے ارشاد فرمایا اَيُّهَا النَّاسُ خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ لَعَلِّيْ لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا. لوگو! آج مجھ سے حج کے احکامات سیکھ لو ہوسکتا ہے کہ اگلے سال میں تمہیں نہ دیکھ سکوں اور ملاقات نہ ہوسکے۔

حُقوقُ المُسلِمین:

آپ نے حقوق المسلمین بیان کرتے ہوئے عجیب انداز اختیار فرمایا۔

لوگوں سے سوال فرمایا اَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگ یہ سمجھے کہ شاید آپؐ اس مہینہ کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں اس لیے عرض کرنے لگے اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلَیْسَ ھٰذَا مِنْ اَشْھُرِ الْحُرُم کیا یہ مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے نہیں ہے؟ سب نے بیک زبان ہو کر جواب دیا نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جی ہاں اے اللہ کے رسولؐ! پھر آپؐ نے سوال فرمایا اَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ آپ نے فرمایا اَلَیْسَ ھٰذَا بَلَدُ الْاَمِیْنِ کیا یہ امن والا شہر نہیں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. پھر آپ نے سوال فرمایا اَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا کہ یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلَیْسَ ھٰذَا یَوْمُ الْعَرَفَۃِ کیا یہ عرفہ کا مبارک دن نہیں ہے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا خبردار اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا وَ فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہیں کہ جس طرح آج کا دن (یوم عرفہ) آج کا مہینہ (ذوالحجہ) اور یہ شہر (بلد الحرام) تمہارے لیے قابل احترام ہے۔

تقویٰ:

آپؐ نے تقویٰ کی بابت ارشاد فرمایا اِتَّقُوا اللّٰہَ لوگو! اللہ سے ڈرتے رہنا، اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی السِّرِّ وَ الْعَلَنِ ظاہری اور پوشیدہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح ڈرتے رہنا جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو حالت

اسلام پر ہی مرنا۔

سُود کا خَاتمه:

سود کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے آپؐ نے ارشادفرمایا اِنَّ کُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ وَلٰکِنْ لَکُمْ رُؤُسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ کہ ہر قسم کے سود کا آج خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ تمہارا حق صرف تمہارا رأس المال (بنیادی سرمایہ) ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر کوئی ظلم کرے۔

پھر آپؐ نے اپنے خاندان سے ابتداء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں آج اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سود کے خاتمے کا اعلان کرتا ہوں۔

اِنتقام کا خَاتمه:

آپؐ نے جاہلیت ۔ کے انتقاموں کا خاتمہ کرتے ہوئے ارشادفرمایا اِنَّ کُلَّ دَمٍ فِی الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعٌ کہ میں آج جاہلیت کے تمام انتقامات کا خاتمہ کرتا ہوں۔ پھر اپنے خاندان سے ابتداء کرتے ہو ئے ارشاد فرمایا کہ میں سب سے پہلے ربیعہ بن حارثہ کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔

قَانونِ وَراثت:

وارثت کے احکام بیان کرتے ہوئے آپؐ نے ارشادفرمایا لِکُلِّ وَارِثٍ نَصِیْبُہٗ مِنَ الْمِیْرَاثِ کہ وارثت میں سے ہر وارث کا مقررہ حصہ ادا کرنا لازمی ہے۔ وَلَا یَجُوْزُ وَصِیَّتُہٗ فِیْ اَکْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ اور مرنے والے کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت کرے۔ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ بیٹا اسی کا شمار ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور زنا کار کے لیے تو پتھر ہی ہیں (یعنی رجم کی سزا ہے)

تبدیلی قوم:

قوم اور موالی تبدیل کرنیوالے کے بارے میں ارشادفرمایا مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ اَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْہِ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کہ جس نے اپنا نسب تبدیل کرتے ہوئے اپنے آپ کو کسی غیر کی طرف منسوب کیا یا اپنے موالی (آزاد کرنے والے) کو تبدیل کیا اس کے اوپر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ ایسے آدمی کی نہ کوئی فرضی عبادت قبول ہے' نہ نفلی۔

عورت کے حقوق:

عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا فَاِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَاءِ کُمْ حَقًّا وَّ لَھُنَّ عَلَیْکُمْ حَقٌّ کہ جس طرح عورتوں کے ذمے تمہارے حقوق ہیں اسی طرح تمہارے ذمے عورتوں کے حقوق بھی ہیں۔ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّھُنَّ عَوَانٌ عِنْدَکُمْ عورتوں سے ہر ممکن اچھا سلوک کرنا وہ تمہارے سامنے کمزور ہیں اَخَذْتُمُوْھُنَّ بِاَمَانِ اللّٰہِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَھُنَّ بِکَلِمَۃِ اللّٰہِ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی امان سے لیا ہے اور وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ ہی کے کلمے اور حکم سے حلال ہوئی ہیں۔

غلاموں کے حقوق:

آپؐ نے غلاموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا اَرِقَّاءِ کُمْ اَرِقَّاءِ کُمْ اپنے غلاموں کا خیال رکھنا' اپنے غلاموں کا خیال رکھنا اَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تَطْعَمُوْنَ وَ اکْسُوْھُمْ مِمَّا تَکْسُوْنَ انہیں وہی کھانا کھلانا جو تم خود کھاتے ہوئے انہیں وہی کپڑے پہنانا جو تم خود پہنتے ہو۔

وَحدتِ ملّت:

وحدت ملت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ نَبِیَّکُمْ وَاحِدٌ بے شک تمہارا رب بھی ایک ہے، تمہارا اَبْ (باپ) بھی ایک ہے اور تمہارا نبی بھی ایک ہے۔

باھمی لڑائی:

باہم قتل و قتال سے منع فرماتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلَا لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالاً خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضِکُمْ کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْاَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ عنقریب تمہیں اپنے رب کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔

اِطاعتِ اَمیر:

اطاعت امیر کا حکم دیتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ اَسْوَدُ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْہُ اگر تمہارے اوپر ایک کالے رنگ کے غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو اس کی بات سننا بھی اور ماننا بھی تمہارے لیے لازمی ہے۔

مُعاشَرتی مَساوات:

معاشرتی مساوات کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لَافَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ لَافَضْلَ لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی

گورے کو کالے پر کسی قسم کی فوقیت حاصل ہے۔اِلَّا بِالدِّیْنِ وَ تَقْوٰی فضیلت و فوقیت کا معیار دین اور تقویٰ ہے کُلُّکُمْ بَنُوْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔

غُلُوّ فِی الدِّین:

دین کے اندر غلو سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِیَّاکُمْ وَ الْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَهْلَکَ قَبْلَکُمُ الْغُلُوُّ فِی الدِّیْنِ خبردار دین میں غلو نہ کرنا یعنی افراط و تفریط نہ کرنا۔تم سے پہلے لوگ اسی غلو فی الدین کی وجہ سے تباہی اور ہلاکت کا شکار ہوئے تھے۔

اَرکانِ اِسلام:

ارکان اسلام کی بابت فرمایا اَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَ صُوْمُوْا شَهْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوةَ اَمْوَالِکُمْ وَ تَحُجُّوْا بَیْتَ رَبِّکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاةَ اُمُوْرِکُمْ تَدْخُلُوْ جَنَّةَ رَبِّکُمْ خبردار اپنے رب کی عبادت کرتے رہنا' پانچ وقت کی نماز ادا کرتے رہنا' رمضان کے روزے رکھتے رہنا' اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرتے رہنا' اللہ کے گھر کا حج کرتے رہنا اور اولی الامر کی اطاعت کرتے رہنا' اس طرح اپنے پروردگار کی جنت کے حقدار ہو جاؤ گے۔

خَتمِ نُبوّت:

ختم نبوت کے بارے میں ارشاد فرمایا اَیُّهَا النَّاسُ اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَ کُمْ اَنَا آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ اے لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور تمہارے بعد کوئی نئی امت نہیں ہوگی۔ میں نبیوں میں سے آخری نبی ہوں اور تم امتوں میں سے آخری امت ہو۔

معیارِ ھدایت:

پھر ہدایت کے بنیادی معیار کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تَرَکْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهٖ کہ میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان پر مضبوطی سے قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری اس کے نبی کی سنت۔

حفاظتِ حدیث:

حفاظت حدیث کے متعلق ترغیب دیتے ہوئے دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا فَاَدّٰى كَمَا سَمِعَ اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات کو توجہ سے سنا۔ پھر اس کو محفوظ کر لیا اور پھر جو کچھ سنا تھا اسے آگے دوسروں تک پہنچا دیا۔

تبلیغ کی ذمّہ داری:

اپنی امت پر تبلیغ کی ذمہ داری ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ خبردار! ہر موجود آدمی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیر موجود آدمی تک میری باتیں پہنچا دے۔

لوگوں سے سوال:

پھر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّكُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم اس دن احکم الحاکمین کی عدالت میں کیا جواب دو گے؟ هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے تمہارے تک خدا کا دین پہنچا دیا؟ پھر تمام لوگوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دیا لَقَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَ كَشَفْتَ الْغُمَّةَ کہ آپ ؐ نے

صرف پہنچایا نہیں بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ نے اللہ کی امانت پوری پوری پہنچا دی ہے۔ ہر لحاظ سے امت کی خیر خواہی فرما دی ہے اور حق کے راستہ پر جو پردے حائل تھے آپؐ نے ان کو ہٹا دیا ہے۔

اے اللہ تو گواہ ہو جا:

پھر آپؐ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے پھر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ' اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ' اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اے اللہ تو گواہ ہو جا۔ اے اللہ تو گواہ ہو جا۔ اے اللہ تو گواہ ہو جا کہ میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔

الوداع:

پھر آپؐ نے لوگوں کو الوداع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَسْتَوْدِعُ اللہَ دِیْنَکُمْ وَ اَمَانَتَکُمْ وَ خَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ. وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ میں تمہیں اور تمہارے دین اور تمہاری امانت اور تمہارے آخری اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بعد ازاں حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی' آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی' اس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

اس کے بعد آپؐ نے وقوف فرمایا اور تقریباً چار پانچ گھنٹے تک حمد وثناء اور ذکر و دعاء میں مشغول رہے۔ اسی اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر

پوری کر دی ہے اور ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا ہے۔

غروب آفتاب کے بعد آپ ؐ نے حضرت اسامہ ؓ کو پیچھے بٹھایا اور اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر بمعہ صحابہ کرام ؓ مزدلفہ تشریف لے گئے۔ اور حج کے بقیہ مناسک پورے فرمائے۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ ؐ عازم مدینہ ہوئے اور ذوالحجہ کے آخری ایام میں مدینہ منورہ میں وُرود مسعود ہوا۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۷:- سُورۃُ الفَاتِحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ الخ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرنے کی سعادت حاصل کرونگا۔

آپ جانتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ ترتیب تلاوت کے لحاظ سے قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے۔ جس طرح اس سورت کو اولیت حاصل ہے اسی طرح اس کو اولویت بھی حاصل ہے۔ قرآن مجید سارے کا سارا اللہ کا کلام ہے۔ تاہم بعض حصوں کو بعض پر خصوصی فضیلت حاصل ہے' تمام سورتوں میں سے سب سے عظمت والی سورۃ یہی سورۃ الفاتحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید کی ابتداء میں رکھ کر قرآن کا دیباچہ اور آئینہ بنا دیا ہے کہ اگر کسی کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم سورۃ فاتحہ کو سمجھ لے۔ جس نے اس کو سمجھ لیا گویا اس نے پورے قرآن مجید کو سمجھ لیا۔

فَضائلِ سُورۃ فَاتحہ:

حضرت سیدنا ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا اَلَا اُعَلِّمُکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْآنِ کیا

میں تجھے قرآن مجید کی سب سے عظمت والی سورۃ نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور، تا میں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہ وہ سورۃ یہی سورۃ فاتحہ ہے ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ (ابن کثیر) یہی سبع المثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا وَلَقَدْ آتَیْنَاکَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ (الحجر) کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی یعنی بار بار دہرائی جانے اولی سات آیات اور قرآن عظیم عطاء فرمایا ہے۔

آپؐ نے اس موقعہ پر یہ بھی ارشاد فرمایا لَمْ تَنْزِلْ لَا فِی التَّوْرٰۃِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْقُرْآنِ مِثْلُھَا کہ اس طرح کی سورت اللہ تعالیٰ نے نہ تو تورات میں اتاری ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ ہی قرآن مجید میں۔

☆ اسی طرح حضرت جابرؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام عرض کیا تو آپؐ نے جواب نہ دیا اور گھر میں چلے گئے۔ میں مسجد میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ وضو کر کے تشریف لائے مجھے سلام کا جواب بھی دیا اور ارشاد فرمایا کہ کیا میں تجھے ایک ایسی سورت نہ بتاؤں جو قرآن مجید کی سب سورتوں سے افضل و اعلیٰ ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا اِقْرَأْ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہ سورۃ فاتحہ پڑھو یہی سب سے افضل سورت ہے (تفسیر کبیر)

☆ ایک دفعہ حضرت جبریل امینؑ آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ آسمان سے دروازہ کھلنے کی ایک دھما کہ خیز آواز آئی۔ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کسی نبی کے لیے نہیں کھولا گیا۔ پھر دو فرشتوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا اَبْشِرْ بِنُوْرَیْنِ قَدْ اُوْتِیْتَھُمَا لَمْ یُؤْتَھُمَا نَبِیٌّ قَبْلَکَ. فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ وَ خَوَاتِیْمُ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ کہ آپ کو

خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو ایسے نور عطاء فرمائے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ (۱) سورۃ فاتحہ (۲) خواتیم سورۃ البقرہ۔

☆ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے عرش کے خزانوں میں سے دو خزانے عطاء فرمائے ہیں۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ الخ

☆ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کُنْتُ اَخْشٰی الْعَذَابَ عَلٰی اُمَّتِکَ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْفَاتِحَةُ اٰمِنْتُ کہ مجھے آپ کی امت کے بارے میں ہمیشہ عذاب کا خوف رہتا تھا پھر جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی تو میں مطمئن ہو گیا۔ آپ نے پوچھا وہ کیسے؟ جبریل کہنے لگے کہ جہنم کے ساتھ دروازے ہیں (لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ) اور اس سورت کی بھی سات آیات ہیں۔ جب کوئی بندہ صدق دل کے ساتھ یہ سورت پڑھتا ہے تو ایک ایک آیت پڑھنے پر اس کے حق میں جہنم کا ایک ایک دروازہ بند ہوتا چلا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

☆ ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تین دفعہ بہت غمگین ہوا ہے اور رویا پیٹا ہے۔ ایک تو اس وقت جب اسے جنت سے نکالا گیا' دوسرا اس وقت جب مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا گیا' تیسرا اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر سورۃ فاتحہ نازل فرمائی ہے۔

اَسماء سُورۃ فَاتحہ:

سورۃ فاتحہ کے بہت سارے نام ہیں' ہر ایک نام اس کی کسی نہ کسی صفت اور شان کو ظاہر کرتا ہے۔ ناموں کی کثرت کا مطلب یہی ہے کہ اس کی صفات اور خوبیاں بکثرت ہیں۔ علماء کرام کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ کَثْرَةُ الْاَسْمَاءِ تَدُلُّ

عَلٰی شَرْفِ الْمُسَمّٰی کہ ناموں کی کثرت مسمّیٰ کی عظمت وشرف کی دلیل ہوتی ہے۔

۱) اس کا ایک نام تو آپ سن چکے ہیں "سَبْعُ مَثَانِیْ" یعنی بار بار پڑھی جانے والی سات آیات۔

۲) اس کا ایک نام فَاتِحَۃٌ ہے۔ یعنی کھولنے والی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ قرآن مجید کو کھولنے والی ہے' قرآن مجید کا افتتاح اسی سے ہوتا ہے۔

۳) اس کا ایک نام کَافِیَۃٌ ہے۔ یعنی اگر کوئی اس پر تہہ دل سے ایمان لائے تو یہ اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔

۴) اس کا ایک نام کَنْزٌ ہے۔ یعنی خزانہ۔ اور آپ سن چکے ہیں کہ یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۵) اس کا ایک نام شِفَاءٌ ہے۔ یعنی یہ روحانی اور جسمانی بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔ آپؐ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ یہ موت کے سوا ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔

۶) اس کا ایک نام سُوْرَۃُ الْحَمْدُ ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف پر مشتمل ہے۔

۷) اس کا ایک نام سُوْرَۃُ الدُّعَاءِ ہے کہ اس میں بندہ اپنے رب سے دعا مانگتا ہے۔ آپؐ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.

۸) اس کا ایک نام وَاقِیَۃٌ ہے۔ یعنی بچانے والی۔ یعنی جس نے اس کو صدق دل کے ساتھ پڑھا اور مانا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ گیا۔

۹) اس کا ایک نام رُقْیَۃٌ ہے۔ رقیہ کا معنی ہے دم کرنا۔ یعنی یہ سورت ہر ایک بیماری کے لیے دم کا کام دیتی ہے۔

(۱۰) اس کا ایک نام سُوْرَۃُ النُّوْرَ ہے۔ اور یہ آپ سن چکے ہیں کہ دو فرشتوں نے آپ کو دو نوروں کی خوشخبری دی تھی۔

(۱۱) اس کا ایک نام سُوْرَۃُ الصَّلٰوۃِ ہے۔ یعنی ایسی سورت ہے جو ہر صورت نماز میں پڑھی جاتی ہے۔

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ کہ میں نے صلوٰۃ (سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کر لیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تو میں جواب میں کہتا ہوں حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ کہ میرے بندے نے میری حمد کی ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو میں کہتا ہوں اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ کہ میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ تو میں کہتا ہوں مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ کہ میرے بندے نے میری عظمت اور بزرگی بیان کی ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو میں کہتا ہوں کہ ھٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ کہ یہ میرے اور میرے بندے کے تعلق کا بیان ہوا ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ الخ تو میں کہتا ہوں ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ کہ یہ میرے بندے نے خاص اپنے لیے مجھ سے مانگا ہے اور میں نے اس کا مانگا ہوا اس کو عطاء فرما دیا ہے۔

(۱۲) اس سورۃ کا ایک نام سُوْرَۃُ تَعْلِیْمِ الْمَسْئَلَۃِ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت و رحمت سے کام لیتے ہوئے اس سورت میں بندے کو اپنے سے مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ جب اس کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق مانگا جائے گا تو وہ یقیناً عطاء بھی فرمائے گا۔

گرامی قدر سامعین! ہماری کسی بھی درخواست میں تین چیزیں لازماً ہوتی ہیں۔

۱) جس کو درخواست پیش کی جا رہی ہے اس کی تعریف و توصیف۔

۲) اپنی عاجزی، بندگی اور فدویت۔

۳) اصل مدعا اور سوال۔

اور یہ طریقہ ہم نے سورۃ فاتحہ سے سیکھا ہے۔

دیکھیے! سورۃ فاتحہ میں اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تعریف و توصیف ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ دوسرے نمبر پر اپنی عاجزی و انکساری اور بندگی کا ذکر ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ تیسرے نمبر پر اپنا اصل مقصود اور مدعا بیان کیا گیا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ الخ۔ تو اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مانگنے کا ڈھنگ سکھایا ہے

۱۳) اس سورت کا ایک نام اُمُّ الْقُرْآن ہے۔ یعنی پورے قرآن کی ماں اور بنیاد۔ اُمّ کا مطلب ہوتا ہے "ماں" مکہ مکرمہ کا ایک نام ام القریٰ بھی ہے یعنی تمام بستیوں کی ماں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ماں کی کوکھ سے جنم لے کر اولاد آگے پھیلتی چلی جاتی ہے اور جس طرح مکہ مکرمہ کی بستی سے دوسری بستیاں پھیلتی چلی گئیں اسی طرح اس سورت سے نکل کر پورا قرآن پھیلتا چلا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پورے قرآن کی بنیاد اور خلاصہ ہے۔ پورے قرآن کو اگر مختصر کیا جائے تو وہ انحصار سورۃ فاتحہ کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

علماء کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس بات کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں

کہ اگر پورے قرآن مجید کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو مضامین کے اعتبار سے اس کے چار حصے ہیں۔ اور ہر حصہ الحمد سے شروع ہوتا ہے اور ہر حصہ میں ایک خاص مضمون پر زور دیا گیا ہے۔

پہلا حصہ سورۃ فاتحہ سے سورۃ مائدہ کے آخر تک ہے۔ اس میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے یعنی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسرا حصہ سورۃ انعام سے شروع ہو کر سورۃ بنی اسرائیل کے آخر تک ہے۔ اس میں زیادہ تر ربوبیت کا بیان ہوا ہے یعنی پیدا کرنے کے بعد اس کی دیکھ بھال کرنے والا اس کی ضرورت پوری کر کے حد کمال تک پہنچانے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

تیسرا حصہ سورۃ کہف سے شروع ہو کر سورۃ احزاب کے آخر تک ہے اس میں زیادہ تر ملوکیت کا بیان ہوا ہے۔ یعنی تخت بادشاہی پر وہ خود ہی متمکن ہے اور وہی مالک و متصرف اور مختار و کارساز ہے۔

چوتھا حصہ سورۃ سبا سے شروع ہو کر قرآن مجید کے آخر تک ہے۔ اس میں زیادہ تر مالکیت فی الآخرۃ کا بیان ہے کہ قیامت کے دن بھی وہی مالک و مختار ہو گا۔ کوئی اس کے سامنے شفیع غالب نہیں ہو گا۔ بلکہ بغیر اجازت کے اس کے سامنے کسی کو بولنے تک کی جرأت نہ ہو گی۔

ان چاروں مضامین کا اجمالی خاکہ سورۃ فاتحہ میں موجود ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں خالقیت کی طرف اشارہ ہے (لفظ اللہ سے وصف مشہور یعنی خالقیت مراد ہے) دوسرے مضمون کا اشارہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں موجود ہے۔ تیسرے مضمون کا اشارہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں موجود ہے اور چوتھے مضمون کا اشارہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

میں مذکور ہے۔

بعض علماء کرامؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ پورے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سات مضامین بیان فرمائے ہیں اور ان ساتوں مضامین کا اشارہ سورۃ فاتحہ کی ساتوں آیات میں موجود ہے۔

۱) **توحید:** جس کا اشارہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں موجود ہے۔

۲) **رسالت:** جس کا اشارہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں موجود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو سب سے بڑی رحمت فرمائی ہے وہ نبوت و رسالت کا نظام ہے۔ قرآن مجید میں نبوت کو رحمت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّکَ.

۳) **قیامت:** جس کا اشارہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں موجود ہے۔

۴) **عبادات:** جن کا اشارہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں موجود ہے۔

۵) **اَحکامات و اَعمالِ صالحہ:** جن کا اشارہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں موجود ہے۔

۶) **ماننے والوں کے حالات:** جن کا اشارہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں موجود ہے۔

۷) **نہ ماننے والوں کے حالات:** جن کا اشارہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں موجود ہے۔

گرامی قدر سامعین اب آپ پر یہ بات یقیناً واضح ہو چکی ہوگی کہ سورۃ فاتحہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ اب میں آپ کے سامنے ایک ایک آیت کی مختصر تشریح عرض کروں گا۔

آیت نمبر ۱:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا "اَلْحَمْدُ" میں الف لام استغراقی ہے جس کی وجہ سے معنیٰ بنا "تمام تعریفیں" تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعریف تو بندے کی بھی ہوتی ہے۔ فرشتوں کی بھی ہوتی ہے۔ انبیاء کرام کی بھی ہوتی ہے۔ پھر علماء کرام کو اس اعتراض کا جواب دینا پڑا۔ مگر ہمارے حضرت مولانا حسین علیؒ نے ایسا معنیٰ کیا ہے کہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ الف لام عہدی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ تمام الوہیت کی صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

الحمد للہ ایک دعویٰ ہے اور رب العالمین اس کی دلیل ہے یعنی جب سارے جہانوں کو پالنے والا ان کی حاجت روائی کرنے والا۔ ان کی ضروریات مہیا کرنے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے تو الوہیت کی تمام صفات بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔

الحمد للہ بہت قیمتی کلمہ ہے: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ جب بندہ نعمت پانے کے بعد الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ اَعْطَیْتُهٗ مَالَا قَدْرَ لَهٗ فَاَعْطَانِیْ مَالَا قِیْمَةَ لَهٗ کہ میرے بندے کی طرف دیکھو میں نے اسے ایک معمولی سی نعمت دی ہے اور اس نے یہ کلمہ بول کر اس طرح میرا شکریہ ادا کیا ہے کہ اس کی قیمت متعین ہی نہیں کی جا سکتی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اندر جب اللہ تعالیٰ نے روح داخل فرمائی تو انہیں چھینک آئی اور ان کے منہ سے سب سے پہلا کلمہ نکلا الحمد للہ۔ اور جنتیوں کا آخری کلمہ بھی یہی ہوگا وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ یونس)

آیت نمبر ۲:

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہ وہ انتہائی مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

گرامی قدر سامعین! یہ دونوں الفاظ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ اور دونوں قریب المعنیٰ ہیں۔ تاہم عُلماء کرام نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے۔ (۱) رحمان کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور رحیم کا لفظ مخلوق کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ (۲) رحمان سے مراد منبع رحمت ہے اور رحیم سے مراد بالفعل رحمت کا ظہور ہے۔ (۳) رحمان میں عمومی رحمت کا بیان ہے اور رحیم میں خصوصی رحمت کا بیان ہے۔ عمومی رحمت ہر ایک پر ہوتی ہے اور خصوصی رحمت کے مستحق صرف مؤمنین ہیں۔ (۴) رَحْمٰنُ فِی الدُّنْیَا رَحِیْمٌ فِی الْاٰخِرَۃِ یعنی رحمان میں ایسی رحمتوں کا بیان ہے جو دنیا میں ہو رہی ہیں اور رحیم میں ایسی رحمتوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل ایمان پر فرمائے گا۔ یاد رہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک رحمت اتاری ہے جبکہ ۹۹ رحمتیں وہ قیامت کے دن اتارے گا۔ (۵) رَحْمٰنٌ کَالْاَبِ رَحِیْمٌ کَالْاُمِّ یعنی رحمان سے مراد ایسی رحمت جیسی باپ کی ہوتی ہے اور رحیم سے مراد ایسی رحمت جیسی ماں کی ہوتی ہے۔ (۶) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ان دونوں الفاظ کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں رَحْمٰنٌ اِذَا سُئِلَ اَعْطٰی کہ رحمان سے مراد ایسا مہربان ہے کہ جس سے جب بھی مانگا جائے وہ عطاء کر دے۔ اور رحیم وہ ہے اِذَا لَمْ یُسْأَلْ یَغْضَبُ کہ جس سے اگر نہ مانگا جائے تو ناراض ہو جائے۔

اَللّٰہُ یَغْضَبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَہٗ
وَالنَّاسُ یَغْضَبُوْنَ حِیْنَ یُسْأَلُ

آیت نمبر ۳:

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے۔ دین کے بہت سارے معانی ہیں مگر یہاں معنی ہے ''بدلہ''۔

وقوع قیامت اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے' اس لیے قیامت کے بارے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مالک تو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ہے پھر خصوصی طور پر یہ کیوں کہا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کا مالک ہے؟ جواباً عرض ہے کہ دنیا میں مجازی ملکیت بھی ہوتی ہے۔ کوئی زمین کا مالک ہے کوئی مکان کا مالک ہے۔ مگر قیامت والے دن یہ عارضی اور مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی۔ اور اس دن اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بدرجہ کمال وتمام ظاہر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کو مٹھی میں لے کر سوال فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کہ بتاؤ! آج بادشاہی کس کی ہے؟ جب کہ کسی کے اندر جواب دینے کی جرأت بھی نہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

آیت نمبر ٤:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی استعانت کرتے ہیں۔ یہ سورت فاتحہ کی مرکزی آیت ہے' سورۃ فاتحہ اگر پورے قرآن کا خلاصہ ہے تو یہ آیت سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اس کی اصل عبارت یوں تھی نَعْبُدُكَ وَ نَسْتَعِيْنُكَ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول کو مقدم کر کے حصر کا معنیٰ پیدا کر دیا ہے۔ کہ ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

عبادت کا لغوی معنی ہے تذلل اور عاجزی اختیار کرنا۔ اصطلاحی معنی یہ

ہے کہ کسی کے لیے دو عقیدے (علم کامل' قدرت کامل) دل میں رکھ کر اس کے سامنے عاجزی اختیار کرنا' اس کی عظمت کا اظہار کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ انہی دو عقیدوں کی وجہ سے ہمارا قیام' رکوع' سجدہ' طواف' سعی' صدقہ وخیرات ذکر ودعاء وغیرہ عبادات میں شمار ہوتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات آپ جانتے ہیں کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں (۱) قولی عبادت۔ (۲) فعلی عبادت۔ (۳) مالی عبادت۔ اور ان تمام عبادات کا مغز اور نچوڑ "دعاء" ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے عبادت کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے اگلہ جملہ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! ایک بات ذہن میں رکھیں کہ یہاں مدد سے مراد مافوق الاسباب مدد ہے۔ ماتحت الاسباب مدد مراد نہیں ہے۔ وہ تو ایک دوسرے سے لی جاسکتی ہے اور اس کے بغیر گزارہ بھی ممکن نہیں۔

آیت نمبر ۵:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ یہ انسان کی مقصودی دعاء ہے۔ عام طور پر اس آیت کا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ "دکھا ہم کو سیدھا راستہ" لیکن اس معنیٰ پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ اس بندے نے اذان سنی پھر وضو کیا' نماز کے لیے مسجد میں آیا' قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہا اور اس کی کبریائی کو تسلیم کیا' پھر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ الخ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ثناء اور پاکیزگی بیان کی۔ لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ کہہ کر غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی' پھر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہا پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا پھر مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہہ کر قیامت کو تسلیم کر لیا پھر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت و استعانت کا اقرار کیا۔ پھر یہ کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ بھلا اس کو ابھی تک سیدھا راستہ نظر نہیں آیا؟

اس لیے محقق علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ ہدایت کے دو معانی ہیں (۱) اِرَاءَۃُ الطَّرِیْقِ یعنی راستہ دکھانا۔ (۲) اِیْصَالُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ یعنی منزل مقصود تک پہنچانا۔ یہاں ہدایت کا دوسرا معنی مراد ہے کہ یا اللہ! سیدھا راستہ تو مجھے نظر آ چکا ہے کہ یہی اِیَّاکَ نَعْبُدُ والا راستہ ہے۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ کہ میری عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے)۔ اب میری دعا یہ ہے کہ مجھے اس راستہ پر مضبوطی سے قائم رکھ اَیْ ثَبِّتْنَا وَوَفِّقْنَا۔

گرامی قدر سامعین! آپ کو جاننا چاہیے کہ ہدایت کے چار درجے ہیں۔ (۱) انابت۔ (۲) ہدایت۔ (۳) استقامت۔ (۴) ربط القلوب۔ پہلے دو درجے تو بندے کو حاصل ہیں اب یہ اللہ تعالیٰ سے تیسرا اور چوتھا درجہ طلب کر رہا ہے۔ ۔

آیت نمبر ٦:

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ یعنی ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا ہے۔

مُنْعَمْ عَلَیْہِ کون ہیں؟ قرآن مجید کی ایک خصوصیت ہے کہ اگر ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اسی کی تفصیل بھی ہوتی ہے۔ اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضاً کہ قرآن اپنی تفسیر خود بھی فرماتا ہے۔

سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ نے منعم علیہ لوگوں کی نشاندہی فرما دی ہے وَمَنْ

يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِيْقًا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یعنی بندہ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگ رہا ہے کہ مجھے ان چاروں گروہوں کی اطاعت و اتباع نصیب فرما۔

آیت نمبر ۷:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی نہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی ان کے راستے پر جو گمراہ ہوئے۔ یہاں بندہ اللہ سے دو خطرناک گروہوں سے بچنے کی دعا مانگ رہا ہے۔

ا) مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِ یعنی جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔

ب) ضَآلِّيْن یعنی جو گمراہ ہو گئے۔

عُلماء کرام نے ان کے بہت سے مفہوم بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مفہوم:

مَغْضُوْبٌ عَلَيْه سے مراد ایسے کافر ہیں جن پر مُہر جباریت لگ چکی ہے اور ضد وعناد کی وجہ سے ان میں قبول حق کی استعداد ہی ختم ہو چکی ہے۔ اور ضَآلِّيْن سے مراد وہ کفار ہیں جنکی استعداد تو ختم نہیں ہوئی لیکن یہ اندھی تقلید کیوجہ سے راہ حق سے ہٹ چکے ہیں۔ یعنی اے اللہ مجھے ایسے کافروں کی اتباع سے بھی بچا جو ضد وعناد کی وجہ سے استعداد کھو چکے ہیں اور ایسے کافروں سے بھی بچا جو اندھی تقلید

کی وجہ سے راہِ راست کھو چکے ہیں۔

دُوسرا مَفہوم:

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِ سے مراد پکے کافر جو اندر اور باہر سے کافر ہیں اور ضَالِّیْن سے مراد منافق کافر' جو باہر سے تو مسلمان نظر آتے ہیں اور اندر سے کافر ہیں۔ یعنی اے اللہ مجھے پکے کافروں کی اتباع سے بھی بچا اور منافقوں کی اتباع سے بھی بچا۔

تیسرا مَفہوم:

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِ مراد یہودی ہیں اور ضَالِّیْن سے مراد عیسائی ہیں۔ اور ان دونوں کا راستہ شرک والا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا نائب بنایا' تو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ یعنی اے اللہ! مجھے یہودیوں کے راستہ سے بھی بچا اور عیسائیوں کے راستے سے بھی بچا' مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلا جو توحید والا اور جنت والا راستہ ہے۔

یَہود و نَصاریٰ کے کُفر میں فَرق:

یہ بات ظاہر ہے کہ یہودی بھی کافر اور جہنمی ہیں اور عیسائی بھی کافر اور جہنمی ہیں۔ لیکن دونوں کے کفر میں ایک نمایاں فرق ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے اصل رتبے سے گھٹایا۔ ان کی نبوت کا انکار کیا۔ ان کو ناجائز بچہ تسلیم کیا ان کے قتل اور توہین و گستاخی کے درپے ہوئے۔ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے اصل رتبے سے بڑھایا۔ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا اور ثالث ثلاثہ تسلیم کر لیا۔ یعنی یہودیوں نے بھی کفر کیا لیکن کڑوا کفر کیا اور عیسائیوں نے بھی کفر کیا لیکن میٹھا کفر کیا۔ یہودیوں کا کفر تفریط والا ہے تو

عیسائیوں کا افراط والا ہے۔ یعنی اے اللہ مجھے تفریط والے کفر سے بھی بچا اور افراط والے کفر سے بھی بچا۔

آمین:

یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے۔ سورۃ فاتحہ کا حصہ نہیں ہے۔ اس کا معنی ہے "اِسْتَجِبْ" یعنی اے اللہ میری دعاء قبول فرما۔ دعا میں چونکہ اخفاء اولیٰ ہے اس لیے آمین بھی آہستہ کہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۸:- سُورۃُ العَصر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے سورۃ العصر کا ترجمہ اور تشریح پیش کرنے کی سعادت حاصل کرونگا۔

یہ سورت اگر چہ انتہائی مختصر اور چھوٹی ہے مگر انتہائی جامع سورت ہے قرآن کا ایک اعجاز اس کی جامعیت بھی ہے۔ یعنی الفاظ کم ہوتے ہیں اور معانی انتہائی وسیع۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اُعْطِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِم کہ مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے اور کچھ بھی نازل نہ فرماتا صرف یہی سورت نازل فرما دیتا تو یہ سورۃ اتنی جامع سورۃ ہے لَکَفَتْھُمْ لِلْھِدَایَۃِ کہ ہدایت کے لیے یہی کافی ہو جاتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کہ قسم ہے زمانے کی کہ انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے۔

گرامی قدر سامعین! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں زمانے کی قسم کھائی ہے۔

سب سے پہلے یہ یاد رکھیں کہ ہمارے قسم اٹھانے اور اللہ کے قسم اٹھانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم گواہ اور شاہد کے معنی میں ہوتی ہے یعنی زمانہ اس بات پر شاہد اور گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ علماء کرام نے یہاں ''عصر'' کے بہت سارے معانی بیان فرمائے ہیں اور سب کے سب اپنی جگہ درست ہیں۔

۱) نمازِ عصر کا وقت:

اس وقت کی اہمیت ہر لحاظ سے مسلم ہے۔ لوگ سارا دن کاروبارِ زندگی میں مشغول رہ کر اس وقت اپنا کاروبار سمیٹ رہے ہوتے ہیں اور اپنے نفع و نقصان کا حساب کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے بسا اوقات اسی سود و زیاں کے چکر میں ان کی عصر کی نماز رہ جاتی ہے اور جس کی عصر کی نماز رہ جائے اس نے بہت بڑا خسارہ اور گھاٹا اٹھایا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَ مَالُهُ کہ جس شخص کی عصر کی نماز رہ گئی یوں سمجھو اس کے سب اہل و عیال اور اس کا سب مال و متاع اس سے چھن گیا۔

محترم سامعین! اندازہ لگائیں شریعت میں اس نماز کی کتنی اہمیت ہے!

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس نماز کی اہمیت بیان فرمائی ہے حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى کہ سب نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر صلوٰۃ وسطیٰ کی۔ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر ہی کی نماز ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر فرمایا ہے۔

غزوہ خندق کے موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار نمازیں فوت ہو

گئی تھیں۔ آپ کو اس بات کا بڑا دکھ اور صدمہ ہوا اور آپ ؐ نے ارشاد فرمایا مَلَأَ اللّٰہُ بُيُوْتَهُمْ وَ قُبُوْرَهُمْ نَارًا قَدْ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى کہ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے کہ ان کی وجہ سے ہماری عصر کی نماز بھی فوت ہوگئی۔

غور فرمائیں نمازیں تو آپ ؐ کی اور بھی قضاء ہوئی تھیں مگر آپ ؐ نے نماز عصر کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ فرما کر اس کی اہمیت واضح فرمادی۔

عصر کے وقت سورج کی روشنی درجہ بدرجہ گھٹ رہی ہوتی ہے اور وہ بڑی تیزی سے زرد پڑتا جارہا ہوتا ہے اور ڈوبنے کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی درجہ بدرجہ گھاٹے اور خسارے کی طرف جارہا ہے۔

۲) زَمانہ نَبوی:

یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ جو نہایت ہی مبارک اور فضیلت والا زمانہ ہے۔ اسی زمانہ میں انوارات نبوت ظاہر ہوئے صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت ظہور میں آئی۔ بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوئے۔ اس لحاظ سے یہ زمانہ تمام زمانوں سے افضل واعلیٰ ٹھہرا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادگرامی ہے خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ تو اتنے مبارک زمانہ سے بھی اکثریت نے فائدہ نہ اٹھایا۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف) کہ بہت سے آدمی گو تم کتنی ہی خواہش کروایمان لانے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ زمانہ نبوی بھی اس بات پر گواہ ہے کہ انسان گھاٹے کی طرف جارہا ہے۔

۳) زَمانہ گُزشتہ:

یعنی تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ قارون

فرعون' نمرود اور شداد وغیرہ کا انجام لوگوں کے سامنے ہے۔ اسی طرح اقوام عالم کو دیکھ لیجئے قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' قوم لوط' قوم مدین' اصحابہ القریہ' اصحابہ السبعت' قوم سبا' اصحاب الاخدود' اصحاب الفیل وغیرہ سب ہلاکت و بربادی کا شکار ہوئیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے۔

٤) انسان کی عُمر کا زَمانہ:

انسان کی عمر ایک بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ اگر انسان اس سرمائے سے فائدہ اٹھالے تو زہے قسمت' ورنہ ہلاکت و بربادی اس کا مقدر ہے۔ چند گنے چنے سانسوں پر مشتمل عمر ایک ایسا سرمایہ ہے' جو ہر لحظہ گھٹتا چلا جارہا ہے' انسان کو چاہیے کہ بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے اس سرمائے سے فائدہ اٹھالے' ورنہ یہ یوں ہی ضائع ہو جائیگا اور انسان ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔

اس کی مثال آپ ایسے سمجھیں جیسے کمرہ امتحان میں پرچہ حل کرنے کے لیے ایک طالب علم کو تین گھنٹے دیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے تو ایک ایک منٹ قیمتی ہے اگر وہ اس دورانیہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پرچہ حل کرلے تو زہے قسمت ورنہ یہ دورانیہ گزرنے پر اس سے پرچہ چھین لیا جائیگا اور وہ ہاتھ ملتا رہ جائیگا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ العصر کا مفہوم ایک برف بیچنے والے بچے سے سیکھا ہے جو لوگوں سے رو رو کر کہہ رہا تھا کہ یہ برف لے لو۔ ورنہ تو یہ پگھل جائے گی اور کسی کام نہ آئے گی۔

عمر برف است و آفتاب تموز
اند کے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

تو انسان کی عمر کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ انسان گھاٹے اور خسارے میں جارہا ہے۔

نَجات کے اُصولِ اَربعہ:

آگے اللہ تعالیٰ نے استثناء فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا الخ مگر وہ لوگ خسارے اور گھاٹے میں نہیں ہیں جن کے اندر یہ چار صفات پائی جائیں۔

صِفتِ اَوّل:

آمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ ایمان ایک بنیادی چیز ہے۔ جس نے ایمان کو درست کر لیا' اس کی فکر اور اس کا نظریہ صحیح ہو گیا۔ اور اگر خدانخواستہ نظریہ ہی غلط ہے تو اس کے سب اعمال بیکار ہیں۔ لفظ آمَنُوْا کے اندر بڑی جامعیت ہے یعنی جَمِیْعُ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمایا ہے سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

آپؐ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ ایمان کے ستّر سے زائد شعبے ہیں اور ان سب میں سے بنیادی چیز لا الہ الا اللہ ہے یعنی توحید بنیاد ہے ایمان کی۔

ایمان کا مقام قلب ہے' ایمان بمنزل جڑ کے ہے جس طرح کسی درخت کی جڑ نظر نہیں آتی اسی طرح قلب میں چھپا ہوا ایمان نظر نہیں آتا' ہاں اس کے برگ و بار اعمال صالحہ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ جڑ اگر کمزور ہو گی یا خشک ہو جائے گی تو پورے درخت پر اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اس لیے سب سے زیادہ جڑ کی فکر کی جاتی ہے' اس کو غذا مہیا کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کو سب سے زیادہ اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

صفتِ دُوم:

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ اچھے اعمال کرتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! دیکھ لیجیے اعمال صالحہ کا ذکر ایمان کے بعد آیا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ ایمان پہلے ہوگا تو تب اعمال کام آئیں گے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اعمال کو اسی لیے ضائع قرار دیا ہے کہ ان کے دل میں ایمان نہ تھا۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ (سورۃ توبہ) یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا بغیر ایمان کے بیکار ہے۔

ایک مقام پر ان کے اعمال کے بارے میں فرمایا اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ کہ ان کے اعمال راکھ کی مانند ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ کہ ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں کہ ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔

ذرا غور فرمائیں! اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صالحہ کی قید لگائی ہے۔ یعنی نرے اعمال مطلوب نہیں' اعمال صالحہ مطلوب ہیں۔ اور اعمال صالحہ وہی ہوتے ہیں جن کے اندر ایمان کی روح ہو۔ جن کی شکل وصورت سنت نبوی کے مطابق ہو۔ جو ہر قسم کی ریاکاری سے منزہ اور پاک ہوں۔

صفتِ سُوم:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کہ وہ ایک دوسرے کو حق کی تاکیدی نصیحت کرتے ہیں۔ یعنی خود ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔ اگر صرف خود

عبادت کرتے رہنا یا اعمال صالحہ کرتے رہنا کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غار حرا سے نکال کر کوہ صفاء پر کھڑا نہ کرتا۔

ایک مقام پر فرمایا یَاۤ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ (مدثر) کہ اے کمبل اوڑھنے والے! اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو برے اعمال سے باز رہنے کی تنبیہ کر اور اپنے رب کی کبریائی اور بڑائی بیان کر۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (سورۃ آل عمران) کہ تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے بھیجی گئی ہو تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہاں امت محمدیہ کی عظمت کا راز بتا دیا کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔

یاد رکھیں! سب سے بڑا معروف جس کی طرف دعوت دی جانی چاہیے وہ اللہ کی توحید ہے۔ اور سب سے بڑا منکر جس سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے وہ شرک ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ کا مطلب یہ ہے کہ خود بھی برائی سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ ایک حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مَثَلُ الْقَائِمِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَ الْوَاقِعِ فِیْهَا کہ اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور ان کو توڑنے والے کی مثال ایسی ہے کَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰی سَفِیْنَةٍ فَصَارَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَ بَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا کہ جیسے کچھ لوگ قرعہ اندازی کر کے جہاز میں سوار ہوں کچھ اوپر کی منزل میں ہوں اور کچھ نیچے کی منزل میں۔ اور صورت حال ایسی ہو کہ نیچے والوں کو پانی لینے

کے لیے اوپر جانا پڑتا ہو۔ یعنی پانی کا ذخیرہ اوپر کی منزل میں رکھا ہوا ہو۔ اگر نیچے والے یہ سوچیں کہ ہمیں بار بار پانی لینے کے لیے اوپر جانا پڑتا ہے اور اوپر والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہم اپنے نیچے والے حصے میں سے ایک سوراخ سمندر میں کھول لیں؛ جس سے پانی یہاں ہی ملتا رہے۔ ایسی صورت میں اگر اوپر والے ان احمقوں کو اس فعل سے نہ روکیں گے اور یہی سوچیں گے کہ وہ اپنے حصے میں سوراخ کر رہے ہیں وہ جانیں اور ان کا کام ہمیں کیا؟ جہاں کوئی لگا ہوا ہے لگا رہے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فَاِنْ تَرَ کُوْھُمْ وَ مَا اَرَادُوْا ھَلَکُوْا جَمِیْعاً اگر وہ ان کو یونہی چھوڑ دیں گے ان کو نہ روکیں گے تو سب کے سب ہلاک ہوں گے یعنی صرف نیچے والے نہیں اوپر والے بھی ہلاک ہوں گے۔ وَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی اَیْدِیْھِمْ نَجَوْا وَ نَجَوْا جَمِیْعاً (بخاری) اور اگر وہ اوپر والے آ کر ان کو سختی سے روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس حقیقت کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہے بشکست عہد صحبت اہل طریق را

کہ ایک نیک دل شخص خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسہ میں آ گیا اور اہل طریقت کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان توڑ دیے۔

گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را

میں نے اس سے پوچھا کہ ایک عالم اور عابد میں کیا فرق ہے کہ تو نے اس گروہ کو چھوڑ کر اس کو اختیار کیا ہے۔

گفت او گلیم خویش بدر مے برد ز موج ویں جہد مے کند کہ بگیرد غریق را

وہ کہنے لگا کہ وہ عابد صرف دریا کی موجوں سے اپنی گودڑی کو بچاتا ہے

اور یہ عالم کوشش کرتا ہے کہ دوسرے ڈوبنے والے کو بھی بچائے۔

اس لیے ضروری ہے کہ خود ایمان و اعمال صالحہ اختیار کرنے کے بعد دوسروں کو بھی اس کی دعوت دی جائے۔

صفتِ چہارم:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور وہ ایک دوسرے کو صبر کی تاکیدی نصیحت بھی کرتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب آدمی کسی کو نیکی کی دعوت دے گا اور خاص طور پر برائی سے منع کرے گا تو اس پر مصائب اور تکالیف تو آئیں گے۔ آدمی چاہے جتنی بھی خوش اسلوبی سے حق کی دعوت دے اور برائی سے منع کرے وہ لوگوں کی مخالفت سے نہیں بچ سکتا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا مظہر تھے۔ اپنی قوم کے لیے سب سے زیادہ درد رکھنے والے انتہائی شفیق اور مہربان تھے۔ جو دعوت کا طریق کار اور انداز تبلیغ سب سے بہتر جانتے تھے اور من جانب اللہ جانتے تھے۔ انہوں نے بھی جب لوگوں کو اللہ کی توحید کی دعوت دی تو ان کو بھی بڑے بڑے مصائب اور مظالم برداشت کرنا پڑے۔ آپؐ نے خود فرمایا لَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ مَالَمْ یُؤْذَاَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ (   ) کہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں جتنی تکلیف میں نے اٹھائی اتنی تکلیف کسی نبی نے نہیں اٹھائی ہوگی۔ تو نجات کا چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی مصائب و بلیات میں صبر و استقامت اختیار کرے۔ صرف خود صبر و ثبات اختیار نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرے۔

گرامی قدر سامعین! صبر کا معنیٰ ہوتا ہے ''رک جانا'' تو اس لحاظ سے

یہاں اس کے تین مفہوم نکلتے ہیں۔(ا) مصیبت میں صبر کرنا۔یعنی جزع فزع نہ
کرنا۔غیر اللہ سے اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرنا وغیرہ۔(ب) نیکی پر صبر کرنا۔یعنی
نیکی پر قائم رہنا۔ ثابت قدمی دکھانا اپنے نظریے اور عمل سے ہٹ نہ جانا۔
(ج) گناہ سے صبر کرنا۔یعنی کسی قسم کے گناہ اور شرک و کفر رسوم و رواج اور
بدعات سے اجتناب کرنا۔اور پھر اس صبر کی جزاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت
کی صورت میں عطاء فرمائے گا۔وَجَزٰاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا (الدھر)
اور ان کو ان کے صبر کے بدلے بہشت کے باغات اور ریشم کے ملبوسات ملیں
گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ چاروں صفات اپنانے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)۔
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۹:- سُورَةُ الکَوثَر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ.

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت سورۃ الکوثر کا ترجمہ اور مختصر تشریح عرض کرنے کی سعادت حاصل کرونگا۔

آپ جانتے ہیں کہ مشرکین نے اشاعت التوحید کی پاداش میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے پناہ اذیتیں دیں۔ آپ کو شاعر' ساحر' کاہن' مجنون' مفتری اور کذاب کہا گیا۔ آپ کے مبارک نام "محمد" کی بجائے آپ کو "مذمم" کہا گیا۔ آپ کے سر مبارک میں خاک ڈالی گئی' راستے میں کانٹے بچھائے گئے' گردن مبارک پر ناپاک اوجھڑی رکھی گئی' گلے میں رسی ڈال کر بل چڑھائے گئے اور رخ انور پر تھوکا گیا۔

آپ کو شعب ابی طالب میں تین سال تک قید رکھا گیا۔ پتھروں سے مار مار کر لہولہان کیا گیا۔ حتیٰ کہ بچیوں کو طلاقیں دلوائی گئیں۔ آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے حتیٰ کہ آپ وطن چھوڑنے پر اور ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کفار نے آپ کو جب بھی پریشان اور مغموم کیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتار کر آپ کو تسلیاں دیں۔ واصبر و ماصبرک الا باللہ ولا تحزن علیهم (النحل)

فاصبر کما صبر الوالعزم من الرسل (احقاف) واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (الطور) واصبر علی مایقولون و اھجرھم ھجرا جمیلاً (المزمل)

ایذا رسانی کا کمینہ طریقہ:

مشرکین مکہ اگرچہ خاندانی لوگ تھے مگر وہ آپ کی ایذا رسانی میں اس حد تک کمینگی پر اتر آئے تھے کہ آپ کے بیٹے (حضرت عبداللہ) کی وفات پر خوشیاں منانے لگے، بغلیں بجانے لگے اور آپ کو طعنے دینے لگے۔ اور کہنے لگے کہ جب تیرا بیٹا نہیں رہا تیری نسل بھی ختم ہو جائے گی، تیرا نام بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔ اور کام بھی۔ وہ یہ کہتے کہتے نہ تھکتے تھے بتر محمد منا بتر محمد منا کہ نعوذ باللہ محمد کا نسب مٹ گیا۔ اس کے مرنے کے بعد پیچھے اس کا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کے ان دلخراش جملوں سے بے حد دکھ ہوا۔ بیٹے کی فوتگی کا الگ دکھ اور اوپر سے دشمنوں کے یہ دل فگار طعنے! ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے سورۃ الکوثر نازل فرمائی۔ سورۃ الکوثر کیا ہے؟ صرف تین جملے ہیں انا اعطینک الکوثر. فصل لربک وانحر. ان شانئک ھوالابتر کہ ہم نے آپ کو کوثر عطاء کیا۔ پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں بے شک آپ کا دشمن بے نام ونشان ہو جانے والا ہے۔

ذرا غور فرمائیں! پہلے جملے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کا بیان ہے، دوسرے جملے میں آپ کے پروگرام کا بیان ہے اور تیسرے جملے میں آپ کے دشمن کے انجام کا بیان ہے۔

گرامی قدر سامعین! میری آج کی گفتگو کا موضوع زیادہ تر پہلا جملہ ہی ہوگا۔

کَوثَر کا مَعنیٰ:

کوثر کثرت سے نکلا ہے۔ ہماری اردو زبان میں ایسا کوئی مفرد لفظ موجود نہیں ہے جو اس کے مترادف سمجھا جائے۔ علماء کرام نے اس کے بہت سے معانی بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک جامع معنیٰ ہے "خیر کثیر" یعنی بہت سی بھلائیاں' بہت سی رحمتیں اور برکتیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ خیر کثیر سے بہت کچھ مراد لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے مفہوم میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔

پَہلا مَعنیٰ:

"امت کثیر" کہ ہم نے آپ کو امت کثیر عطاء فرمائی۔ آپ کا نام اور کام کیسے مٹ سکتا ہے؟ آپؐ کے نام لیوا تو تمام انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ہر نبی کے ساتھ اس کی امت ہوگی۔ ایسے انبیاء بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ چند آدمی ہوں گے' کسی کے ساتھ صرف دو آدمی' کسی کے ساتھ صرف ایک آدمی اور کسی کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ ایسے انبیاء بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک جم غفیر ہوگا اور ان کی کثرت سے پورا افق بھر جائے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں اس امت کی کثرت دیکھ کر حیران رہ جاؤں گا۔ اور دل میں یہ خیال کروں گا کہ شاید یہ میری امت ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ پھر میں دیکھوں گا کہ چاروں طرف سے بڑے بڑے جم غفیر آنے لگیں گے اور ان کی

کثرت سے چاروں افق بھر جائیں گے تو مجھے بتایا جائیگا کہ ھٰذِہٖ اُمَّتُکَ کہ یہ آپ کی امت ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں سب لوگوں کو قطاروں میں کھڑا کیا جائیگا تو کل ۱۲۰ قطاریں بنیں گی۔ اور ان ایک سو بیس قطاروں میں سے ۴۰ قطاریں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی ہونگی اور ۸۰ قطاریں صرف امت محمدیہ کی ہوں گی۔ سبحان اللہ

مطلب یہ ہے کہ میرے پیغمبر آپ کا نام کیسے مٹ سکتا ہے؟ دنیا میں بھی آپ کے نام لیوا بکثرت ہوں گے اور آخرت میں بھی بکثرت ہوں گے۔ نہ آپ کا نام مٹ سکتا ہے اور نہ کام مٹ سکتا ہے۔

دوسرا معنیٰ:

''صفات کثیرہ'' کہ ہم نے آپ کو صفات کثیرہ عطاء فرمائیں۔ وہ تمام صفات جو دیگر انبیاء کو تقسیم کر کے دی گئیں وہ سب کی سب اکٹھی کر کے تنہا آپ کی ذات میں رکھ دی گئیں۔

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وہ انبیاء کرام اگر چیتاں ہیں تو آپ پھول ہیں اور اگر وہ پھول ہیں تو آپ ان پھولوں کا حسین گلدستہ ہیں۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ　　فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

گرامی قدر سامعین! اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو صفات عجیبہ اور صفات کثیرہ کے علاوہ معجزات عجیبہ و کثیرہ بھی عطاء فرمائے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ سے اگر پتھر سے پانی جاری ہوا تو آپ کے معجزہ سے آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ حضرت

سُلیمان علیہ السلام اگر پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے تو آپؐ کے معجزہ سے ابوجہل کی بند مٹھی میں کنکریاں کلمہ پڑھنے لگیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے اگر مردہ زندہ ہو جاتا تھا تو آپؐ کے معجزہ سے مسجد نبوی میں کھڑے کھجور کے خشک تنے میں آثار زندگی نمودار ہو گئے اور وہ آپؐ کے فراق میں بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ حدیث کے الفاظ ہیں صَاحَتِ النَّخْلَةُ صِیَاحَ الصَّبِیِّ.

صفات اور معجزات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری حسن بھی بے مثال و لاجواب عطاء فرمایا اسی لیے حضرت حسانؓ فرماتے ہیں۔

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنٌ　　وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً امِنْ کُلِّ عَیْبٍ　　کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

حضرت سیدہ عائشہؓ ایک موقعہ پر فرمانے لگیں۔

لَوَامِیْ زَلِیْخَا لَوْرَأَیْنَ جَبِیْنَهٗ　　لَاٰ ثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْیَدِ

کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ اگر وہ میرے محبوب کے ماتھے کی سلوٹیں ہی دیکھ لیتیں تو اپنے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

تیسرا معنیٰ:

"کثیر جماعت صحابہ" کہ اگر آپ کا بیٹا فوت ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟ ہم نے آپ کو صحابہ کرامؓ کی کثیر جماعت جو عطاء فرمائی ہے۔ اگر قاسم اور عبداللہ نہیں رہے تو ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ جیسے بیٹے جو موجود ہیں۔

آپؐ کی یہ جماعت کسی دور میں صرف چار افراد پر مشتمل تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی ترقی دی اتنا بڑھایا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ چوالیس

ہزار جانثار آپؐ کے ساتھ موجود تھے۔

گرامی قدر سامعین! ذرا غور فرمائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ نے کتنے انعام فرمائے! مَنّ وسَلویٰ ان کے لیے اتارا۔ پتھروں سے پانی کے چشمے ان کے لیے جاری فرمائے۔ بادلوں کا سایہ ان پر کیا۔ لیکن جب قربانی کا وقت آیا تو کہنے لگے اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہ آپ جائیں اور آپ کا رب جائے اور جا کر دشمن سے لڑائی کریں ہم تو یہ بیٹھے ہیں۔

ادھر غزوہ بدر کا موقعہ ہے۔ تین دن سے صحابہ کرامؓ بھوکے اور پیاسے ہیں۔ جسم پر موسم کے مطابق کپڑا نہیں۔ پاؤں میں جوتا نہیں۔ چڑھنے کے لیے سواری نہیں' لڑنے کے لیے ہاتھ میں تلوار نہیں۔ مگر پھر بھی آپؐ کے اشارہ ابرو پر جان قربان کرنے کے لیے صف بنا کر تیار کھڑے ہیں۔

جب آپؐ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے ہیں تو حضرت مقدادؓ کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰى لِمُوْسٰى ہم اصحاب موسیٰؑ کی طرح آپ کو جواب نہیں دیں گے۔ ہم اصحاب محمدؐ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپؐ کے آگے پیچھے' دائیں بائیں سے لڑیں گے' اگر آپ ہمیں برک الغماد تک لے جائیں تو ہم تیار ہیں۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیں تو ہم بلا چون و چرا ڈال دیں گے۔ اگر آپ ہمیں پہاڑوں سے ٹکرانے کا حکم دیں تو ہم ٹکرا جائیں گے۔ یا رسول اللہ قدم بڑھائیں ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔

گرامی قدر سامعین! ایک موقعہ پر مشرکین مکہ نے دھوکہ سے حضرت خبیبؓ کو پکڑ لیا۔ ان کو مارا گیا' پیٹا گیا' سخت سزائیں دی گئیں' کمرے میں بند کر کے بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن ان کو برسر عام سولی پر چڑھانے کا فیصلہ کر

کے پورے مکہ میں اعلان کر دیا گیا۔ چھوٹے بڑے' جوان بوڑھے' مرد عورتیں غرضیکہ سب کفار اپنا سینہ ٹھنڈا کرنے کے لیے یہ منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔

حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکایا گیا۔ پھر چاروں طرف سے ان کے وجود پر تیر چلائے گئے۔ آناً فاناً ان کا وجود تیروں سے چھلنی ہو کر لہولہان ہو گیا۔ پھر ان ظالموں نے تلواروں سے ان کے ایک ایک عضو کو کاٹنا شروع کر دیا۔ عین اس وقت جب کہ وہ اس حالت سے دو چار تھے' ابوسفیان نے ان سے سوال کیا۔ اَتُحِبُّ اَنْ یَکُوْنَ مُحَمَّدٌ مَکَانَکَ؟ کہ اب تو تو یقیناً چاہتا ہوگا کہ تجھے چھوڑ دیا جائے اور تیری جگہ محمد (ﷺ) کو پکڑ کر لایا جائے؟ کیونکہ انہی کے ساتھ تعلق اور نسبت کی وجہ سے تیرا یہ حال ہو رہا ہے۔

حضرت خبیبؓ کا پور پور کٹا ہوا تھا پورا جسم لہولہان تھا مگر انہوں نے کڑک کر جواب دیا وَاللّٰہِ لَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ آمِناً وَادِعًا فِیْ اَھْلِیْ وَوَلَدِیْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا یُؤْخَزُ بِشَوْکَۃٍ اللہ کی قسم! مجھے یہ قطعاً منظور نہیں کہ میں بخیر و عافیت اپنے گھر اپنے بال بچوں کے پاس پہنچ جاؤں اور اس کے بدلے میرے محبوب حضرت محمد ﷺ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھویا جائے۔

گرامی قدر سامعین! صحابہ کرامؓ کے اخلاص' فدویت اور جانثاری کا اندازہ لگائیں۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میرے پیغمبر گھبرائیں نہیں ہم نے آپ کو کثیر تعداد میں صحابہ کرامؓ جیسی جماعت عطاء فرمائی ہے جو دنیا کے کونے کونے میں تیرا نام بھی روشن کریں گے اور تیرا مشن بھی پہنچائیں گے۔

چوتھا معنیٰ:

"قرآن کریم" یعنی اے میرے پیغمبر اگر تیرا بیٹا فوت ہو گیا تو کیا ہوا' ہم نے آپؐ کو قرآن مجید جو دیا ہے۔

گرامی قدر سامعین! یقیناً آپ سوچیں گے کہ بیٹے کی وفات اور قرآن کریم کے دینے میں کیا مناسبت اور رابطہ ہے؟

دراصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے جس کو کبھی بھی زوال نہیں ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اور اس قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے صحابہؓ کے اوصاف بیان فرما دیے۔

قرآن مجید میں ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کہ ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ اس لیے آپؐ دیکھتے ہیں کہ اکثر مقامات پر جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ساتھ اللہ کے رسول کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیْ اذان میں نماز میں تکبیر میں حتیٰ کہ قبر کے سوال و جواب میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔

پھر دیکھیے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے رخ انور کا ذکر فرمادیا وَالضُّحٰی۔ آپ کی زلفوں کا بیان فرمادیا وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰی۔ آپ کے سینے کا بیان فرمادیا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ آپ کی زبان کا ذکر فرمادیا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی۔ حتی کہ جس زمین پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے تلوے لگ گئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس زمین کے تقدس کی قسم اٹھائی لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہ مجھے قسم ہے اس شہر مکہ کی اور تم اس شہر میں ہی رہتے ہو۔

گویا اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ میرے پیغمبر! اگر آپ کا بیٹا فوت ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟ ہم نے آپ کو قرآن جو دیا ہے۔ اور قرآن میں آپ کی عظمتوں اور رفعتوں کو بیان کر کے اسے دوام بخش دیا ہے۔ جس طرح قرآن کو زوال نہیں اسی طرح تیرے ذکر کو بھی زوال نہیں وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔

پانچواں معنیٰ:

''حوضِ کوثر'' یعنی اے پیغمبر! اگر تیرا بیٹا فوت ہو گیا تو کیا ہوا؟ ہم نے آپ کو حوضِ کوثر جو دیا ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے اور اس سے ایک نالہ نکل کر میدانِ محشر میں آ کر ایک حوض میں گرتا ہے اور اس حوض کا نام ہے ''حوضِ کوثر''۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک حوض دیا ہے' کسی کا حوض چھوٹا ہے کسی کا بڑا۔ کسی کے اوپر پانی پینے والے کم ہوں گے اور کسی پر زیادہ ہوں گے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ رش اور بھیڑ میرے حوض پر ہو گی۔

آپؐ نے مزید یہ بھی فرمایا حَوْضِی مَسِیْرَۃُ شَھْرٍ وَزَوَایَاہُ سَوَاءٌ کہ میرا حوض اتنا لمبا چوڑا ہے کہ اس کا ایک ضلع ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے اور اس کے چاروں زاویے برابر ہیں یعنی مربع شکل ہے۔ مَاءُ ہٗ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اَبْیَضُ مِنَ اللَّبَنِ دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْکِ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ وَکِیْزَانُہٗ کَنُجُوْمِ السَّمَاءِ اور اس کے آب خورے تعداد اور چمک دمک میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ مَنْ یَّشْرَبُ مِنْھَا لَا یَظْمَأُ اَبَدًا جس نے ایک دفعہ اس سے پانی پی لیا پھر کبھی وہ پیاس کی تکلیف سے دوچار نہ ہو گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میرے پیغمبر! دنیا تو دنیا ہے ہم نے آخرت میں بھی آپؐ کے نام کے پھریرے لہرا دیے۔ میدانِ محشر میں ساری خلقت جمع ہو گی' آپؐ کے حوض کو دیکھ کر ہر طرف آپ کا ہی تذکرہ ہو گا۔ پھر مقام

محمود پر آپ کو ہی فائز کیا جائے گا۔ شفاعت کبریٰ کرنے والے بھی آپؐ ہی ہوں گے۔ بیٹا فوت ہو گیا تو غم نہ کیجئے آپ کا نام دنیا میں بھی بلند ہو گا اور آخرت میں بھی بلند ہو گا۔

گرامی قدر سامعین! ہمارے استاذ محترم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ فرمایا کرتے ہیں کہ قرآن بھی کوثر ہے اور حوض بھی کوثر ہے۔ جس نے دنیا میں اس قرآن والے کوثر سے پانی پیا اسے آخرت میں یقیناً حوض کوثر کا پانی بھی نصیب ہو گا۔ اور جو دنیا میں اس قرآن والے کوثر سے دور رہا وہ قیامت کے دن حوض کوثر سے بھی دور رہے گا۔

دُوسری آیت:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

اس آیت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پروگرام کا بیان ہے یعنی ہر قسم کی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیجئے۔ نماز میں عبادت بدنی اور قولی جمع ہیں اور قربانی میں عبادت مالی کا تذکرہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تینوں قسم کی عبادات صرف اور صرف اپنے رب کے لیے ہی کیجئے۔

تِیسری آیت:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بے شک آپؐ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہو جانے والا ہے۔ اس آیت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپؐ کا نام اور نسل تو ہمیشہ رہے گی آپؐ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

گرامی قدر سامعین! آج ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد دنیا بھر میں پھیلی

ہوئی ہے دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں آپ کی صوری اولاد کا کوئی نہ کوئی فرد نہ ہو۔اور آپ کی معنوی اولاد (پیروکار) کا تو شمار ہی نہیں۔

اس کے برعکس طعن کرنے والے عتبہ' شیبہ' ولید' امیہ بن خلف' نضر بن حارث' عاص بن وائل' عقبہ' کعب بن اشرف اور ابوجہل وغیرہ کی نہ کہیں صوری اولاد موجود ہے اور نہ معنوی۔

آج اگر ان کا نام کوئی جانتا ہے تو یہ ان کی ذاتی خوبی نہیں' بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہونے کی نسبت سے ان کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔یعنی ان کا نام بھی اگر باقی ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے باقی ہے۔ ان کی طرف اپنے آپ کو نسلاً یا مذہباً منسوب کرنے والا کوئی ایک فرد بھی باقی نہیں ہے۔ ذکر خیر اگر باقی ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا باقی ہے۔اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔اور جسے اللہ بلند کرے اسے پست کرنے والا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحیح مقام جاننے اور آپ کی اتباع کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۴۰:- مُعَوِّذَتَین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ.

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی آخری دو سورتوں کا ترجمہ اور مختصر تشریح عرض کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ یہ دونوں سورتیں اکٹھی ہی نازل ہوئیں اور ان کا اکٹھا نام ہے ''معوذتین'' جبکہ پہلی سورت کا اپنا نام سورۃ الفلق ہے اور دوسری کا سورۃ الناس ہے۔

معوذتین کا مطلب ہے ایسی دو سورتیں جن میں ہر قسم کے شرور اور فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں کہ ان کی مثل کوئی آیت نہیں یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (مسلم)۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں

بھی ان کی مثل کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ استعاذہ کے باب میں ان جیسی کوئی سورت یا آیت نہیں ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ ان سورتوں کے نزول سے پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام استعاذہ کے لیے مختلف کلمات پڑھتے تھے مگر جب یہ دونوں سورتیں نازل ہو گئیں تو آپؐ نے انہی کو اختیار فرمالیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو نماز کے بعد ان دونوں سورتوں کے پڑھنے کی تلقین فرمائی (ابوداؤد) اسی طرح سونے کے وقت بھی اور اٹھنے کے وقت بھی ان کے پڑھنے کی تلقین فرمائی (نسائی)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب کوئی تکلیف یا بیماری پیش آتی تو آپ یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے۔ پھر جب مرض الوفات میں آپؐ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپؐ کے ہاتھوں پر دم کرتی اور آپؐ ہی کے ہاتھ آپؐ کے وجود مبارک پر پھیرتی تھی اور میں یہ کام اس لیے کرتی تھی رَجَاءَ بَرَکَتِهَا کہ آپؐ کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے (ابن کثیر)

شَانِ نُزول:

ان دونوں سورتوں کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک دفعہ ایک یہودی لبید بن اعصم اور اس کی بیٹیوں نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپؐ بیمار ہو گئے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ کو اطلاع دی کہ آپ پر فلاں

یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز پر کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں میں پتھر کے نیچے دبائی گئی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدمی بھیجے جو وہ جادو کی چیزیں کنویں سے نکال لائے۔ اس میں ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ میں ایک سوئی لگی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیات ہیں۔ آپؐ ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھولتے گئے یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ کی طبیعت پر جو بوجھ سا تھا وہ اتر گیا (ابن کثیر)

گرامی قدر سامعین! بعض لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ جادو کا اثر اللہ کے نبی پر کیسے ہوسکتا ہے؟ اس بارہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سحر کا اثر بھی اسباب طبعیہ کا اثر ہوتا ہے۔ جیسے آگ سے جلنا یا گرم ہونا یا پانی سے سرد ہونا۔ بعض اسباب طبعیہ سے بخار آ جانا یا مختلف قسم کے درد و امراض کا پیدا ہو جانا ایک امر طبعی ہے جس سے پیغمبر اور انبیاء مستثنیٰ نہیں ہوتے' اسی طرح سحر و جادو کا اثر بھی اسی قسم سے ہے اس لیے کوئی بعید نہیں (تفسیر معارف القرآن)

سُورَةُ الْفَلَق

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اور چار چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہہ دیجیے کہ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے رب کے ساتھ۔ یہاں فلق سے مراد صبح کی روشنی یا سفیدی لی گئی ہے۔ لیکن فلق کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو پھاڑ کر اس سے دوسری چیز نکالنا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر صبح کی روشنی نکالتا ہے اس لیے اس سے مراد صبح کا چاند نا لیا گیا

ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی گئی ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کہ وہی رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی (انعام) کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر ان سے پودا وغیرہ نکالتا ہے۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں اپنا عصاء مارا تھا اور سمندر کے اندر راستے بن گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی فلق سے تعبیر فرمایا ہے فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (الشعراء) کہ دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔

گرامی قدر سامعین! اگر آپ غور فرمائیں تو اللہ تعالیٰ کی صفت فلق پورے عالم میں کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ ایک خلیے سے دوسرا خلیہ بنانے میں بھی یہی قدرت کارفرما ہے۔ اور یہی صفت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اختیار تام کی دلیل ہے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ عموماً اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کے اندر فائدہ کا پہلو بھی ہے اور شر کا پہلو بھی۔ بارش' ہوا' دریا' پہاڑ' سمندر' رعد و برق وغیرہ جہاں ان کے اندر انسان کے لیے بہت سے فوائد چھپے ہوئے ہیں وہاں بہت سے شر اور نقصان بھی موجود ہیں۔ تو ان چیزوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لیے ان کے شر سے بچنا ضروری ہے اور شر سے بچانے والا وہی ہے جو ان چیزوں کا خالق ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ اسی ایک جُملے کے اندر غور کر کے اس کے معانی کی وسعت کا اندازہ لگائیں کہ یہ ایک جملہ کہہ کر ہم نے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگ لی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ جملہ کہہ کر ہم

نے پناہ تو ہر ایک چیز کے شر سے مانگ لی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آگے اپنی مخلوقات میں سے خصوصی طور پر تین چیزوں کا انتخاب فرما کر ہمیں ان سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ: اور میں اندھیرے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ چھا جاتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اندھیرا شر کی بنیاد ہے' جب یہ چھا جاتا ہے تو اس میں کئی قسم کے شرور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اندھیرے میں سب سے پہلا شر جو پھیلتا ہے وہ شیاطین اور جنات کا ہوتا ہے' شام کے وقت جنات اور شیاطین ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں۔ اسی لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب رات کا وقت ہو جائے اِغْلِقُوْا اَبْوَابَکُمْ وَ اَطْفِئُوْ سُرُجَکُمْ وَ کُفُّوْا صِبْیَانَکُمْ تو اپنے دروازوں کو بند کر لیا کرو' چراغوں کو بجھا دیا کرو (یعنی سونے سے پہلے) اور اپنے بچوں کو سنبھال لیا کرو۔ تاکہ وہ شیاطین اور جنات کے اثرات سے محفوظ رہیں۔

* اندھیرے میں دوسرا شر موذی جانوروں کا ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر قسم کے موذی جانور عموماً رات کو ہی باہر نکلتے ہیں اور اپنے شکار کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

* اندھیرے میں تیسرا شر چوروں ڈاکوؤں وغیرہ کا ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی رات کے وقت اپنی کاروائی کرتے ہیں۔ ان کی کاروئیوں سے بسا اوقات محض مال نہیں جانیں بھی تلف ہو جاتی ہیں اور عزت و آبرو بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

* اندھیرے میں چوتھا شر جادو' سحر اور باطل عملیات کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھی زیادہ تر رات کے وقت مصروف عمل ہوتے ہیں۔

اندھیرے میں پانچواں شر بیماری وغیرہ کا ہوتا ہے۔ بیماری بھی عموماً رات ہی کے وقت غلبہ کرتی ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ لیے مریضوں کا دن نسبتاً بہتر گزر جاتا ہے مگر رات بے چینی اور تکلیف میں گزرتی ہے۔

گرامی قدر سامعین! ثابت ہوا کہ اندھیرا مجموعہ شرور و فساد ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اندھیرے کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ: اور میں گرہوں کے اندر پھونک مارنے والیوں کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں مراد ہیں جادوگر عورتیں۔ جادو کرنے کرانے والی عموماً عورتیں ہی ہوتی ہیں' اس لیے مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرہوں میں پھونک مار کر عورتوں نے ہی جادو کیا تھا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلط پروپگنڈہ کرنے والے گروہ اور پارٹیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ اور غلط پروپگنڈہ کرنے والے لوگ جسم کو نہیں بلکہ قلوب و اذہان کو متاثر کرتے ہیں۔ جس سے لوگوں کے عقائد اور نظریات میں فرق آ جاتا ہے۔ اور آج کل تو اسلام دشمن قوتیں اپنے غلط پروپگنڈے کے زور پر ہی کام چلا رہی ہیں اس لیے دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے غلط پروپگنڈے کے اثرات سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ: یعنی میں پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ حسد ایک بہت بری بلا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر جلنا اور اس سے وہ نعمت چھن جانے کی تمنا کرنا یا کاروائی کرنا۔ اور یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے مقابلے

میں رشک ایک ایسی صفت ہے جس کا جواز ثابت ہے۔ رشک کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اے اللہ! جس طرح تو نے اس کو اس نعمت سے نوازا ہے اسی طرح اپنے فضل و رحمت سے مجھے بھی یہ نعمت عطا فرما۔

حسد ایک ایسی بیماری ہے کہ اس سے کئی کبیرہ گناہ جنم لیتے ہیں۔ کائنات کے اندر سب سے پہلا کبیرہ گناہ حسد ہی کی وجہ سے سرزد ہوا جبکہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو ناحق قتل کر دیا تھا۔

یہودی جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک اپنی کتابوں میں پڑھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تھے اس کی وجہ بھی حسد ہی تھی۔ انہیں بنی اسماعیل سے حسد تھا۔ حَسَدًا مِنْ عِنْدِاَنْفُسِهِمْ (القرآن) اسی طرح نصاریٰ بھی محض حسد کی بنیاد پر نبی آخر الزمان پر ایمان لانے سے محروم رہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسد کا نقصان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

حاسدوں کو فائدہ کیا حاسدانہ لاگ سے
نیکیاں برباد ہوتی ہیں حسد کی آگ سے

حاسد اپنے حسد میں اندھا ہو کر بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ وہ ہر وقت دوسرے کے نقصان کے درپے ہوتا ہے۔

اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حاسدین کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔

سُورۃُ النَّاس

سورۃ الفلق میں دنیوی زندگی سے متعلق چار چیزوں سے پناہ مانگی گئی تھی اور اس سورت میں دینی زندگی سے متعلق ایک چیز سے پناہ مانگی گئی ہے اور وہ ہے ''وسوسہ شیطان''

چونکہ دینی آفات سب سے زیادہ نقصان دہ ہیں اس لیے اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کر کے صرف ایک آفت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اور وہ ہے شیطان کا شر جو سب شرور وآفات کی بنیاد ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ: کہہ دیجئے میں پناہ لیتا ہوں لوگوں کے رب کے ساتھ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا بیان ہوا ہے اور رب کا معنیٰ ہے پالنے والا یعنی پروردگار۔

گرامی قدر سامعین! پالنے کا مطلب آپ سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال ماں باپ کا بچے کو پالنا ہے۔ پالنے میں دو چیزیں لازماً پائی جاتی ہیں۔ (۱) نفع دینے والی چیزیں بہم پہنچانا۔ (۲) نقصان دہ چیزوں سے بچانا۔

جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اس کا تعلق ماں باپ کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی حتی المقدور پرورش کرتے ہیں اسے ضروریات بہم پہنچاتے ہیں اور نقصان دہ چیزوں سے بچاتے ہیں تو اُس کی نظر میں اس کی کل کائنات اس کے والدین ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ سب کچھ انہی سے ہوتا ہوا دیکھ کر سب کچھ انہی کو سمجھتا ہے۔ تو یہاں بتایا گیا کہ ساری کائنات کا حقیقی رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

مَلِكِ النَّاسِ: یعنی میں پناہ لیتا ہوں لوگوں کے بادشاہ کے ساتھ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ساری کائنات کے ذرے ذرے پر حکومت اور بادشاہی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے' وہی تخت بادشاہی پر متمکن ہے اور اسی کے ہاتھ

میں سارا اختیار ہے۔

بچہ جب مزید بڑا ہوتا ہے تو وہ اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ میری بعض ضروریات ایسی ہیں جنہیں میرے والدین بھی پورا کرنے سے عاجز ہیں۔ اور ایسی ضرورتوں کے لیے حاکم وقت یا بادشاہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تو اب اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ در اصل ضرورتیں پوری کرنے والا تو بادشاہ وقت ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سارے ملک کا اختیار ہے۔ اس لیے دوسرے نمبر پر فرمایا گیا مَلِكِ النَّاسِ کہ ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ اور سارے اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اِلٰهِ النَّاسِ: یعنی میں پناہ لیتا ہوں لوگوں کے معبود اور الٰہ کے ساتھ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ساری کائنات کا حقیقی معبود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔

بچہ جب مزید بڑا ہو جاتا ہے اور اس کا شعور بڑھ جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ کچھ لوازمات زندگی ایسے بھی ہیں جنہیں نہ والدین پورا کر سکتے ہیں اور نہ وقت کا بادشاہ۔ مثلاً دھوپ۔ گرمی۔ سردی۔ بارش وغیرہ۔ تو لا محالہ اس کی سوچ بلند ہو جاتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی بھی ہونی چاہیے جو تمام کی تمام ضروریات پوری کرنے پر قادر ہو۔ تو پھر اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ہستی الٰہ اور معبود کی ہے۔ جس کی طرف ہر قسم کی حوائج میں رجوع کرنا پڑتا ہے۔ وہی سب کا مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ وہی ذرے ذرے کا علم رکھنے والا اور ذرے ذرے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس لیے تیسرے نمبر پر فرمایا اِلٰهِ النَّاسِ کہ ساری کائنات کا معبود وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ: کہ میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جاتا ہے پناہ مانگتا ہوں۔ مراد شیطان ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ: جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ شیطان کا یہ وسوسہ اتنا خطرناک اور مضر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تین صفات رَبِّ النَّاسِ ' مَلِکِ النَّاسِ ' اِلٰهِ النَّاسِ بیان کر کے اس ایک چیز سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ شیطان ہمارا ایسا دشمن ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہم کسی تلوار یا بندوق سے اس کے حملے سے دفاع نہیں کر سکتے۔ اور پھر اس کا حملہ ظاہری جسم پر تو ہوتا نہیں اس کا حملہ تو انسان کے قلب پر ہوتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ (ابن کثیر) کہ شیطان انسان کی رگوں میں اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون دوڑتا ہے اور بعض احادیث میں فرمایا گیا کہ وہ اپنی سونڈ انسان کے دل پر رکھ لیتا ہے۔

شیطان اپنی اس دسیسہ کاری میں اتنا ماہر ہے کہ ہر طبقہ کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے پاس مختلف طریقے اور ہتھکنڈے ہیں۔ علماء' واعظین' عابدین' مبلغین اور مجاہدین ہر ایک کو پھنسانے کے لیے اس کے پاس ان کے احوال کے مطابق علیحدہ علیحدہ جال موجود ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ

یہ ایسا کھلا دشمن ہے کہ اس نے انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی حملہ کرنے کی جسارت کی' مگر انبیاء کرامؑ چونکہ معصوم ہوتے ہیں ان کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہوا ہے۔ اس لیے ان پر اس کا حملہ مؤثر نہ ہو سکا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے شر سے

بچنے کے لیے ایک دعاء سکھائی ہے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ اس دعاء کو حرز جان بنائیں اور وہ یہ ہے رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (مؤمنون) کہ اے میرے پروردگار میں پناہ چاہتا ہوں تیری ذات کے ساتھ شیطانوں کی چھیڑ چھاڑ سے اور میں پناہ چاہتا ہوں تیرے ساتھ اے میرے پروردگار کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ: چاہے وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو۔

گرامی قدر سامعین! جس طرح شیاطین مختلف قسم کے وسوسے ڈالتے ہیں اسی طرح انسانوں میں سے بھی کچھ لوگ وسوسہ اندازی کر کے خرمن ایمان کو تباہ کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ یہ وہ گمراہ فرقے ہیں جو خود بھی گمراہ ہوئے اور سادہ لوح عوام کے ساتھ مباحثہ کر کے یا تحریر و تقریر کے ذریعے ان کے دلوں کے اندر غلط وساوس ڈال کر ان کے عقیدے اور نظریے کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جنات میں سے بھی شیاطین ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دونوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔

فاتحہ اور خاتمہ میں مُناسبت:

گرامی قدر سامعین! قرآن مجید کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے ہوئی ہے اور سورۃ فاتحہ میں تین اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں۔

۱) ساری کائنات کا رب' پروردگار' پالنہار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

۲) ساری کائنات کا مالک' بادشاہ' متصرف اور مختار کل صرف اور صرف اللہ

تعالیٰ ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.

۳) ساری کائنات کا الٰہ اور معبود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ عبادت و استعانت کے لائق وہی ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ.

(یاد رکھیے الرحمٰن الرحیم صفت ربوبیت کی ہی ایک جھلک ہے' بنیادی مسئلہ مسئلہ ربوبیت ہے)

اسی طرح قرآن مجید کا اختتام سورۃ الناس پر ہو رہا ہے۔ اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی تین مسئلے بیان فرمائے ہیں۔

۱) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اس میں مسئلہ ربوبیت کا بیان ہے۔

۲) مَلِكِ النَّاسِ اس میں مسئلہ مالکیت اور مختار کل کا بیان ہے۔

۳) اِلٰهِ النَّاسِ اس میں مسئلہ الوہیت و معبودیت کا بیان ہے۔

علماء کرام نے اس کی مثال یوں بیان فرمائی ہے کہ جیسے ایک درخت کا بیج ہوتا ہے۔ اس بیج میں اُس درخت کی ساری صفات جمع ہوتی ہیں' اور اسی بیج سے درخت کی ابتداء ہوتی ہے۔ پھر وہ درخت بڑا ہوتا ہے' تنا اور ٹہنیاں پیدا ہوتی ہیں' پتے اور شاخیں لگتی ہیں' پھول اور پھل لگتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس درخت کا حقیقی ثمرہ اور نتیجہ پھل ہوتا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ پھل کے اندر پھر وہی بیج موجود پایا جاتا ہے' جس سے درخت کی ابتداء ہوئی تھی۔ گویا جس چیز سے ابتداء ہوتی ہے انتہاء بھی اسی پر ہوئی ہے۔

اسی طرح سورۃ فاتحہ کے اندر یہ تین مسئلے بیان ہوئے۔ پھر قرآن مجید پھیلتا چلا گیا' حتیٰ کہ اس کی انتہاء پر جو ثمرہ اور نتیجہ برآمد ہوا وہ یہی تین مسئلے ہیں۔ رَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. اِلٰهِ النَّاسِ.

ہمارے استاذ محترم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ ان دونوں

سورتوں کا ربط و خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ مسئلہ توحید کو واشگاف انداز میں بیان کریں گے شرک و بدعات کی برملا تردید کریں گے تو دشمن توحید کی اس آواز کو بند کرنے کے لیے ہر حربہ اختیار کرے گا۔ جب اس کا ہر حربہ ناکام ہو جائیگا تو اس کا آخری حربہ یہی ہوگا کہ وہ آپ پر سفلی عملیات' جادو سحر وغیرہ کرے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آخر میں اس کا علاج بتا دیا کہ آپ ان دونوں سورتوں کی اکثر تلاوت کیا کریں۔ ان کی تلاوت سے انشاء اللہ جادو وغیرہ کا اثر ختم ہو جائے گا۔

بَسْ:

بعض عُلماء کرام بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی ابتداء حرف باء سے ہوئی ہے یعنی بِسْمِ اللهِ الخ کی باء سے' اور قرآن مجید کا اختتام سین پر ہوا ہے یعنی وَالنَّاس کے سین پر۔ ان دونوں کو ملائیں تو ''بَسْ'' بنتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ قرآن مجید دونوں جہانوں کے لیے بس ہے اور ہدایت و نجات کے لیے کافی اور وافی ہے۔

اکبر الٰہ آبادیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

مغوی تو ملیں گے تمھیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

مولانا حکیم عبدالخالق صاحبؒ



مکتبۃ البشیر

جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب